انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشتِ حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

حصہ پانزدہم ۱۵
تبع تابعین دوم

اُولٰئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ ط

بسلسلہ سیر الصحابہؓ حصہ پانزدہم ۱۵

تبع تابعینؒ

جلد نہم 9 حصہ پانزدہم ۱۵

تبع تابعینؒ دوم

چوہتر جلیل القدر تبع تابعین رحمہم اللہ کے حالاتِ زندگی جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والی نامور دینی شخصیات شامل ہیں

از

جنابؒ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

رفیق دارالمصنفین

ناشر

اسلامی کتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ

چوک اُردو بازار لاہور

فون 042 - 7223506

marfat.com

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

بسلسلہ .... سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (جلد ہفتم)

نام کتاب .... تابعین رحمہم اللہ (حصہ دوم)

طابع .... ممتاز احمد

ناشر .... اسلامی کتب خانہ

مطبع .... لعل ستار پرنٹرز

ملنے کے پتے

⇦ مکتبہ رحمانیہ — غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور

⇦ ممتاز اکیڈمی — فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ مکتبۃ العلم — ۱۸/ اُردو بازار لاہور

⇦ خزینہ علم و ادب — الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ' معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

marfat.com

فہرست مضامین

تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم : جلد نہم : حصہ دوم

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
پیش لفظ : از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	5	حضرت قاسم بن الفضل	127
دیباچہ از مؤلف	9	حضرت حفص بن غیاث	130
حضرت آدم بن ابی ایاس	13	حضرت حماد بن زید	137
حضرت ابراہیم بن سعد	18	حضرت حماد بن سلمہ	142
حضرت ابو اسحاق ابراہیم الفزاری	22	حضرت حمزہ بن حبیب الزیات	152
حضرت ابن ابی ذئب	28	حضرت خالد بن الحارث ہجیمی	157
حضرت ابو معشر نجیح سندھی	37	حضرت ربیع بن صبیح بصری	160
حضرت ابو سلیمان الدارانی	43	حضرت روح بن عبادہ	171
حضرت ابو نعیم فضل بن دکین	54	حضرت زکریا بن ابی زائدہ	174
حضرت اسد بن فرات	61	حضرت زائدہ بن قدامہ	177
حضرت اسد بن موسیٰ مصری	84	حضرت زہیر بن معاویہ	181
حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصری	87	حضرت سعید بن عبدالعزیز	184
حضرت اسرائیل بن یونس کوفی	92	حضرت سلیمان بن بلال	188
حضرت اسماعیل بن علیہ	97	حضرت سلیمان بن المغیرہ القیسی	190
حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی	107	حضرت شجاع بن الولید	192
حضرت حسن بن صالح الہمدانی	113	حضرت شریک بن عبداللہ النخعی	195
حضرت حسین بن علی الجعفی	121	حضرت ضحاک بن مخلد النبیل	205

marfat.com

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
حضرت عبدالاعلیٰ بن مسہرؒ (ابومسہر)	209	حضرت محمد بن جعفر غندرؒ	338
حضرت عبدالرحمٰن بن القاسمؒ	215	حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ	
حضرت عبدالرزاق بن ہمامؒ	220	الانصاریؒ	341
حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ		حضرت مسلم بن خالد زنجیؒ	346
ماجشونؒ	227	حضرت معاذ بن معاذ عنبریؒ	349
حضرت عبداللہ بن ادریسؒ	238	حضرت معافی بن عمرانؒ	354
حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدیؒ	244	حضرت معمر بن راشدؒ	358
حضرت عبداللہ بن عمرو بن حفصؒ	253	حضرت مکی بن ابراہیمؒ	362
حضرت عبداللہ بن لہیعہؒ	256	حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظمؒ	365
حضرت عفان بن مسلمؒ	261	حضرت نافع بن ابی نعیمؒ	371
حضرت عبداللہ بن شوذبؒ	268	حضرت نضر بن شمیلؒ	375
حضرت عبداللہ بن نافع	270	حضرت وضاح بن عبداللہ الواسطیؒ	382
حضرت علی بن مسہر کوفی	273	حضرت وکیع بن الجراح الرواسیؒ	387
حضرت عمر بن سعدؒ	276	حضرت ولید بن مسلمؒ	399
حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانیؒ	280	حضرت وہیب بن خالدؒ	404
حضرت فضل بن موسیٰ سینانیؒ	287	حضرت ہشیم بن بشیر الواسطیؒ	408
حضرت قاسم بن معنؒ	291	حضرت یحییٰ بن ابی زائدہؒ	414
حضرت قبیصہ بن عقبہؒ	297	حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودیؒ	418
حضرت قتیبہ بن سعید الثقفیؒ	301	حضرت یحییٰ بن یمانؒ	429
حضرت مبارک بن فضالہؒ	306	حضرت یزید بن زریع العیشیؒ	433
حضرت محمد بن ابی شیبہؒ	309	حضرت یزید بن ہارون اسلمیؒ	437
حضرت محمد بن ادریسؒ (امام شافعیؒ)	311	حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمیؒ	451

marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّابَعْدُ!

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے لائق جانشینوں' اور فاضل تلامذہ نے دارالمصنفین کے نام سے علم و دین کی جو محفل سجائی' اس کی شمع فروزاں اُس ذات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تھی' جس کو وحی الٰہی نے سراج منیر کا لقب دیا ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴾ (سورۃ احزاب ۴۵ - ۴۶)

''اے پیغمبرؐ! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور خدا کی طرف بلانے والا' اور روشن چراغ''۔

ان کی عمر کا آخری کارنامہ سیرت نبویؐ پر ان کی وہ زندۂ جاوید کتاب ہے جس نے اہل علم کے طبقہ میں قبولیت عام کی سند حاصل کی اور جو خود ان کی کتاب زندگی کا وہ نورانی اختتام ہے' جس کی بنا پر ان کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی　مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبرؐ خاتم　خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

ان کی وفات کے بعد ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں رفقائے دارالمصنفین نے پہلے ان نفوس قدسیہ کے تعارف و سوانح نگاری کی سعادت حاصل کی جو شمع ہدایت سے براہ راست مستنیر تھے۔ مولانا شبلی کے اسلوب کے متبع خاص مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے اسوۂ صحابہ کے نام سے وہ معرکۃ الآرا کتاب لکھی جس

marfat.com

کو اس موضوع پر وہی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی جو اردو میں سیرت کے مبارک سلسلہ سیرت النبی ﷺ کو حاصل ہوئی تھی۔ اس سلسلہ کی تکمیل مہاجرین، سیر انصار اور سیر الصحابہ کے ناموں سے دارالمصنفین کے دوسرے فاضل رفقاء مولانا حاجی معین الدین ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اور مولانا سعید انصاری صاحب نے کی، پھر اس سلسلہ کو ان حضرات تک آگے بڑھایا گیا جنہوں نے شمع نبوت کے ان پروانوں سے کسب فیض کیا اور تابعین کہلائے۔ اس مبارک جماعت پر بھی دارالمصنفین کی طرف سے مفصل اور ضخیم کتابیں شائع ہوئیں اور اس گروہ کو اہل کتاب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے ساتھ تبع تابعین تک وسیع کیا گیا۔

ضرورت تھی کہ اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا جائے اور تابعین کے ساتھ تبع تابعین کے بھی حالات و کمالات، اخلاق و اوصاف اور ان کے علمی و عملی کارناموں اور خدمات کو روشنی میں لایا جائے، تاکہ معلوم ہو کہ نبوت کی تعلیم و تربیت کے اثرات اور اسلام کی آدم سازی اور مردم گری کا اعجاز اسی زمانہ تک محدود نہیں تھا جو سادگی اور فقر و قناعت کا دور تھا، اور جن میں تمدن، علم و فن اور حکومت و سیاست نے وسعت و ترقی اختیار نہیں کی تھی، بلکہ اس دور میں بھی رشد و ہدایت، زہد و تقویٰ اور عزیمت و استقامت کے وہ محیر العقول نمونے سامنے آئے، جن کی نظیر دوسری امتوں اور ملتوں میں ملنی مشکل ہے یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ زبان نبوت نے اس تیسری نسل کے لیے بھی خیر و برکت کی شہادت دی ہے۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ.

''میرے بہترین امتی میرے زمانے کے لوگ ہیں، یعنی (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا زمانہ پایا (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا زمانہ پایا۔ (یعنی تبع تابعین)''۔

کے الفاظ اس پر شاہد ہیں، درحقیقت یہ سب اسی ایک چراغ کا پرتو ہے، جس کے متعلق قرآن نے ہمیشہ روشن، اور دنیا کو روشنی اور تابانی پہنچانے کی پیشین گوئی کی ہے۔

marfat.com

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴾ (سورة الصف ۸ ـ ۹)

''یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں۔ حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے''۔

چنانچہ تبع تابعین پر مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی (سابق رفیق دارالمصنفین) عرصہ ہوا ایک مفصل کتاب تالیف کر چکے تھے، بڑے شکر و مسرت کا مقام ہے کہ دارالمصنفین ہی کے ایک ہونہار اور فاضل رفیق عزیز گرامی حافظ محمد نعیم صدیقی ندوی نے تبع تابعین کی دوسری ضخیم و مفصل جلد تصنیف کی جس میں دارالمصنفین کی قدیم علمی روایات اور اس کے معیار کے مطابق قدیم مستند مآخذ سے جن میں ان باکمال ہستیوں کے حالات یکجا یا متفرق طور پر موجود ہیں معلومات اخذ کر کے ان کو سلیقہ اور قابلیت کے ساتھ ایک کتاب میں مرتب کیا، اس مواد کو جمع کرنے میں وہ محض ناقل یا مرتب نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی خوش مذاقی، محنت، حسن انتخاب اور تصنیفی لیاقت کا ثبوت دیا ہے۔ زبان دبستان شبلی کے تربیت یافتہ لوگوں کی طرح شگفتہ، طرز بیان سلجھا ہوا اور متین و سنجیدہ ہے، انہوں نے کہیں کہیں اپنے ذہن، مطالعہ اور تحقیق سے بھی کام لیا ہے، اور وہ محض لکیر کے فقیر نہیں بنے رہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر قلم اٹھانا بڑا مشکل کام تھا کہ وہ ایک عظیم و عالمگیر فقہی مذہب کے بانی ہیں، جن کا شمار امت محمدی ﷺ کے اعلام و اعیان میں ہے، لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے توازن و اعتدال اور حسن تلخیص و انتخاب کا ثبوت دیا ہے، اس طرح سے اس امت کی کی علمی و دینی تاریخ کی ایک اہم کڑی اور اس کی زندگی کا ایک اہم دور اردو داں طبقہ کے سامنے آ گیا، اور اس وقت کی مردم خیزی، اور زمانہ نبوت سے قرب

marfat.com

کے اثرات و برکات کا ایک ثبوت فراہم ہوگیا، جو اسلام کی عظمت اور اس کی تعلیمات کی ہدایت کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے قارئین کے صرف معلومات ہی میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ وہ اس سے ایمان کی قوت، دلوں کی حرارت اور علوے ہمت و عزیمت کی دولت بھی حاصل کریں گے، جس کا پیغام اس کتاب کے صفحہ صفحہ اور سطر سطر سے ملتا ہے۔

دارالمصنفین اس تحتی براعظم کے مسلمانوں کے (جن کی زبان اردو ہے) شکریے اور اعتراف کا مستحق ہے، کہ اس نے خانہ نبوت کے ان ریزہ چینوں کی تاریخ و تذکرے کا یہ سلسلہ شروع کیا اور اس کو اتنی وسعت دی کہ تبع تابعین تک پہنچ گیا، مصنف بھی اس حسن انجام پر قبولیت و توفیق کی دعا اور شکریہ کے مستحق ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ عالم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز سہ شنبہ

marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

اسلام کی بہار اور اسلامی سعادتوں اور برکتوں کے عروج وشباب کا اصل دور عہد رسالت اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تھا، لیکن کردار وعمل کے تقریباً وہ تمام محاسن جن سے قرن اول کا معاشرہ معیاری اسوہ قرار پایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فیض یافتہ مقدس جماعت تابعین اور پھر ان کے بعد تبع تابعین کے عہد تک موجود رہے، واقعہ یہ ہے کہ ان مشہود بالخیر قرون ثلثہ کی عملی، مذہبی اور اخلاقی تاریخ کا مطالعہ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے دلیل راہ اور مضطرب قلوب کے لیے آب حیات ہے۔ راقم سطور کے خیال میں تبع تابعین کی اہمیت اس حیثیت سے تابعین سے بھی زیادہ ہے کہ انہوں نے ایک نہایت پرفتن اور پرشور زمانہ میں اسلام کے دفاع، علوم دینیہ کی تدوین اور مذہب کی حفاظت وصیانت کے روشن کارنامے انجام دیئے اور حسن کردار وعمل کی قندیلیں فروزاں کیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اس برگزیدہ اور مقدس جماعت نے اسلامی افکار وعقائد کے سرچشمہ کو صاف وشفاف رکھنے اور علوم دینیہ کی ترتیب وتدوین کی کوشش نہ کی ہوتی تو نہ معلوم آج اسلامی علوم کی تاریخ کیا ہوتی۔

خلافت راشدہ کی فصل بہار گزرتے ہی جب عنان قیادت بنوامیہ (عہد تابعین) اور اس کے بعد بنوعباس (عہد تبع تابعین) کے ہاتھوں میں آئی تو اسلامی معاشرہ نئے نئے فتنوں اور برائیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ فتوحات کی وسعت سے اسلام کا پرچم بلاد عجم کے آخری حصوں تک لہرانے لگا تو فلسفیانہ علوم وافکار کا شیوع ہوا، بکثرت اعتقادی فرقے دین قیم کا چہرہ بگاڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیعہ اور خوارج کے علاوہ معتزلہ، جہمیہ اور قدریہ وغیرہ نے اپنے اپنے مخصوص افکار وعقائد کی ترویج کے لیے علم اور سیاست سے آگے بڑھ کر جب حرب وپیکار کی حد تک کوششیں کیں، تبع تابعین نے

marfat.com

پامردی اور استقامت کے ساتھ ان فتنوں کا مقابلہ کیا، مثال کے طور پر معتزلہ نے عہد مامونی میں خلق قرآن کا عظیم ترین فتنہ کھڑا کردیا۔ جس کا ذکر اس کتاب میں متعدد جگہ ملے گا۔ یہ عقیدہ دراصل مسئلہ صفات کی موشگافیوں کا ایک شاخسانہ تھا۔ معتزلہ نے اس عقیدہ کی اشاعت وترویج کے لیے حکومت کے ایوانوں کو منتخب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس مسئلہ کو دلیل و برہان اور فکر وتعمق کی روشنی میں حل ہونا تھا اس کو قید و بند اور تازیانوں کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ بکثرت فقہاء ومحدثین کو (جو زمرۂ تبع تابعین سے تعلق رکھتے تھے) مسئلہ خلق قرآن پر معتزلہ سے تصادم میں موج خوں سے گزرنا پڑا۔ کتنوں نے اس راہ عزیمت میں جام شہادت نوش کیا۔ کتنوں نے دار ورسن کو لبیک کہا کتنوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اور بہت سے ایسے بھی تھے، جنہوں نے "إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ"[1] پر عمل پیرا ہوکر رخصت کی راہ اختیار کی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

خدا بانیان دار المصنفین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے کہ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے مستند سوانح حیات اور ان کے علمی، مذہبی اور اخلاقی کارناموں کا مرقع تیار کرانے کا ایک وسیع منصوبہ مرتب کیا، پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر راقم رنج ومسرت کے ملے جلے جذبات سے دوچار ہے، مسرت اس بات کی ہے کہ خداوند قدوس نے اس گناہ گار کو اتنے مقدس اور پاکیزہ کام کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائی اور شاید ان برگزیدہ اور اخیار امت کے صدقہ میں راقم کی مغفرت کا سامان ہوجائے، لیکن ساتھ ہی اس بات کا رنج وافسوس بھی ہے کہ استاذ محترم شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم جنہوں نے بڑی توقعات کے ساتھ یہ کام خاکسار کے سپرد کیا تھا، کتاب کی اشاعت سے قبل ہی عالم بقا کو سدھار گئے۔ نہ

---

[1] ترجمہ: سوائے اس شخص کے جو حد درجہ مجبور کردیا گیا اور (اس حال میں بھی) اس کا دل ایمان ویقین پر قائم رہا۔

marfat.com

معلوم ان کی توقعات کس حد تک پوری ہو سکی ہیں جیسا کہ مرحوم نے ''تابعین'' کے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ وہ خود ہی تبع تابعین کی تالیف کے بھی متمنی تھے، مگر دارالمصنفین کے فرائض منصبی اور دوسرے علمی کاموں کی مصروفیت میں انہیں اس کا موقع نہ مل سکا۔ وہ اگر آج ہوتے تو اپنے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر دیکھ کر یقیناً قلبی مسرت محسوس کرتے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ یہ اہم کام محترمی سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کے عہد نظامت میں پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ میں مخدومی مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اس کتاب کے مسودے کا ایک ایک حرف خاکسار سے پڑھوا کر سنا۔

تبع تابعین کا خالص دور تقریباً ایک صدی تک محیط رہا۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت میں بہت کثرت سے فقہاء و محدثین اور ارباب دعوت وارشاد پیدا ہوئے ہوں گے۔ اگر ان سب کا استقصا کیا جائے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو سکتی ہیں، لیکن تبع تابعین کی پیش نظر جلد میں صرف ایسی ۴۷ شخصیتوں کا انتخاب کیا جنہوں نے کسی خاص میدان علم میں علم امتیاز بلند کیا ہے یا علوم دینیہ کی ترتیب وتدوین میں ان کی نمایاں خدمات رہی ہیں یا وہ دنیائے معرفت وتصوف اور دعوت وارشاد میں بلند مرتبہ حاصل کر کے صلحائے امت میں شمار کیے گئے۔ اس کتاب میں آپ کو متعدد ایسے تبع تابعین مثلاً ابومعشر نجیح سندھیؒ، اسرائیل بن موسیٰ بصریؒ اور ربیع بن صبیحؒ وغیرہ کے حالات وکارنامے بھی ملیں گے جنہوں نے بغرض تجارت سرزمین ہند کو اپنے وردمیمون سے سرفراز کیا اور طویل قیام کے دوران میں یہاں کی فضاؤں کو اخوت، انسانیت، مساوات، حب الٰہی، رضا طلبی، ایمان ویقین اور قناعت وتوکل کے پاکیزہ جذبات سے معمور کیا، آج ہندوستان میں ہر سو اسلام اور اسلامیات کی جو بہار نظر آتی ہے، درحقیقت یہ سب پودا انہی سابقین اولین بزرگوں کی لگائی ہوئی ہے۔

آخر میں راقم سطور اپنے شفیق استاذ مخدومی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا صمیم قلب سے شکر گزار ہے کہ موصوف نے نہ صرف کتاب کے مسودہ کا بالاستیعاب مطالعہ فرما کر

marfat.com

گرانقدر ہدایات اور مشوروں سے رہنمائی فرمائی، بلکہ اس پر وقیع اور حوصلہ افزا مقدمہ بھی سپرد قلم کیا۔ دعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر اہل یقین کی عملی زندگی میں استغنا و بے نیازی، زہد و اتقاء، حق گوئی و بے باکی، سادگی و تواضع اور باہمی اخوت و مودت کی وہی کیفیات پیدا ہو جائیں گی جو تبع تابعین کرامؒ کا طغرائے امتیاز تھیں۔

خاکسار محمد نعیم صدیقی

دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ

۲۵ دسمبر ۱۹۷۸ء

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام آدم اور کنیت ابوالحسن تھی، جتنا نسب نامہ معلوم ہوسکا وہ یہ ہے آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن بن محمد[1] لیکن خطیب بغدادی اور بعض دوسرے محققین نے ان کے باپ کا نام ناہیہ اور جد امجد کا شعیب بتایا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جنہیں ابن ابی ایاس سے تلمذ خاص کا شرف ہے، اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے[2]۔ یہ نسلاً تمیمی نہیں تھے، بلکہ آقا کے خاندان کی نسبت سے تمیمی کہلاتے ہیں۔

ولادت اور وطن:

۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے، مرو (خراسان) کے رہنے والے تھے لیکن نشو ونما بغداد میں پائی، پھر علم وفضل میں باکمال ہونے کے بعد عسقلان کو وطن ثانی بنا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اسی بنا پر عسقلانی کہلاتے ہیں[3]۔

علمی سفر:

وہ تمام عمر فنافی العلم رہے، جہاں کہیں بھی انہیں کسی چشمہ علم کا پتہ چلا راہ کی تمام صعوبتیں برداشت کرکے وہاں پہنچے اور سیرابی حاصل کی، ابتداء میں انہوں نے شیوخ بغداد سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں وقت کے دوسرے ممتاز علمی مراکز تک پہنچایا، جہاں انہوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز اور شام کی راہ نوردی کرکے وہاں کے ماہر فن اساتذہ

---

[1] تہذب التہذیب ج ا ص ۱۹۶۔ [2] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۷۔ [3] کتاب الانساب ورق ۳۹۰۔

marfat.com

کے باغ علم سے خوشہ چینی کی، امام زمانہ شعبہ بن الحجاج سے تلمذ خاص کا شرف رکھتے تھے[1]۔

فضل وکمال:

وہ نہ صرف علمی حیثیت سے صاحب کمال تھے، بلکہ زہد وعبادت، ضبط وحفظ اور ثقاہت وتثبت میں بھی جلیل المرتب تھے۔ امام شعبہ کی مجلس درس میں جو سات علماء روایات کو ضبط تحریر میں لاتے تھے ان میں ابن ابی ایاس سب سے ممتاز تھے[2]۔

حافظ ذہبی انہیں" المحدث الامام الزاهد " لکھتے ہیں[3]۔

قرآن:

علوم قرآن کی کامل معرفت اور مختلف قرأتوں سے بہرہ وافر رکھتے تھے، طلبہ کو اس کا درس بھی دیا کرتے تھے[4]۔

حدیث:

حدیث میں انہیں جن شیوخ سے سماع اور اکتساب فیض کا موقع ملا تھا، ان کی فہرست خاصی طویل ہے، کیوں کہ انہوں نے بغداد کے علاوہ دوسرے مقامات کے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ کیا تھا، ممتاز اور لائق ذکر علماء میں امام شعبہ کے علاوہ ابن ابی ذئب اسرائیل بن یونس، لیث بن سعد، اسماعیل بن عیاش، ربیع بن صبیح، حماد بن سلمہ، مبارک بن فضالہ، ابومعشر المدنی، عبداللہ بن مبارک، ابی خالد الاحمر اور بقیہ بن الولید خاص طور پر قابل ذکر ہیں[5]۔

اسی طرح خود ان کے دبستان علم سے بھی ایک بڑی جماعت نے گل چینی کی ہے، جن میں امام بخاری، ابوزرعہ، ابو حاتم، ابراہیم بن ہانی النیساپوری، امام دارمی، عبید بن آدم، اسحاق بن اسماعیل جیسے ائمہ علام کے نام شامل ہیں[6]۔

---

1. تاریخ بغداد، ج ۷ ص ۳۔ 2. تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۳۷۵۔ 3. ایضاً۔
4. تاریخ بغداد، ج ۷ ص ۲۷۔ 5. ایضاً تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۷۵۔
6. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۹۰

marfat.com

ثقاہت:

اکثر علماء نے ان کی ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، ابو حاتم کا قول ہے ''ثقہ مامون متعبد[1]'' سلیمان الاشعث' ابن معین اور عجلی نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ابن اثیر کان ثقة حافظاً لکھتے ہیں[2]۔

عبادت اور اتباع سنت:

جلالت علم کے ساتھ صلاح وتقویٰ کے بھی پیکر مجسم تھے ابن عماد نے لکھا ہے کہ وہ صالح اور اللہ کے فرمانبردار تھے[3]۔ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں ''کان احد عباد الله الصالحین[4]''۔ عجلی کا قول ہے کہ وہ اللہ کے بہترین بندے تھے[5]۔

علامہ ابن جوزی انہیں صاحب صلاح اور متبع سنت قرار دیتے ہیں[6]۔ ابن ابی ایاس اتباع سنت کا مثالی نمونہ تھے۔ ان کا ہر عمل اسی سانچہ میں ڈھلا ہوتا تھا، خطیب رقمطراز ہیں:

کان آدم مشهور بالسنة شديد التمسک بها والحض علیٰ اعتقادها[7]۔

''آدم بن ایاس اتباع سنت میں شدت کے لیے مشہور ہیں''۔

فتنہ خلق قرآن اور ان کا موقف:

مامون اور معتصم کے عہد خلافت کا بدنام زمانہ خلق قرآن ابن ابی ایاس کی وفات سے دو سال قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔ مرکز خلافت سے بہت دور عسقلان میں گوشہ گیر ہونے کی وجہ سے وہ اس فتنہ کی آنچ سے محفوظ رہے، لیکن اس مسئلہ میں ان کا موقف بہت واضح تھا، بلکہ اپنے عقیدہ میں ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ خلق قرآن کے قائلین کو سلام کرنا اور جواب دینا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۴۷۔ [2] اللباب فی الانساب ج ۲ ص ۱۳۶۔ [3] شذرات ج ۱ ص ۴۷۔

[4] تاریخ بغداد، ج ۷ ص ۲۷۔ [5] تذکرۃ الحفاظ الذہبی، ج ۱ ص ۳۷۵۔

[6] صفوۃ الصفوۃ، ج ۴ ص ۲۸۰۔ [7] تاریخ بغداد، ج ۷ ص ۲۸۔

marfat.com

ابو بکر اعین اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بغداد سے ابن ابی ایاس کی خدمت میں عسقلان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لیث بن سعد کے کاتب عبداللہ بن صالح نے آپ کو ہدیہ سلام پیش کیا ہے، فرمایا میری طرف سے سلام کا جواب نہ کہنا، عرض کیا ''کیوں ایسی کیا بات ہے''؟ فرمایا: ''اس لیے کہ وہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں''۔ راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے انہیں ابن صالح کی ندامت وشرمندگی، عذر خواہی اور رجوع کی خوش خبری سنائی تو ابن ابی ایاس نے فرمایا کہ ''اب میری جانب سے ان کو بہت بہت سلام کہنا''۔

اس کے بعد راوی مذکور بیان کرتے ہیں کہ میں عسقلان میں کچھ دنوں قیام کے بعد بغداد واپس ہونے لگا تو ابن ابی ایاس نے فرمایا ''احمد بن حنبل سے سلام کہنا کہ آپ اس وقت جس سخت ابتلاء سے گزر رہے ہیں اسے آپ تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنایئے، بلاشبہ اس وقت آپ جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں، نیز ان سے میری طرف سے یہ حدیث بھی بیان کردینا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من ارادکم علی معصیة اللہ فلا تطیعوہ.

''جو تم سے اللہ کی معصیت کا خواہاں ہو اس کی اطاعت نہ کرو''۔

چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ میں بغداد کے قید خانہ میں امام احمد بن حنبل سے ملا اور ابن ابی ایاس کا پیغام اور حدیث ان تک پہنچا دی اسے سن کر امام موصوف تھوڑی دیر سر جھکائے رہے اور پھر فرمایا:

رحمة اللہ حیا ومیتا ولقد احسن النصیحة[1]

''اللہ ان پر زندگی اور موت کے بعد رحم فرمائی انہوں نے بڑی اچھی نصیحت کی''۔

وفات:

جمادی الاخریٰ ۲۲۰ھ میں بمقام عسقلان رحلت فرمائی۔ یہ معتصم باللہ عباس کی

[1] تاریخ بغداد، ج ۷ ص ۲۸۔۲۹۔

marfat.com

خلافت کا زمانہ تھا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی[1]۔

ابو علی المقدسی کہتے ہیں کہ جب امام موصوف کا وقت آخری نزدیک آ گیا تو انہوں نے قرآن پاک کا ایک دور ختم کیا اور موت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تو آج کے دن کا شدت سے منتظر تھا اور تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ پھر "لا الہ الا اللہ" پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی[2]۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۷ ص ۱۷۶۔

[2] صفوۃ الصفوۃ، ج ۴ ص ۲۸۰۔

marfat.com

ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام ابراہیم، کنیت ابو اسحاق اور شجرۂ نسب یہ ہے، ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی[1]۔ قریش کے خاندان بنوزہری سے نسبی تعلق تھا، مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اولاد اپنے جد امجد کی طرف منسوب ہو کر عوفی کہلاتی ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیم بھی عوفی کی نسبت سے مشہور ہوئے[2]۔

ولادت، وطن اور خاندان:

دیار اقدس مدینہ کے رہنے والے تھے، ان کے سنہ ولادت کے بارے میں صریح طور پر صرف امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کا یہ بیان ملتا ہے کہ ابراہیم بن سعد سنہ ثمان ومائۃ۔[3] ابراہیم بن سعد ۱۰۸ھ میں پیدا ہوئے ان کی عمر اور سنہ وفات کے بارے میں علماء بہت مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام روایتوں کو جمع کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۰۸ھ، ۱۰۹ھ یا ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ ان میں اول الذکر کے تائیدی بیانات زیادہ ہیں۔

ان کے خاندان کی علمی فضیلت اور علوئے شان محتاج بیان نہیں ہے۔ ان کے جد اعلیٰ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان جانباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کا کیسہ فضل وکمال نہ صرف علمی زروجواہر سے مالا مال تھا، بلکہ ان کی اصابت فکرونظر، صدق وعفاف، انفاق فی سبیل اللہ اور ترحم وفیاضی خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلم خیال کی جاتی تھی۔ اسی طرح قاضی ابراہیم کے ہم نام دادا اپنے عہد کے جلیل القدر علماء میں شمار

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ا، ص ۱۲۱۔ [2] اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۲، ص ۵۸۲۔
[3] تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۸۳۔

marfat.com

ہوتے تھے، کمال علم کے باعث ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ کے قاضی رہے۔[1]

حدیث:

حدیث نبوی ﷺ کی تحصیل وسماع سے انہیں خاص شغف تھا، منتخب روزگار شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے دامن کو حدیث کے جواہر پاروں سے پر کیا۔ علامہ ابن سعد ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں۔[2] خطیب بغدادی نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم حدیث تھے، اوراس وقت کے مدنی علماء میں ان سے زیادہ ذخیرہ روایات کسی کے پاس موجود نہ تھا[3]، ابراہیم زہری کا بیان ہے کہ:

کان عند ابراهیم بن سعد عن ابی اسحاق سبعة عشر الف حدیث فی الاحکام سوی المغازی رواها البخاری عنه و احتج به فی کتب الاسلام۔[4]

''ابراہیم بن سعد کے پاس مغازی کے علاوہ صرف احکام کے سلسلہ کی سترہ ہزار حدیثیں تھیں جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کیا ہے اور ابراہیم قابل اسناد تھے''۔

علامہ خزرجی انہیں احد الاعلام اور حافظ ذہبی احد الاعلام الثقات لکھتے ہیں۔[5]

اساتذہ:

قاضی ابراہیم کے شیوخ حدیث کی طویل فہرست میں ان کے والد سعد کے علاوہ درج ذیل اسمائے گرامی بہت ممتاز ہیں۔

امام زہری، ہشام بن عروہ، محمد بن اسحاق، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، یزید بن الہاد، شعبہ۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۸۳۔ [2] طبقات ابن سعد، ج ۷ ص ۶۸۔ [3] تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۸۳۔
[4] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۲۲۹۔ [5] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۷ و میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۱۷۔

marfat.com

تلامذہ:

اسی طرح ان سے روایت کا شرف حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی کافی ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ کوفہ، بصرہ اور بغداد کا کوئی ایسا قابل ذکر عالم نہیں جس نے ان سے روایت نہ کی ہو، اس میں ان کے صاحبزادگان یعقوب اور سعد کے علاوہ امام احمد بن حنبل، منصور بن ابی مزاحم، حسین بن یسار، یزید بن ہارون، یونس بن محمد المؤدب، ابوداؤد الطیالسی، عبدالرحمن بن مہدی، نوح بن یزید، سلیمان بن داؤد الہاشمی، علی بن الجعد، محمد بن جعفر، عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی، یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں لیث بن سعد، قیس بن الربیع، یزید بن ہارون اور امام شعبہ نے بھی اپنی جلالت مرتبت اور تقدم کے باوجود ان سے روایت کی ہے[1]۔

مرویات کا پایہ:

تمام ائمہ جرح وتعدیل نے ایک زبان ہو کر ان کی ثقاہت وعدالت کو سراہا اور ان کے ثبات واستاد کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ابراہیم بن سعد کی ثقاہت میں کلام کرتا ہے تو وہ بڑا ظالم ہے[2]۔ ابن معین کا قول ہے۔ ابن معین کا قول ہے، ابراہیم بن سعد ثقہ اور حجت ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں "ھو من ثقات المسلمین" علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد بغیر کسی شرط کے ثقہ ہیں[3]۔ امام احمد، ابوحاتم، ابوزرعہ اور ابن خراش بھی ان کی صداقت وثقاہت کے معترف ہیں[4]۔

عہدۂ قضا:

مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ تک قضا کے فرائض بھی انجام دیئے، اسی لیے قاضی مدینہ کہے جاتے ہیں[5]۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۲۱۔ [2] تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۲۳۔

[3] میزان الاعتدال، ج ا ص ۱۸ و شذرات الذہب ج ا ص ۳۰۵۔

[4] تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۸۳۔ [5] تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۲۲۹۔

marfat.com

بغداد میں آمد اور خزانہ کی افسری:

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قاضی ابراہیم کا اصل وطن مدینہ طیبہ تھا، جہاں وہ ایک عرصہ تک فضل و دانش کی گہرباری کرتے رہے، پھر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مرکز علم وفن بغداد منتقل ہوگئے، وہاں ان کی آمد کے صحیح وقت کی تعیین مشکل ہے، خطیب نے صرف اتنے ہی ذکر پر اکتفا کیا ہے کہ:

كان قد نزل بغداد واقام بها الى حين حياته[1]

''وہ بغداد آئے اور وہاں اپنی وفات تک مقیم رہے''۔

خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد آنے پر ان کا بڑا اعزاز واکرام کیا اور ان کی دیانت وتقویٰ کے اعتراف کے طور پر انہیں بیت المال کا نگران مقرر کیا[2]۔

موسیقی:

تاریخ بغداد کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موسیقی کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن یہ روایتیں قابل اعتبار نہیں۔

وفات:

۷۳ یا ۷۴ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ عمر کی طرح سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے، کوئی ۱۸۳ھ کہتا ہے، کوئی ۱۸۴ھ[3]۔ مگر ساری روایتوں پر غور کرنے کے بعد ۷۴ سال کی عمر اور ۱۸۳ھ سنہ وفات صحیح معلوم ہوتا ہے[4]۔

---

1. تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۸۱۔ 2. طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۶۸۔
3. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بغدادی، ج ۶، ص ۱۸۴۔
4. طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۶۸۔

marfat.com

ابو اسحاق ابراہیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ابراہیم نام، ابو اسحاق کنیت، مکمل شجرۂ نسب یہ ہے، ابراہیم بن محمد بن ابی حصن الحارث بن اسماء بن خارجہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر[1]، نام کے بجائے کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔ قبیلہ بنو فزارہ سے نسبت ولاء رکھنے کی وجہ سے فزاری کہلائے[2]۔

مولد اور خاندان:

کوفہ سے چند فرلانگ پر واقع مقام واسط کو ان کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن بعد میں شام کے سرحدی شہر مصیصہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، ان کا خاندان علم وفضل میں بہت ممتاز تھا، ان کے جد امجد اسماء بن خارجہ (۶۶ھ) میں تابعین کرام کے طبقہ علیا میں شمار ہوتے تھے[3]۔

فضل وکمال:

ابو اسحاق الفزاری علم ودانش کا وہ نیر تاباں تھے، جس کی روشنی دور دور پھیلی۔ ان کی ذات صرف تبحر علم ومہارت فن ہی میں نہیں بلکہ مکارم اخلاق، طہارت وعقائد اور استغنا وبے نیازی وغیرہ کے اعتبار سے بھی بے نظیر تھی، فقہ میں امامت واجتہاد کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے، ابو داؤد الطیالسی کا بیان ہے:

مات ابو اسحاق الفزاری وما علیٰ وجہ الارض افضل منہ[4]۔

''ابو اسحاق الفزاری نے وفات پائی تو پورے روئے زمین پر ان سے بڑا فاضل کوئی نہ تھا''۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۱ وطبقات ابن سعد، ج ۷ ص ۱۸۵۔

[2] اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۲ ص ۲۱۳۔ [3] الاعلام، ج ۲ ص ۱۰۲۔

[4] شذرات الذہب، ج ا ص ۱۳۰۔

marfat.com

حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

ابو اسحاق الفزاری امام اهل الشام بعد الاوزاعی فی المغازی والعلم والعبادة[1]۔

''امام اوزاعی کے بعد شام میں ابو اسحاق الفزاری مغازی، علم اور عبادت میں درجۂ امامت رکھتے ہیں''۔

علامہ ابن عساکر دمشقی لکھتے ہیں: ''احد ائمة المسلمين و اعلام الدين[2]''

شیوخ وتلامذہ:

جن اساطین علم سے انہوں نے فیض حاصل کیا ان میں امام اعمش، ہشام بن عروہ، ابو اسحاق السبیعی، حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن سعید، مالک بن انس، شعبہ، سفیان ثوری، عطاء بن السائب اور عبید اللہ بن عمر کے اسماء لائق ذکر ہیں۔

اور اسی طرح معاویہ بن عمر، زکریا بن عدی، عبداللہ بن مبارک، محمد بن کثیر، میسب بن واضح، محمد بن سلام، عبداللہ بن عون، محمد بن عبید الرحمٰن اور علی بن بکار ان کے نامور تلامذہ میں ہیں۔

حدیث:

یوں وہ تو جملہ اسلامی علوم میں کمال رکھتے تھے، لیکن حدیث نبوی ﷺ ان کا خاص موضوع تھا۔ اسانید اور اسماء الرجال کی معرفت میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے، ایک مرتبہ خلیفہ وقت ہارون الرشید نے ایک بددین کے قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا:

''اے امیر المومنین آخر آپ میرے قتل کا حکم کیوں دیتے ہیں''۔

ہارون نے جواب دیا:

''اللہ کے بندوں کو تیرے فتنے سے بچانے کے لیے''۔

اس پر وہ زندیق بولا:

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج ۱۰ص ۱۸۲۔ [2] التاریخ الکبیر، ج ۲ص ۲۵۲۔

marfat.com

''آپ مجھے قتل کر کے کیا کریں گے میں نے جو چار ہزار روایات وضع کر کے عوام میں پھیلا دی ہیں، ان کا آپ کے پاس کیا علاج ہے''؟

ہارون نے فوراً کہا:

این انت یا عدو اللہ من ابی اسحاق وہ عبداللہ ابن مبارک یخلانہا فیخر جانہا حرفا حرفا۔[1]

''اے دشمن خدا تو ہے کس خیال میں! ابو اسحاق الفزاری اور عبداللہ بن مبارک ان تمام جعلی حدیثوں کو چھلنی میں چھانیں گے اور ان کا ایک ایک حرف نکال باہر کریں گے''۔

امام جرح و تعدیل عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ ہر عالم کسی نہ کسی فن میں درجہ امتیاز رکھتا ہے، چنانچہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید، کوفہ میں زائدہ و مالک بن مغول، حجاز میں مالک بن انس، اور شام میں ابو اسحاق الفزاری و اوزاعی سے بڑا حدیث کا نکتہ شناس کسی کو نہیں دیکھا، اگر کوئی راوی ان سے حدیث بیان کرتے تو بلا ریب و شک وہ قابل اطمینان ہے، کیونکہ یہ لوگ سنت کے امام ہیں[2]۔

فقہ:

حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی کمال حاصل تھا، علی بن بکار کہتے ہیں کہ میں جن ائمہ علم و فن سے مل سکا ہوں ان میں ابو اسحاق الفزاری سے بڑا فقیہ میری نظر سے نہیں گزرا[3] عجلی کا بیان ہے کہ وہ کثرت حدیث کے ساتھ صاحب فقہ بھی تھے[4]۔

جرح و تعدیل:

اکثر علماء نے ان کی ثقاہت و عدالت کو تسلیم کیا ہے، عجلی بیان کرتے ہیں کہ وہ

---

[1] معجم الادباء، ج ا ص ۲۸۵ و کتاب الموضوعات ملا علی قاری ص ۱۳۔

[2] التاریخ الکبیر، ج ۲ ص ۲۵۴۔ [3] تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۲۴۹۔

[4] تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۲۔

marfat.com

ثقہ، فاضل اور صاحب سنت تھے[1]۔امام نسائی اور ابو حاتم انہیں امام معتبر قرار دیتے ہیں[2]۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے[3]۔امام اوزاعی ان کے شیوخ میں شامل ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں، جب ان سے پوچھا جاتا کہ آپ سے یہ روایت کس نے بیان کی ہے تو فرماتے:

حدثنی الصادق ابو السحاق الفزاری[4]۔

''مجھ سے صادق اور مصدوق ابو اسحاق الفزاری نے یہ حدیث روایت کی ہے''۔

سرحد شام کی پاسبانی:

مصیصہ شام کا ایک نہایت خوبصورت شہر ہے، جس کی حفاظت ونگرانی کے فرائض علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے انجام دیئے ہیں ابو اسحاق الفزاری بھی اس شرف سے بہرہ ور ہوئے تھے، انہوں نے وہاں نہ صرف اپنے ایک لائق محافظ ہونے کا ثبوت دیا بلکہ اس سرحدی علاقہ کو قال اللہ وقال الرسول کے سرمدی نغموں سے مامور کر دیا، عجلی کا بیان ہے کہ:

ھو الذی ادب الثغر وعلمھم بالسنۃ[5]۔

''ان ہی نے سرحدی لوگوں کو با ادب بنایا اور انہیں حدیث کی تعلیم دی''۔

پاکیزگی عقائد:

عقائد کے بارے میں وہ نہایت متشدد تھے، چونکہ خود ان کا آئینہ قلب شفاف تھا، اس لیے وہ اسی کا پرتو دوسروں میں بھی دیکھنے کے متمنی رہا کرتے تھے۔ اہل بدعت سے ملنا گوارا نہ فرماتے، ابو مسہر بیان کرتے ہیں کہ''ابو اسحاق الفزاری دمشق میں آئے تو تشنگان علم گروہ در گروہ ان سے سماع حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ

---

1 طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸۵۔ 2 تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۲۔

3 تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۳۔ 4 تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۳۔

5 شذرات الذہب ج ا

marfat.com

ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو شخص قدریہ کے عقائد رکھتا ہو وہ ہماری مجلس میں نہ آئے جو فلاں فلاں عقائد کا حامل ہو وہ بھی ہماری مجلس میں شریک نہ ہو اسی طرح جو شخص حکمران وقت کے یہاں آمدورفت رکھتا ہو وہ ہمارے پاس نہ آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حسب الحکم یہ یات لوگوں کے گوش گزار کردی[1]۔

مصیصہ ہی کے دوران قیام میں ایک دن امام فزاری کو خبر ملی کہ فرقہ قدریہ کا کوئی شخص ان سے ملاقات کا خواہاں ہے، امام صاحب نے کہلا بھیجا کہ وہ فوراً یہاں سے چلا جائے[2]۔ عقائد کے بارے میں ان کی شدت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب انہیں علم ہوتا کہ سرحد میں کوئی بدعتی شخص داخل ہوا ہے تو فوراً اسے شہر بدر کرا دیتے۔[3]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر :

دوسرے علماء سلف کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا خاص شیوہ تھا اور اس میں وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، اسی تبلیغ و دعوت کے اثر سے اس وقت شہر مصیصہ میں شعائر اسلام کا بہت رواج ہو گیا تھا۔

استغنا:

امام فزاری کے پاس اگرچہ مال و دولت کی بڑی فراوانی تھی، لیکن ان کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے اپنی ذات پر کبھی ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا، جو کچھ ملتا وہ یا تو معذور اور اپاہج لوگوں میں تقسیم کر دیتے یا اہل طرطوس پر خرچ کر دیتے، ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو تین ہزار دینار دیئے، فرمایا میں اس سے مستغنی ہوں اور کل رقم فوراً ہی خیرات کر دی[4]۔

بشارت:

حضرت فضیل بن عیاض بیان کرتے ہیں کہ ایک شب مجھے عالم رؤیا میں رسول

---

[1] تذکرہ الحفاظ، ج ا ص ۲۴۸۔ [2] التاریخ الکبیر، ج ۲ ص ۲۵۵۔

[3] معجم الادباء، ج ا ص ۲۸۴۔ [4] ایضاً، ج ا ص ۲۸۶۔

marfat.com

اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ کے پہلو میں کافی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھنے کے ارادہ سے آگے بڑھا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے روک کر ارشاد فرمایا:

"ھذا مجلس الفزاری[1]"!

"یہ ابواسحاق الفزاری کی نشست گاہ ہے"۔

وفات:

۱۸۵ھ، ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ میں بمقام مصیصہ رحلت فرمائی، علامہ یاقوت حموی نے مؤخر الذکر سال وفات کو اصح قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر روایات سے ۱۸۵ھ کی تائید ہوتی ہے[2]۔ اس وقت ہارون الرشید کی خلافت کا زمانہ تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی وفات کی خبر سن کر یہود و نصاریٰ تک فرط رنج الم سے اپنے سروں پر خاک اڑانے لگے، عطا کو جب ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو رو پڑے۔ اور فرمایا:

مادخل اھل الاسلام من موت احد ما دخل علیھم من موت ابی اسحاق[3]۔

"ابو اسحاق الفزاری کی موت سے مسلمانوں کے دلوں پر جو کچھ گزر گئی وہ کسی اور کے مرنے سے نہیں گزری"۔

تصنیف:

تدریس حدیث کے ساتھ وہ صاحب تصنیف بھی تھے۔ ابن ندیم نے فہرست میں ان کی تصنیف "کتاب السیر فی الاخبار والاحداث" کا ذکر کیا ہے[4]۔ اس کتاب کے متعلق حمیدی امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس سے قبل سیرت میں کسی نے ایسی کتاب تصنیف نہیں کی[5]۔ ابن ندیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو اسحاق الفزاری اسلام کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے آلہ فلکی ایجاد کیا۔ اس فن میں ان کی تصنیف بھی ہے[6]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۲۴۸۔ [2] طبقات ابن سعد، ج ۷ ص ۱۸۵، شذرات الذہب، ج ا ص ۳۰۷ و معجم الادباء ج ا ص ۲۸۳۔ [3] تاریخ ابن عساکر، ج ۲ ص ۲۵۵۔ [4] فہرست ابن ندیم ص ۱۳۵۔
[5] تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۲۔ [6] الفہرست بحوالہ تہذیب التہذیب، ج ا ص ۱۵۲۔

marfat.com

ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ابو حارث کنیت اور نام محمد تھا[1]۔ نسب کے اعتبار سے خاندان قریش سے تعلق رکھتے تھے[2]۔ اسی بنا پر وہ قریشی اور مدنی کہلاتے ہیں، ان کا نام اگرچہ محمد تھا، لیکن جدامجد کی نسبت ابن ابی ذئب کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت اور نشو ونما:

محرم ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اس سال مکہ میں بہت ہی ہولناک سیلاب آیا تھا، جن میں بڑی تعداد میں انسان وحیوان غرق آب ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پانی کی سطح اس حد تک بلند ہوگئی تھی کہ کعبہ مقدسہ کے ڈوب جانے کا خطرہ ہوگیا تھا، چونکہ یہ سیلاب ہر چیز کو بہا لے گیا تھا اس لیے اسے سیل حجاف کہتے ہیں، اور اس سال کا نام عام حجاف پڑ گیا[3]۔

ابن ابی ذئب نے زندگی کی بیشتر بہاریں اپنے مولد مدینہ طیبہ ہی میں گزاریں۔ خوش قسمتی سے انہوں نے وہ مبارک زمانہ پایا جب تابعین عظام کی مسند علم وفضل آراستہ تھی اور ان کے انوار وکمال سے ایک عالم منور تھا۔ ابن ابی ذئب کو ایسے جلیل المرتب تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت حاصل ہوئی جن کی نظیر زمرۂ اتباع تابعین میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

حدیث:

انہوں نے بکثرت علماء سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی، جن میں عکرمہ، نافع، عبداللہ ابن سائب ابن یزید، عجلان، صالح، سعید المقبری، اسحاق بن زید، جبیر بن ابی صالح،

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۲۹۷۔ [2] تاریخ ابن خلکان، ج ۲ ص ۲۲۷۔

[3] البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج ۹ ص ۳۱۔

marfat.com

عبدالرحمٰن بن عطاء، محمد بن المنکدر، شعبہ، محمد بن قیس[1] وغیرہم داخل ہیں۔

ابن ابی ذئب کو امام مالک کی ہم درسی کا شرف بھی حاصل تھا، ابن خلکان رقمطراز ہیں کہ:

كانت بينهما الفة كبيدة ومودة صحيحة[2]۔

''ان دونوں (امام مالک اور ابن ابی ذئب) میں غایت درجہ مودت وانسیت تھی''۔

فقہ:

حدیث رسول ﷺ میں امتیاز کے ساتھ انہیں فقہ میں بھی خصوصی درک حاصل تھا۔ مدینہ اور کوفہ میں عرصہ تک افتاء کی خدمات بھی انجام دیتے رہے، بغدادی نے ان کے ورع وصلاح کے ساتھ ان کے تفقہ کا بھی اعتراف کیا ہے، اور تصریح کی ہے وہ اپنے شہر میں مفتی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے[3]۔ مصعب الزبیری اور ابن حبان انہیں مدینہ کے فقہاء اور عبادت گزاروں میں شعار کرتے تھے[4]۔

تلامذہ:

درس وتحدیث کے لیے مدینہ سے باہر شاذ ونادر ہی گئے۔ خطیب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ایام حج میں خلیفہ مہدی جب مدینہ گیا تو وہاں ابن ابی ذئب کے علم وفضل سے اتنا متاثر ہوا کہ انہیں اپنے ہمراہ بغداد لیتا آیا، جہاں انہوں نے کچھ عرصہ تک حدیث کا درس دیا[5]۔ لیکن سفر سے اجتناب کے باوجود ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان سے شرف تلمذ رکھنے والوں میں حسب ذیل ائمہ وفضلاء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سفیان ثوری، معمر، سعد بن ابراہیم، ولید بن مسلم، عبداللہ بن مبارکؒ، حجاج بن محمد، شبابہ بن سوار، محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک، یحیٰ بن سعید القطان، محمد بن ابراہیم بن دینارؒ

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۳۰۳ و تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۲۹۶ و تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۷۲۔
[2] ابن خلکان، ج ۲ ص ۲۲۷۔ [3] تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۳۰۵۔
[4] تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۰۶۔ [5] تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۲۹۶۔

marfat.com

محمد بن عمر الواقدی، عبداللہ بن وہب، معن بن عیسیٰ، اسحاق بن محمد الفروی، آدم بن ابی ایاس، ابو عاصم، ابونعیم[1]۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ابن ابی ذئب بلند مرتبہ اتباع تابعین میں تھے، انہوں نے کثیر التعداد تابعین سے استفادہ کیا تھا۔ اس لیے حدیث وفقہ میں کامل الفن بن کر نکلے۔ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ کیا اپنے ملک میں ابن ابی ذئب علم وفضل کے اعتبار سے کوئی ہمسر رکھتے تھے۔ فرمایا نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان کی نظیر مفقود تھی[2]۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بایں ہمہ جلالت شان اکثر بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے

مافاتنی احد فاسفت علیه ما اسفت علی اللیث وابن ابی ذئب[3]

''مجھے کسی اور امام سے مستفید نہ ہونے کا اتنا افسوس نہیں جتنا اس بات کا رنج اور افسوس ہے کہ مجھے لیث بن سعد اور ابن ابی ذئب سے کسب فیض کی سعادت نصیب نہ ہوسکی''۔

حافظ ابن حجر نے امام احمد کا یہ قول بروایت ابی داؤد نقل کیا ہے کہ ابن ابی ذئب اپنے علم وفضل میں شہرہ آفاق تابعی سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مشابہ تھے[4]۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ منصور کے پاس گئے تو اس نے دریافت کیا

''مدینہ میں اس وقت کون کون اساتذۂ علم وفن ہیں''۔

فرمایا:

''امیر المومنین! وہاں ابن ابی ذئب، ابن سلمہ اور ابن ابی سبرہ جیسے یکتائے روزگار شیوخ ہیں''[5]۔

---

1. تہذیب التہذیب، ج۹ ص۳۰۴۔ 2. تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۱۷۲۔
3. تاریخ بغداد، ج۲، ص۳۰۱۔ 4. تہذیب التہذیب، ج۹، ص۳۰۴۔
5. وفیات الاعیان، ج۲، ص۲۲۷۔

marfat.com

امام احمد انہیں علم و فضل کے اعتبار سے امام مالک سے افضل قرار دیتے تھے، سوائے اس کے کہ امام مالکؒ رجال کی تحقیق میں نسبتاً زیادہ سخت تھے۔[1]

قوت حافظہ:

جمیع اتباع تابعین کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے ایک چیز ان میں قدر مشترک کے طور پر نظر آتی ہے، وہ ان کی غیر معمولی قوت حافظہ ہے، اس کا سبب دراصل طہارت اخلاق اور کبائر و معاصی سے کلی اجتناب ہے، امام وکیع اپنے تلامذہ کو برابر اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قوت حافظہ بڑھانا ہو تو معاصی سے پرہیز کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اتباع تابعین سے زیادہ پاک وصاف زندگی کس کی ہوسکتی ہے، اس لیے ان کے دوسرے مناقب کے ساتھ ذہانت و فطانت اور حفظ وضبط بھی ان کے صحیفۂ کمال کے درخشاں ابواب ہیں۔

چنانچہ ابن ابی ذئب کو بھی مبداء فیض سے ذہانت و فطانت کا وافر حصہ نصیب تھا، بلاشبہ ان کے علم و فضل میں مشاہیر شیوخ کے فیض صحبت کے ساتھ ان کی طبعی ذہانت اور فطری استعداد کو بھی بڑا دخل تھا۔ خود ان کے بھائی کا بیان ہے کہ ان کے پاس کتاب نہیں تھی وہ حدیث یاد کرلیا کرتے تھے۔[2] واقدی نے بھی یہی لکھا ہے کہ:

وکان یحفظ حدیثه لم یکن له کتاب ولا شئی ینظر فیه۔[3]

''وہ اس طرح حدیث یاد کرتے تھے کہ نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب ہوتی اور نہ کوئی اور ہی چیز جس میں دیکھ سکیں''۔

ثقاہت وعدالت:

ابن ابی ذئب کی ثقاہت وعدالت پر ائمہ اور ماہرین فن متفق ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں نمایاں طور پر ان کا ذکر کیا ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

1 تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۷۲۔ 2 شذرات الذہب، ج ۱، ص ۲۴۵۔

3 تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۳۰۲۔

marfat.com

احد الاعلام الثقات متفق علی عدالته[1]

''وہ ثقہ کبار ائمہ میں سے تھے، ان کی عدالت پر اتفاق ہے''۔

امام نسائی، یعقوب بن شیبہ اور امام احمد نے بتصریح ان کی توثیق کی ہے یحییٰ بن معین کا قول ہے:

ابن ابی ذئب مدنی ثقة[2]

''ابن ابی ذئب کے شیوخ ثقہ ہیں، صرف ابوجابر بیاضی کے بارے میں کلام ہے''۔

ابوجابر بیاضی کے علاوہ ابن ابی ذئب کے تمام شیوخ بھی ثقہ اور صدوق تھے، بیاضی کی عدالت میں کلام کیا گیا ہے، چنانچہ احمد بن صالح اور یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ:

شیوخ ابن ابی ذئب کلهم ثقات الا ابا جابر البیاضی[3]

''ابن ابی ذئب مدنی ثقہ ہیں''۔

ان کی ثقاہت کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ نے صحیحین میں ان کی روایت نقل کی ہے[4]۔

قدری ہونے کا الزام:

بعض لوگ ان پر قدری ہونے کا الزام بھی عائد کرتے ہیں، فرقہ قدریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان تمام کام اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے، خدا کے ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ لیکن مورخین نے اس کی پرزور تردید کی ہے[5]۔

اس الزام کی حقیقت پر سب سے زیادہ وضاحت سے واقدی نے روشنی ڈالی ہے۔

ما كان قدريا لقد كان ينفي قولهم ويعيبه. ولكنه كان رجلا كريما يجلس اليه كل احد ويغشاه فلا يطرده ولا يقول له شيئا وان هو

---

[1] میزان الاعتدال، ج ا ص ۹۰۔ [2] تاریخ بغداد، ج ۲ ص ۳۰۳۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۵۔ [4] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال۔

[5] میزان الاعتدال، ج ا ص ۹۰۔

marfat.com

مرض عادہ، فکانوا یتھمونہ بالقدر لھذا وشبہ[1]

''وہ قدری نہیں تھے بلکہ وہ تو اہل قدر کو اور ان کی باتوں کو ناپسند کرتے تھے، بات یہ ہے کہ وہ شریف انسان تھے، ہر قسم کے اشخاص ان کے پاس بیٹھتے اور جمع ہوجاتے وہ فرط شرافت میں اس کو کچھ بھی نہیں کہتے بلکہ اگر وہ بیمار ہوجاتا تو اس کی عیادت کو بھی جاتے اسی بنا پر لوگ ان پر قدری ہونے کا الزام لگانے لگے''۔

ایک دفعہ احمد بن علی الابار نے شیخ وقت مصعب الزبیری سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ ابن ابی ذئب پر قدری ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا ''خدا کی پناہ اس الزام کے تاروپود صرف اس واقعہ سے تیار کیے گئے ہیں کہ خلیفہ مہدی کے زمانہ میں کچھ اہل قدر (فرقہ قدریہ کے لوگ) مدینہ آئے، کچھ مقامی لوگوں نے پکڑ کر انہیں مارنا شروع کردیا، اسی دوران مضروبین میں سے کچھ لوگ بھاگ کر ابن ابی ذئب کے پاس جابیٹھے تاکہ مار سے محفوظ رہیں۔ بس کل اتنی سی بات تھی جس میں افسانہ کی رنگ آمیزی کرکے کہا گیا کہ وہ لوگ ابن ابی ذئب کے پاس اس لیے بیٹھے کہ وہ عقیدہ قدریہ کے قائل تھے[2]۔ اس کے بعد مصعب الزبیری کہتے ہیں'' مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ قدرین مار کے ڈر سے ابن ابی ذئب کی پناہ میں جاکر بیٹھ گئے، تاہم شیخ نے ان سے گفتگو بالکل نہیں کی[3]''۔

آئمہ کا اعتراف:

بیشتر علماء وائمہ نے ابن ابی ذئب کے گوناگوں کمالات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پرحسرت قول اوپر گزر چکا کہ'' مجھے زندگی بھر اس کا غم رہے گا کہ ابن ابی ذئب سے استفادہ نہ کرسکتا''۔ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ آپ ابن عجلان اور ابن ابی ذئب میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں؟ فرمایا'' دونوں ثقہ ہیں'' حماد بن ابی خالد کا بیان ہے کہ صدوق اور صالح تھے۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۲ص ۳۰۱۔ [2] تہذیب التہذیب، ج ۹ص ۳۰۵۔ [3] تاریخ بغداد، ج ۲ص ۳۰۱۔

marfat.com

حق گوئی اور بے باکی:

ابن ابی ذئب کے صحیفۂ کمال کا سب سے درخشاں باب جو انہیں بہت دوسرے ائمہ سے ممتاز کرتا ہے ان کی جرأت، حق گوئی اور بے باکی ہے۔ انہوں نے حق بات کہنے میں کبھی بھی امراء اور اعیان سلطنت کا لحاظ نہیں کیا۔

اس معاملہ میں وہ بسا اوقات اتنی شدت سے کام لیتے تھے کہ ان کے عقیدت مندوں کو تشویش پیدا ہو جاتی تھی، مگر انہوں نے اس آئین جوانمردی میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر تمام ائمہ محققین نے کیا ہے، چنانچہ ابن حبان لکھتے ہیں:

کان من اقول اھل زمانہ للحق۔

''اپنے زمانہ میں وہ سب سے بڑے حق گو تھے''۔

واقدی کا بیان ہے، وہ مرد حق گو تھے[1]۔ امام احمد کا قول ہے:

ابن ابی ذئب اقوم بالحق من مالک عندالسلاطین[2]۔

''ابن ابی ذئب سلاطین کے سامنے امام مالک سے کہیں زیادہ حق گو ثابت ہوتے تھے''۔

ان کی جرأت و بے باکی کے متعدد واقعات ملتے ہیں، جن میں سے نمونہ کے طور پر دو ایک یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

محمد بن القاسم بن خلاد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ زمانہ حج میں خلیفہ مہدی مسجد نبوی (علی صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام) میں داخل ہوا تو تمام حاضرین نے دورویہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ اتفاق سے ابن ابی ذئب بھی وہاں موجود تھے مگر وہ حسب روایت بیٹھے رہے۔ مسیب بن زہیر نے جب ان سے کہا: ''کھڑے ہو جایئے، امیر المومنین آئے ہیں''۔ تو بڑے پرسکون اور طمانیت کے ساتھ فرمایا:

انما یقوم الناس لرب العالمین۔

''صرف پروردگار عالم کے لیے لوگ کھڑے ہوتے ہیں''۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۳۰۵۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال۔

marfat.com

شاہانہ تمکنت کے خلاف یہ جواب سن کر مقربین کی پیشانیاں شکن آلود ہوگئیں، لیکن صورت حال کی نزاکت کا خیال کر کے فوراً مہدی نے کہا: ''چھوڑ و جانے دو[1]''۔

اس طرح کا ایک دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس جا کر بہت سخت الفاظ میں ظلم و جور سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگے۔ منصور نے سب کچھ سن لینے کے بعد گردن جھکالی اور پھر محمد بن ابراہیم سے کہا: "ھذا الشیخ خیر اھل الحجاز[2]"۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ پہلے تو کچھ کہنے سے انکار کرتے رہے۔ پھر جب اس نے قسم دلا کر پوچھا تو فرمایا:

اللھم لا اعلمک الا ظالماً وجائراً۔

''بخدا میں تجھے محض ظالم اور جابر خیال کرتا ہوں''۔

عسرت:

ابن ابی ذئب نے پوری زندگی نہایت تنگ دستی اور عسرت کے عالم میں گزاری۔ اعیان سلطنت ہزاروں دینار دینا چاہتے تھے، مگر ان کی شان استغنا اسے قبول نہ کرنے دیتی۔ آخر عمر میں بصد اصرار ایک ہزار دینار اس شرط پر قبول کئے کہ انہیں اپنے استعمال میں نہ لائیں گے بلکہ مستحقین میں تقسیم کر دیں گے۔

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی ذئب تنگ دست تھے، واقدی بھی ان کی مالی حالت حد درجہ سقیم بتاتے ہیں، صرف روغن زیتون اور روٹی ان کی مستقل خوراک تھی۔ ان کے پاس صرف ایک چادر اور ایک کرتا تھا، جاڑے اور گرمی کے دنوں میں اسی کو استعمال کرتے تھے۔[3]

عبادت وریاضت:

وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عابد اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ ہمہ وقت خشیت الٰہی

---

1 تاریخ بغداد، ج ۲ص ۲۲۷۔ 2 مرأۃ الجنان، ج ۱ص ۳۴۰۔ 3 تاریخ بغداد ج ۲ص ۳۰۴

marfat.com

سے لرزاں رہتے، تمام رات نماز پڑھتے رہتے۔ ابن سعد کا بیان ہے، ابن ابی ذئب کی کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اگر ان سے کہہ دیا جاتا کہ کل قیامت ہوگی تو اس کے لیے انہوں کسی تیاری کی ضرورت نہ تھی''۔[1] بغدادی نے ان کے بھائی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابن ابی ذئب نے ایک زمانہ تک صوم داؤدی کو معمول بنائے رکھا، ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز ناغہ کرتے۔ پھر آخر عمر میں مسلسل روزہ رکھنے لگے۔[2]

ورع وتقویٰ:

اس کے ساتھ وہ تقویٰ اور پرہیز گاری کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

کان من اورع الناس وافضلھم۔[3]

''وہ لوگوں میں سب سے زیادہ متقی اور افضل تھے''۔

وفات:

رحلت سے چند سال قبل خلیفہ مہدی انہیں اپنے ہمراہ مدنیہ سے بغداد لے آیا تھا، جہاں وہ کچھ عرصہ تک حدیث کا درس دیتے رہے اور ۱۵۸ھ میں وفات ہوگئی، کوفہ ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ اس وقت عمر ۷۹ سال تھی۔[4] یہ ابن ابی فدیک کی روایت ہے۔ لیکن ابونعیم کا بیان ہے کہ ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔[5] ابن عماد حنبلی اور یافعی وغیرہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔[6]

---

[1] مرأة الجنان ج ا ص ۳۴۰ وشذرات الذہب ج ا ص ۲۴۵۔ [2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۰۱۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۵۔ [4] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۳۰۵۔

[5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۴۔ [6] شذرات الذہب ج ا ص ۲۴۵ ومراة الجنان ج ا ص ۳۴۰۔

marfat.com

ابو معشر نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ

م ۱۷۰ھ

ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور راوی حدیث گزرے ہیں، عرصہ تک غلامی کی زندگی گزارنے کے باوجود علم وفضل میں نہایت بلند مقام حاصل کیا، مشہور تابعی ابوامامہ بن سہل بن حنیف کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔ وہ سندھی الاصل تھے، لیکن ان کے علم وفضل کی بنا پر عرب ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا، چنانچہ خود ان کی زندگی میں ان کے عرب اور غیر عرب ہونے کی بحث چھڑ گئی تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے انہیں یمنی کہا تو فوراً اس کی تردید کی اور فرمایا:

ولاء نا فی هاشم احب الی من نسبی فی بنی حنظله[1]

''بنو ہاشم کے غلاموں میں ہونا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ بنو حنظلہ میرا نسب ہو''۔

خطیب بغدادی نے خود ان کے صاحبزادے محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''میرے والد سندھی تھے''۔ عرب میں مدت تک رہنے کے باوجود زبان سندھیت کا اثر آخر وقت تک باقی رہا، چنانچہ وہ بعض عربی حروف کو صحیح طور پر تلفظ کرنے پر قادر نہ تھے۔ مثلاً کعب کو ہمیشہ قعب کہا کرتے تھے۔ ابونعیم کہتے ہیں:

كان ابو معشر اسنديًا وكان رجلًا لكن يقول حدثنا محمد بن قعب يريد ابن كعب[2]

''ابو معشر سندھی تھے، ان کے عربی لفظ کا تلفظ صحیح نہ تھا، وہ حدثنا محمد قعب کہتے تھے، اور قعب سے کعب مراد ہوتی تھی۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸۔ [2] کتاب الانساب ورق ۳۱۳ ونزہۃ الخواطر، ج ۱ ص ۴۵۔

marfat.com

ابتدائی حالات:

ابومعشر کے ابتدائی حالات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں' صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سندھ کی کسی جنگ میں جو مسلمانوں اور سندھیوں میں ہوئی تھی' گرفتار ہو کر حجاز گئے۔ وہاں بنی مخزوم کی ایک عورت نے خرید کر مکاتب بنا لیا' کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ مہدی کی ماں نے رقم کتابت ادا کر کے آزاد کر دیا[1] مدینہ میں عرصہ تک رہنے کی وجہ سے مدنی مشہور ہیں۔

تحصیل علم:

ابومعشر کی زندگی کا کافی حصہ متعدد خاندانوں میں غلامی کرتے گزرا' لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے مالکوں نے انہیں تحصیل علم کے پورے مواقع بہم پہنچائے اس طرح مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کے چشمہائے علم سے سیراب ہوئے اور علم حدیث مغازی اور فقہ میں کمال پیدا کیا' ان کا پایہ درجۂ امامت تک پہنچا ہوا ہے۔

ابومعشر کے شیوخ میں درج ذیل ممتاز نام ملتے ہیں۔

محمد بن کعب القرظی' نافع مولی ابن عمرؓ' سعید المقبری' محمد بن المنکدر' ہشام بن عروہ' ابی بردہ بن ابی موسیٰ' موسیٰ بن یسار' محمد بن قیس[2]

حافظ ابن حجر نے مشہور تابعی سعید بن المسیب کو بھی ان کے شیوخ میں شمار کرایا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' ان کے استاذ سعید بن المسیب نہیں' سعید المقبری تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے[3]

تلامذہ:

ابومعشر کے حلقہ درس سے جو طالبان علم فارغ ہو کر نکلے ان کی تعداد بے شمار ہے' جس میں بہت سے جلیل القدر آئمہ اور علماء کے نام ملتے ہیں۔ چند مشہور اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

---

1 طبقات ابن سعد' ج ۵ ص ۳۰۹۔ 2 تاریخ بغداد' ج ۱۳' ص ۴۲۷ و تہذیب التہذیب' ج ۱۰ ص ۴۲۰۔
3 تذکرۃ الحفاظ' ج ۱ ص ۲۱۲۔

marfat.com

سفیان ثوری، یزید بن ہارون، محمد بن عمر الواقدی، محمد بن بکار، عبدالرزاق، ابونعیم، لیث بن سعد، وکیع بن الجراح، سعید بن منصور۔[1]

علم وفضل:

ابومعشر فن مغازی وسیر کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی بلند پایہ تھے۔ خطیب کا قول ہے کہ وہ فن مغازی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔[2]

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ حافظہ کی کمزور کے باوجود علم کا مخزن تھے۔[3] بکر بن خطیب کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ فصیح آدمی نہیں دیکھا۔

ائمہ کی رائے:

ابومعشر کے علم وفضل کو تمام ائمہ وعلماء نے سراہا ہے، چنانچہ محدث عمر بن عوف اپنے تلامذہ کے سامنے ابومعشر کے متعلق ہشیم کا یہ قول نقل فرمایا کرتے تھے:

ما رأیت مدنیًا یشبه ولا الیس منه[4] "میں نے ان کے جیسا فہیم وذکی مدنی نہیں دیکھا"۔

ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل ابومعشر کو پسند کرتے تھے اور فن مغازی میں ان کی بصیرت کے قائل تھے، میں ان سے روایت کرتے ہوئے ڈرتا تھا، حتیٰ کہ میں نے امام احمد کو ایک شخص کے واسطہ سے ابومعشر سے روایت کرتے دیکھا تو میں نے بھی ان سے روایت حدیث کے بارے میں اپنے مسلک میں وسعت پیدا کرلی۔[5] سیر ومغازی میں انہماک کی وجہ سے بعض ائمہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ ابن معین کا قول ہے، وہ ضعیف ہیں، مگر زہد ورقاق کی حدیثیں نقل کی جاسکتی ہیں۔[6] ابو حاتم سے دریافت کیا گیا کہ ابومعشر ثقہ ہیں؟ فرمایا، نیک شخص ہیں، گو روایت حدیث میں کمزور ہیں مگر سچے ہیں۔

امام بخاریؒ ومسلمؒ نے اسی ضعف کی بنا پر صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں لی ہے[7] امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں ان کا شمار ضعفاء میں کیا ہے، ابوداؤد اور نسائی نے بھی

---

1. تہذیب التہذیب، ج ۱۰ص ۴۲۰ وتاریخ بغداد، ج ۱۳ص ۴۲۷۔ 2. ایضاً، ص ۴۲۹۔
3. تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ص ۲۱۲۔ 4. تہذیب التہذیب، ج ۱۰ص ۴۲۰۔
5. تہذیب التہذیب، ج ۱۰ص ۴۲۰۔ 6. ایضاً، ص ۴۲۱۔ 7. تاریخ صغیر، ص ۱۹۲۔

marfat.com

تضعیف کی ہے، لیکن علامہ نسائی اپنی سنن میں ابو معشر کی روایت سے حجت لائے ہیں[1] لیکن اس کے باوجود ابو معشر پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط نہیں ہیں۔ ابن عدی نے بصراحت بیان کیا ہے کہ ائمہ ثقات نے ان کی روایتیں قبول کی ہیں۔

حدث عنه الثقات مع ضعفه يكتب حديثه[2]

''ثقات نے ان سے روایت کی ہے۔ ضعف کے باوجود ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں''۔

علاوہ ازیں عبدالرحمٰن بن مہدی جو جرح وتعدیل کے شہرۂ آفاق امام ہیں، وہ بھی ابو معشر سے روایت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس متن کی حدیث کی یادداشت میں ابو معشر کا حافظہ کمزور نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ سلسلہ اسناد کے یاد رکھنے میں ان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں پھر دوسری بات یہ ہے کہ ان کا حافظہ عمر کے آخری ایام میں کمزور ہوا تھا جیسا کہ بغدادی نے تصریح کی ہے کہ:

كان ابو معشر تغير قبل ان يموت.

''موت سے کچھ پہلے ابو معشر میں تبدیلی آ گئی تھی''۔

اس لئے نقص کے پیدا ہونے سے قبل کی روایتیں مقبول اور قابل حجت ہیں۔

بغداد میں آمد اور وفات:

خلیفہ مہدی ان کے علم وفضل کا بڑا قدردان تھا، ان سے اس کی انسیت کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی ماں کے غلام رہ چکے تھے، ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر دونوں کا ساتھ ہو گیا۔ مہدی نے ان کی قدر افزائی کی اور حکم دیا کہ وہ شاہی خیمہ میں بلائے جائیں اور اس قافلہ کے لوگ ان سے فقہ حاصل کریں۔ پھر مہدی نے ان کی خدمت میں ایک ہزار دینار کا تحفہ پیش کیا، اس کے بعد وہ انہیں ۱۶۰ھ میں اپنے ہمراہ مدینہ سے بغداد لایا، اور تعلیم کی خدمت ان کے سپرد

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۲۔ [2] تہذیب التہذیب، ج۱۰، ص۴۲۰۔
[3] تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۴۲۹۔

marfat.com

کی اس کے بعد وہیں مستقل قیام اختیار کر لیا اور رمضان ۱۷۰ھ میں رحلت فرمائی[1] خلیفہ وقت ہارون الرشید نے جو اسی سال تخت نشین ہوا تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ بغداد کے مقبرہ کبیر میں مدفون ہوئے[2]

اولاد:

صرف ایک صاحبزادے محمد بن ابی معشر تھے' اپنے والد کی طرح وہ بھی صاحب علم وفضل تھے' اور مشہور محدث ابو ذئب کے محبوب تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا' ترمذی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے' ابو معشر کی کتاب المغازی ان ہی کی روایت کی ہوئی ہے' ان کی ثقاہت پر تمام ائمہ متفق ہیں۔ ۹۹ سال کی عمر میں ۲۴۴ھ میں وفات پائی۔

تصنیف:

ابو معشر صاحب تصنیف بھی تھے' ابن ندیم نے ''ولہ من الکتب'' لکھا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کی تصنیفات ایک سے زائد ہیں لیکن صرف کتاب المغازی ہی کا پتہ ملتا ہے۔

خلیلی کا بیان ہے کہ ائمہ ان کی تاریخ سے استدلال کرتے ہیں' اس بیان سے بظاہر ایسا خیال ہوتا ہے کہ فن تاریخ میں بھی ان کی کوئی تصنیف ہے' لیکن دراصل یہ ایک ہی کتاب ہے جس کو خلیلی تاریخ اور ابن ندیم کتاب المغازی کہتے ہیں۔ متقدمین کے نزدیک مغازی' سیر اور تاریخ ایک ہی فن سمجھے جاتے تھے۔ ابن ندیم لکھتے ہیں:

عارف بالاحداث والسیر واحد المحدثین ولہ من الکتب کتاب المغازی۔[3]

''وہ تاریخ وسیر کے عارف اور محدث تھے۔ ان کی کچھ کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب المغازی ہے''۔

---

[1] شذرات الذہب' ج ا ص ۲۷۸ العبر فی خبر من غبر ج ا' ص ۲۵۸۔ [2] الانساب للسمعانی ورق ۳۱۳ طبع قدیم۔ [3] الفہرست' ص ۱۳۶۔

marfat.com

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ سیرت میں ابو معشر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''ابو معشر المدنی (م ۱۷۰ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں ان کی تضعیف کی ہے' لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں' ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔''[1]

---

[1] سیرت النبی ﷺ' ج ۱' ص ۲۲۔

marfat.com

ابو سلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جہاں اقلیم علم وفن کے بہت سے تاجدار شامل تھے وہیں بکثرت ایسے صاحب کمال بزرگ بھی تھے جو علمی اعتبار سے خواہ زیادہ بلند مرتبہ نہ ہوں، لیکن زہد واتقاء رشد وہدایت اور بلند روحانی مدارج میں غیر معمولی حیثیت کے مالک تھے۔ عمل صالح ان کی شخصیت کا زیور اور عبادت وریاضت ان کا طغرائے امتیاز تھا، ابو سلیمان الدارانی کا شمار ایسے ہی صلحائے امت میں کیا جاتا ہے، وہ یقیناً علم وفضل میں بھی بلند مرتبہ اور مقام عالی رکھتے تھے، لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ ایک عظیم المرتبت صوفی، شیخ طریقت اور بزرگ دین کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا سینہ شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھا، انہوں نے اپنی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وہدایت سے ایک عالم کو مستفید کیا، ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے کہ وہ ان اکابر اولیاء میں تھے جو اپنے روحانی کمالات کے اعتبار سے ارباب کشف وشہود خیال کیے جاتے ہیں[1]

ان کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا، لیکن اپنی کنیت ابو سلیمان سے شہرت پائی۔ والد کا اسم گرامی احمد اور دادا کا نام عطیہ تھا اصلاً واسط کے رہنے والے تھے، مگر داریا میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، جو غوطہ (دمشق) کے مغرب میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ غوطہ دمشق کا حسین ترین خطہ شمار ہوتا ہے، بعض سیاحوں نے اس کو جنت ارضی سے تعبیر کیا ہے، وہاں نوع بنوع قدرتی مناظر، میووں اور پھولوں سے لدے ہوئے باغات بل کھاتی نہریں اور سرسبز شادابی قدم قدم پر دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ اسی طرح اہمیت کے باعث اس خطہ کے طبعی اور جغرافیائی حالات پر ڈاکٹر صفوح خیر نے ''غوطہ دمشق'' کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے جس کے آغاز کی درج ذیل چند سطور میں گویا پوری کتاب کا ماحصل آ گیا ہے۔

---

[1] شذرات الذہب، ج ۲، ص ۱۴۔

marfat.com

اجمع الباحثون علیٰ ان غوطة دمشق کلها نزهة وعدها و جنة الارض لنظارتها و کثرت میاهها وبساتینها وحدائقها فاذاصعدت علیٰ مرتفع تری الاشجار والبساتین تحیط بالمدینة من کل جانب احاط الهالة بالقمر واذا خرجت من المدینة لا تری الا حدائق غناء ومیاها جاریة واشجاراً نامیة وحقولاً جمیلة خضرا[1]

''محققین کا اتفاق ہے کہ غوطۂ دمشق مکمل شادابی ہے۔ اس کو اس کی سرسبزی، کثرت باغات اور چمنستانوں اور پانی کی زیادتی کے باعث جنت ارضی شمار کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کسی بلندی پر چڑھ کر نظارہ کریں تو آپ کو درخت اور باغات چاند کے ہالہ کی طرح شہر کا احاطہ کئے ہوئے دکھائی پڑیں گے۔ اور جب شہر سے نکلیں گے تو تو آپ کو گھنے باغات، رواں دواں پانی اور اونچے اونچے درخت اور حسین سرسبز و شاداب کھیتیاں نظر آئیں گی''۔

ابوسلیمان الدرانی کا مسکن دمشق کے اسی جنت نظیر خطہ میں واقع تھا۔ یاقوت رومی اور علامہ سمعانی دونوں اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

ھی قریة کبیرة حسنة من قری غوطة دمشق[2]

''یہ غوطہ دمشق کا ایک خوبصورت اور بڑا گاؤں ہے''۔

اس کی طرف جدید وقدیم علماء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے[3] جن میں درج ذیل چار شخصیتوں کے نام نہایت ممتاز ہیں۔

❶ مشہور عالم ابوعتبہ عبدالرحمٰن الازدی جو امام مکحول شامی کے شاگرد عبداللہ بن مبارک کے استاذ اور فقہائے شام کے طبقۂ دوم میں شمار ہوتے ہیں۔ ❷ نامور تابعی ابوبکر سلیمان بن حبیب جو اپنی فقہی مہارت کے باعث دمشق میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کی جانب سے قاضی تھے، تیس سال تک نہایت شان

---

[1] غوطۂ دمشق، ص ۱۵۔ [2] معجم البلدان، ج ۴ ص ۲۴۔ کتاب الانساب جدید ایڈیشن حیدرآباد، ج ۵ ص ۲۷۱۔ [3] اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۲ ص ۲۴۔

marfat.com

وشوکت، کمال حق گوئی اور عدل گستری کے ساتھ منصب قضا کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے شیوخ حدیث میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ خود ان کے فیضان علم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن سنان اور عثمان بن ابی العاتکہ جیسے نادرۂ روزگار علماء مستفید ہوئے۔

حضرت ابوسلیمان الدرانی بھی اس معدن فضل وکمال کے ایک لعل گرانمایہ تھے[1] بلکہ داریا کی طرف منسوب اہل علم میں سب سے زیادہ شہرت وعظمت ان ہی کے نصیب میں آئی، ان کا خاندانی تعلق بنوعنس سے[2] تھے، جو یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی ایک شاخ ہے، جس کے جد امجد عنس بن مالک تھے، اس خاندان میں ممتاز اہل علم، فضلائے روزگار اور کبار عباد وزہاد کثرت سے ہوئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

❶ ابوعبدالرحمن عنسی: یہ شام کے ایک بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ خدا ان کی قسم کو ہمیشہ پوری کرتا تھا۔ ❷ جلیل المرتبت تابعی حضرت عمر بن ہانی عنسی انہوں نے تیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دیدار سے اپنی چشم عقیدت کو روشن کیا تھا، ان کے دامن فیض سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں امام اوزاعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ❸ اسماعیل بن عیاش عنسی بھی اسی معدن کے گوہر شب چراغ تھے[3] ان کے بارے میں ابوزرعہ کا قول ہے کہ شام میں امام اوزاعی کے بعد اسماعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا[4] ہزاروں حدیثیں ان کو ازبر تھیں، ارباب تذکرہ ان کی ذہانت وفطانت اور حیرت انگیز قوت حافظہ پر متفق اللسان ہیں۔ بقول امام احمد کے ان کے دماغ کے خزانہ میں تیس ہزار حدیثیں محفوظ تھیں[5]

علمی فضل وکمال:

حضرت ابوسلیمان نے حدیث کا علم عراق کے نامور محدثین سے حاصل کیا تھا،

---

[1] معجم البلدان، ج ۴ ص ۴۹۵۔ [2] وفیات الاعیان، ج ۱ ص ۴۹۵۔ [3] کتاب الانساب، ج ۲ ص ۴۰۱ قدیم ایڈیشن۔ [4] میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۱۱۳۔ [5] تہذیب التہذیب، ج ۱ ص ۳۲۲۔

marfat.com

اور انہیں حضرت سفیان ثوری اور ربیع بن صبیح جیسے منتخب روزگار علماء حدیث سے شرف تلمذ حاصل تھا' امام ثوری کی شخصیت زمرہ تبع تابعین کا گل سرسبد تھی۔ وہ علم وعمل اور سیرت و کردار دونوں اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھے۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ انہیں اپنے استاد ابراہیم نخعی پر بھی بایں ہمہ علوے مرتبت وجلالت شان فوقیت دیتے تھے[1] اور امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ عراق ہم پر درہم و دینار کی بارش کیا کرتا تھا مگر سفیان کے بعد اس نے علم کی بارش کر دی[2] اسی طرح شیخ درانی کے دوسرے قابل ذکر استاد ربیع بن صبیح بھی علم وعمل میں یگانہ عہد تھے۔ ان کا شمار حضرت حسن بصریؒ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضرت محمد بن سیرین' محمد بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح وغیرہ کے آفتاب کمال سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ امام شعبہ کا قول ہے:

ان فی الربیع خصالا لا تکون فی الرجل واحدۃ منھا[3]

''بلا شبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے حامل ہیں' جن میں سے کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

ان کی عدالت وثقاہت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جرح وتعدیل کے مشہور امام عبدالرحمن بن مہدی بھی ان سے روایت کرتے ہیں[4]

خود شیخ درانی کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں احمد بن ابی الحواری اور قاسم بن عثمان الجوعی وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ اول الذکر کو ان سے خاص تلمذ تھا۔ چونکہ ابوسلیمان کے زہد وورع اور عبادت وریاضت میں فنا ہو جانے کے باعث' ان کے علمی کمالات پس پشت پڑ گئے تھے۔ اس لیے اہل طبقات نے ان کی علمی حیثیت نمایاں کرنے کی بجائے ان کے سلوک وطریقت کے واقعات قلم بند کئے ہیں' صرف محدث ابن جوزی نے اتنا مزید اضافہ کیا ہے کہ ابوسلیمان کے واسطہ سے مروی تین مسند حدیثیں مجھ تک پہنچی

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۹ ص ۱۶۹۔ [2] ایضاً۔ [3] میزان الاعتدال' ج ا ص ۲۳۴۔

[4] میزان الاعتدال' ج ا ص ۲۳۴۔

marfat.com

ہیں، جن میں سے پہلی حدیث بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صل قبل الظهر اربعًا غفر له ذنوبه يومه ذلك.

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں اس کے اس دن کے گناہ معاف کر دیئے گئے"۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تواضع لله رفعه الله.

"رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا، اللہ اس کے مراتب بلند فرماویں گے"۔

تیسری حدیث بہت طویل ہے، اس میں ایک شامی وفد کو حضور ﷺ نے بیش قیمت نصائح اور ہدایات سے نوازا ہے[1]

اصلاح وتزکیہ:

ان کے صحیفہ زندگی کا زیادہ درخشاں باب سلوک وتصوف سے متعلق ہے، بقول حافظ ذہبیؒ وہ روحانیت ومعرفت کے بحر ناپید کنار کے ایک کامیاب شناور تھے[2] اسی وجہ سے اہل سیر نے ان کے اس روشن پہلو کو بہت شاندار الفاظ میں اجاگر کیا ہے۔

چنانچہ ابن خلکان رقمطراز ہیں:

احد رجال الطريقة كان من جملة السادات وارباب الجد في المجاهدات[3]

"وہ اہل طریقت میں تھے، ان کا شمار بہت سے اہل سادات اور کثرت مجاہدہ کرنے والوں میں ہے"۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

---

[1] صفوۃ الصفوۃ، ج ۴، ص ۱۰۴۔ [2] میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۲۳۴۔ [3] تاریخ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۹۵۔

marfat.com

الزاهد القدوة احد الابدال[1] وہ بہت بڑے زاہد اور ابدال میں سے تھے۔

سمعانی نے لکھا:

کان من افاضل اهل زمانه و عبادهم و خیار اهل الشام و زهادهم.

''وہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے فاضل اور عبادت گزار اور شام کے بہترین لوگوں اور زاہدوں میں سے تھے''۔

ابن عماد حنبلی فرماتے ہیں کہ زہد وصلاح میں ان کی نظیر نہیں ملتی[2] خطیب بغدادی نے اپنی مشہور تاریخ میں انہیں ''احد عبادالله الصالحین و من الزهاد والمتعبدین'' لکھ کر خراج عقیدت پیش کیا ہے:

صحت عقیدہ:

عقائد کی صفائی اور صحت کے معاملہ میں وہ نہایت متشدد تھے۔ ابوجعفر بن محمد بن احمد الوصلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۲۰۳ھ میں ابوسلیمانی الدارانی کو بغداد میں دیکھا۔ ان کی داڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا۔ وہ مسجد عبدالوہاب الخفاف میں مقیم تھے۔ ایک دن کسی نے عرض کیا' حضرت عبدالوہاب الخفاف تو قدریہ کے عقائد رکھتے تھے۔

یہ معلوم ہوتے ہی شیخ دارانی نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا' اور دوسری مسجد میں چلے گئے[3] احمد ابن ابی الحواری ان کا قول نقل کرتے ہیں۔ ''قدری کے سوا ہر اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھو' مگر قدری کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھو' خواہ وہ حاکم ہی کیوں نہ ہو''[4]

اقوال زریں:

ابوسلیمان الدارانی نے اپنے حکمت وبصیرت سے پرفرمودات میں حقائق ایمانی دقائق احسانی اور اسرار حکمت ربانی کو برملا فاش کیا ہے' ان تمام اقوال کے راوی شیخ کے تلمیذ رشید اور مرشد خاص ابن ابی الحواری ہیں' اگر استقصاء کر کے تمام ملفوظات کو یکجا کیا جائے تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔ محدث ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ' حافظ ابن کثیر نے

---

[1] شذرات الذہب' ج ۲' ص ۱۳۔ [2] تاریخ بغداد' ج ۴' ص ۲۴۸۔ [3] ایضاً' ص ۲۴۹۔
[4] تاریخ داریا للخولانی' ص ۱۱۷۔

marfat.com

البدایہ والنہایہ' خطیب نے تاریخ بغداد' قاضی عبدالجبار الخولانی نے تاریخ داریا اور شیخ فریدالدین عطار نے تذکرۃ الاولیاء میں بہت بسط وتفصیل کے ساتھ ان کے ملفوظات نقل کیے ہیں۔ ذیل میں چند بصیرت آموز اقوال درج کیے جاتے ہیں۔

ایک موقع پر فرمایا کہ: "بہتری عمل خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت کرنا ہے۔ اولاد' دولت اور گھر بار میں سے جو چیز تم کو خدا کی یاد سے غافل کر دے' وہ نحوست کا باعث ہے [1]

فرمایا: "میں رات میں محراب میں دعا کرنے میں مصروف تھا' میرے دونوں ہاتھ خدا کے حضور میں پھیلے ہوئے تھے' اس اثناء میں مجھے زیادہ ٹھنڈک معلوم ہوئی' تو میں نے ایک ہاتھ سمیٹ لیا' پھر نیند کا غلبہ ہوا اور میں اس طرح سو گیا۔ اتنے میں ایک ہاتف غیبی نے آواز دی' اے ابوسلیمان! ہم نے پھیلے ہوئے ہاتھ میں وہ سب کچھ رکھ دیا جو تمہیں مطلوب تھا' اور اگر تم دوسرا ہاتھ بھی اسی طرح پھیلائے رکھتے تو تو اسے بھی بھر دیتے"۔

احمد بن ابی الحواری بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ کی زبان سے بارہا یہ ارشاد سنا ہے کہ "دنیا و آخرت میں ہر خیر و نیکی کی جڑ اللہ جل شانہ' کی خشیت اور اس کا خوف ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کنجی یہ ہے کہ انسان شکم سیر ہو کر زندگی گزارے اور آخرت کی کنجی بھوکا رہنا ہے" [2]

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوسلیمان الدارانی کو گرم گرم روٹی نمک سے کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے ان کو لا کر دی۔ شیخ نے اس میں سے تھوڑا ٹکڑا توڑا اور پھر پوری روٹی پھینک دی۔ اس کے بعد زار و قطار رونے لگے اور کہتے جاتے۔

یارب عجلت لی شھوتی۔

"خداوند! میری خواہش نفسانی نے مجھے مغلوب کر دیا' میں صدق دل سے اپنی اس لغزش کی توبہ کرتا ہوں"۔

---

[1] البدایہ والنہایہ' ج ۱۰' ۲۵۶۔ [2] صفوۃ الصفوۃ' ج ۴ آخری مقول کا مطلب یہ ہے کہ انسان آخرت میں کامیابی چاہے تو اس کو مزخرفات دنیا میں نہ پڑنا چاہیے' فقر و فاقہ کے عالم میں خشیت وانابت الی اللہ کا غلبہ ہوتا ہے اور فراغت وخوشحالی خدا سے غافل کر دیتی ہے۔

marfat.com

راوی کا بیان ہے کہ پھر تا حیات انہوں نے نمک نہیں چکھا[1] ابن الجوزی ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ ابوسلیمان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

الا من اتی الله بقلب سلیم.

''مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئے''۔

تو شیخ نے فرمایا کہ قلب سلیم صحیح معنی میں وہ ہے جو اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس میں سوائے ذات حق کے غیر کا وجود نہ ہو۔ یہ کہہ کر شیخ ابن ابوالحواری رونے لگے اور فرمایا کہ جب سے میں نے شام میں اقامت اختیار کی ہے' دارانی کے اس مقولہ سے بہتر کوئی بات نہیں سنی۔ اور بلاشبہ حضرت شیخ کی ذات ان ہی خاصان خدا میں سے تھی جو اپنے پروردگار سے اس حال میں ملے کہ بجز اللہ جل شانہ' کسی کا وجود ان کے قلب میں نہ تھا[2]

فرمایا: ''بلاشبہ چور کسی ویران مکان میں نقب زنی کرنے نہیں جاتا' حالانکہ وہ اس میں جہاں سے چاہے جا سکتا ہے' وہ صرف ایسے گھر کا قصد کرتا ہے جو مال وزر سے معمور ہو۔ بعینہ یہی حال ابلیس لعین کا ہے' وہ ان قلوب پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو خشیت الٰہی' انابت الی اللہ اور ذکر وفکر سے معمور ہوتے ہیں''۔

فرمایا: ''اللہ کے کچھ برگزیدہ بندے ایسے ہوتے ہیں' جن کے لیے جنت کی نوع بنوع نعمتوں میں بھی کوئی ایسی کشش نہیں ہوتی جو انہیں یاد الٰہی سے غافل کردے۔ دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی نہیں' اس لیے اس میں زہد وارتقاء کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ ہاں جنت میں رہ کر جو حور وغلمان کی موجودگی میں خدا کے سوا اس کے دل میں کسی کے لیے کوئی جگہ نہ ہو تو وہی زاہد اور متقی ہے۔

فرمایا: کہ ''لوگ زیادہ سے زیادہ مال جمع کر کے اہل ثروت بننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا خیال بالکل غلط ہے کہ دولت کثرت مال کا نام ہے' خوب سمجھ لو کہ اصل غنی (سرمایہ دار) وہ ہے جو قناعت کی دولت رکھتا ہو' اسی طرح راحت خوشحالی میں نہیں بلکہ

---

1 البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۶۔ 2 تاریخ داریا للخولانی' ص ۵۲۔

marfat.com

تنگی میں ہے، لوگ عام طور پر نرم اور باریک لباس، عمدہ غذا اور آرام دہ مکان میں آسائش تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ دراصل اسلام، ایمان اور عمل صالح اور ذکر اللہ میں پوشیدہ ہے''۔

فرمایا: ''قیامت کے دن خدائے رحمٰن کی ہم نشینی کا شرف ان لوگوں کو حاصل ہوگا جو کرم، حلم، علم، حکمت، نرم خوئی، رحم دلی، عفوودرگزر، احسان، نیکی، لطف و مروت اور رافت و محبت کی صفات سے متصف ہوں گے''۔[1]

ابن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میرے شیخ برابر فرمایا کرتے تھے:

ان النفس اذا جاعت وعطشت صفاالقلب ورق اذا شبعت عمی القلب۔[2]

''جب نفس بھوکا پیاسا ہوتا ہے تو دل میں صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور شکم سیری کی حالت میں قلب اندھا ہو جاتا ہے''۔

فرمایا: ''جس شخص نے استغنا کے ساتھ حلال اور حلال ذریعہ کے ساتھ دنیا کو طلب کیا تو قیامت کے روز خدا سے اس عالم میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں ہوگا''۔[2]

فرمایا: ''ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے، صدق کی آرائش خشوع ہے، تواضع کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے علم میں کبر وغرور سے محفوظ رہے۔ دنیا میں غور وفکر، آخرت کا جواب ہے۔ اور آخرت کے بارے میں تفکر دلوں کی زندگی اور ثمرہ حکمت ہے، آنکھوں کو رونے اور دل کو آخرت کے بارے میں فکر کرنے کا عادی بنالو''۔[3]

فرمایا: ''جو شخص دن میں نیک عمل کرتا ہے، اس کی دن بھر حفاظت کی جاتی ہے۔ بہترین سخاوت وہ ہے جو ضرورت کے مطابق ہو۔ جو شخص اپنی جان کو قیمتی جانے، وہ ہرگز خدمت کی حلاوت نہیں پا سکتا''۔[4]

---

1 صفوۃ الصفوۃ، ج ۴ ص ۱۰۲۔ 2 البدایہ والنہایہ، ج ۱ ص ۲۵۸۔

3 تذکرۃ الاولیاء عطار، ج ۲ ص ۲۲۳۔ 4 ایضاً، ص ۲۲۵۔

marfat.com

کشف و کرامات:

حضرت ابو سلیمان الدرانی کی کرامات بھی کثرت سے منقول ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے اپنی کتاب محن المشائخ میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ دارانی کسی بات پر اہل دمشق سے ناراض ہو کر سرحدی مقام پر چلے گئے' ان کے جانے کے بعد کسی شخص نے عالم خواب میں دیکھا کہ اگر شیخ دارانی دمشق واپس نہ آئیں گے تو تمام اہل وطن تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ عوام کا ایک جم غفیر ان کی تلاش میں نکلا اور ان کے پاس پہنچ کر نہایت عجز و تذلل کے ساتھ واپسی کی درخواست کی یہاں تک کہ شیخ پھر دمشق واپس آ گئے [1]

وفات:

باختلاف روایت ۲۳۴ھ ۲۳۵ھ اور ۲۳۶ھ میں علم و عمل کا یہ نیر تاباں غروب ہو گیا [2] ابن جوزی نے ان سنین وفات میں اول الذکر ہی کو ارجح قرار دیا ہے۔ اور ابن عماد حنبلی' علامہ ذہبی' ابن خلکان اور خطیب بغدادی نے بھی اس کی توثیق کی ہے [3]

ان کے انتقال کی خبر سن کر مروان الطاطری نے کہا:

لقد اصیب اهل الاسلام کلهم [4]

''ان کی وفات سے تمام مسلمانوں کو شدید رنج و غم ہوا''۔

قریہ داریا میں تدفین ہوئی۔ اور وہاں ان کا مزار آج بھی مرجع انام ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

''ان کے مزار کی عمارت بہت شاندار ہے۔ امیر ناہض الدین بن عمر النہروانی نے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ مزید برآں اس میں قیام کرنے والوں کے مصارف کے لیے کچھ زمین بھی وقف کی جس کی پیداوار اور آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے''۔ [5]

---

[1] البدایہ والنہایہ، ج ا ص ۲۵۸۔ [2] ایضاً' ص ۲۵۹۔ [3] صفوۃ الصفوۃ' ج ۴ ص ۲۰۸۔

[4] شذرات، ج ۲ ص ۱۳۔ العبر' ج ا ص ۳۴۷، ابن خلکان، ج ا ص ۴۹۵۔

[5] تاریخ بغداد، ج ۱۰ ص ۲۴۸۔

marfat.com

ان کی اولاد میں شیخ سلیمان کا تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے۔ وہ بھی اپنے وقت کے مشہور عابد وزاہد تھے' اپنے والد کی طرح انہوں نے بھی ہدایت وارشاد کی مجلس آراستہ کی تھی۔ اس میں شریک ہو کر بہ کثرت تشنگان معرفت سیراب ہوتے تھے۔ ان کے حقیقت افروز اقوال بھی ابوسلیمان ہی کے مذکورۃ الصدر ملفوظات کے رنگ کے ہوتے تھے' اپنے والد کی وفات کے دو سال ایک ماہ بعد ۲۳۷ھ میں رحلت فرمائی۔[1]

---

[1] معجم البلدان' ج ۴ ص ۲۴۔

marfat.com

ابو نعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

فضل نام، ابو نعیم کنیت۔ اور سلسلۂ نسب یہ ہے۔ فضل بن دکین عمرو بن حماد بن زہیر ابن درہم[1] آل طلحہ بن عبیداللہ التیمی کے غلام تھے' کوفہ میں ایک شخص عبدالسلام بن حرب کی شرکت میں ملاء ۃ (چادر یا عورتوں کا کوئی بالائی لباس) کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے تیمی اور ملائی دونوں نسبتوں سے مشہور ہوئے[2]

وطن اور ولادت:

کوفہ کے رہنے والے تھے۔ سنہ ولادت کے بارے میں خود ان کے دو بیان منقول ہیں۔ ایک کے مطابق وہ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور دوسرے کے اعتبار سے ۱۳۰ھ میں پیدائش ہوئی۔ لیکن اکثر علماء نے مؤخرالذکر کو ہی اختیار کیا ہے' اس لیے وہی مرجح ہے۔

فضل وکمال:

علم وعمل، حق گوئی و بے باکی اور زہد واتقاء کے اعتبار سے ابو نعیم ایک سدا بہار گل دستہ تھے۔ وہ صغار تابعین کے دامان فیض سے وابستہ رہ کر آسمان علم وفضل پر مہر تاباں بن چمکے۔ امام بخاریؒ جیسے عبقری وقت ان کے تلمذ پر تاحیات فخر ومسرت محسوس کرتے رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ابو نعیم کی شہرت ومقبولیت میں جہاں ان کے گوناگوں کمالات کو دخل ہے وہاں امام بخاریؒ کی یگانہ روزگار شخصیت نے بھی ان کو چار چاند لگائے۔ امام بخاریؒ سے استفادہ ان کے صحیفۂ کمال کا درخشاں باب ہے یحییٰ بن معین کا

---

1 تہذیب التہذیب' ج ۸' ص ۲۷۰ وطبقات ابن سعد' ج ۶ ص ۲۷۰۔

2 تاریخ بغداد' ج ۱۲ اص ۳۴۶ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱ص ۳۱۴۔

marfat.com

بیان ہے، جو لوگ حیات ہیں ان میں ابو نعیم وعفان سے زیادہ فاضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔[1] حافظ ذہبیؒ انہیں "الحافظ محدث الکوفۃ" علامہ یافعی "محدث الکوفۃ الحافظ" اور امام خزرجی "الحافظ العلم" لکھتے ہیں[2] امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

کان یقظان فی الحدیث عارفاً[3]

"وہ حدیث کے بہت باخبر واقف کار تھے"۔

انہی کا دوسرا بیان ہے کہ ابو نعیم کی وفات کے بعد ان کا مجموعۂ روایات خطا وصواب کا معیار قرار پایا، جب بھی لوگ کسی مسئلہ میں مختلف الرائے ہوتے تو اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے۔[4]

حدیث:

حدیث رسول ان کی توجہ کا خصوصی مرکز تھی۔ اس فن میں ابو نعیم کی جلالت مرتبت اور علوئے شان کا اندازہ صرف اسی سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے سو سے زائد ان اکابر شیوخ سے اکتساب علم کیا تھا جن سے سفیان ثوری کو شرف تلمذ حاصل تھا خود بیان کرتے ہیں:

کتبت عن ازید من مأۃ شیخ فمن کتب عنه سفیان[5]

"میں نے سو سے زیادہ ان شیوخ سے حدیثیں لکھیں جن سے سفیان ثوری کو شرف سماع حاصل تھا"۔

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ چنانچہ خود ان کے مطابق چار ہزار حدیثیں تو انہوں نے صرف سفیان ثوری سے حاصل کی تھیں، ان تمام روایات کا پایہ ثقاہت نہایت بلند ہے۔

ابو نعیم جن محدثین وائمہ کے فیضان صحبت سے مستفید ہو کر مرتبہ کمال کو پہنچے ان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۱۴۔ [2] العبر ج ۱ ص ۳۷۷۔

[3] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۷۹۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۰۸۔

[4] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۷۹۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۷۳۔

marfat.com

کی فہرست بہت طویل ہے۔ کچھ ممتاز نام یہ ہیں: سلیمان الاعمش، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابن ابی ذئب، سفیان بن عیینہ، اسرائیل بن یونس، ابن ابی لیلیٰ، شعبہ بن الحجاج، شریک بن عبداللہ، حماد بن زید۔

تلامذہ:

اساتذہ کی طرح خودان کے آفتاب علم سے مستنیر ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا، جس میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر ائمہ کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ جن کے فضل وکمال کی پوری دنیا معترف تھی اور جو ابونعیم سے عہد وعمر میں متقدم تھے۔ تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، ابوبکر بن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابوزرعہ، محمد بن سعد (کاتب الواقدی) یعقوب بن شیبہ، عباس الدوری، احمد بن حسم، زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، ابوحاتم کے اسمائے گرامی ذکر کے لائق ہیں[1]

رجال وانساب کا علم:

فن حدیث میں رجال وانساب کے علم کو ہمیشہ بڑی اہمیت وعظمت حاصل رہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی صحت وسقم کا مدار بڑی حد تک اسی علم کی مہارت اور ژرف نگاہی پر ہوتا ہے، ابونعیم کو اس بارہ میں بڑا کمال حاصل تھا۔ ماہرین فن نے ان کو علم الانساب ورجال کا سب سے بڑا عالم اور واقف کار قرار دیا ہے۔ امام احمد برملا اعتراف کرتے ہیں:

وکان اعلم من وکیع بالرجال وانسابھم۔[2]

''وہ امام وکیع سے بھی زیادہ رجال وانساب کا علم رکھنے والے تھے''۔

البتہ فصاحت میں امام وکیع سے وہ کم مرتبہ تھے۔

ثقاہت:

ثقاہت وعدالت کے لحاظ سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا، علمائے حدیث نے انکی مرویات کو قابل حجت ٹھہرایا ہے۔ احمد بن صالح کا قول ہے:

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۱۴۔ [2] تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۳۴۶ وتہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۲۷۰۔

marfat.com

ما رایت محدثا اصدق من ابی نعیم[1]

''میں نے ابونعیم سے زیادہ سچا کوئی محدث نہیں دیکھا''۔

امام احمد فرماتے ہیں:

''ابونعیم سچے ثقہ اور حدیث میں لائق حجت ہیں''[2]

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

''وہ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث اور حجت تھے''[3]

حافظ ذہبیؒ حافظ حجۃ کے الفاظ سے ان کی ثقاہت کو سراہتے ہیں[4]

تثبت واتقان:

اسی طرح اتقان وتثبت میں بھی وہ غایت درجہ کمال ومہارت کے حامل تھے۔ یحییٰ بن معین بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابونعیم سے زیادہ صاحب تثبت کسی کو نہیں دیکھا[5]

امام یعقوب الفسوی کہتے ہیں:

اجمع اصحابنا ان ابا نعیم کان غایۃ فی الاتقان والحفظ وانہ حجۃ[6]

''ہمارے معاصرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابونعیم حفظ واتقان کی انتہا تھے اور بلاشبہ وہ حجت ہیں''۔

خلق قرآن اور ابونعیم:

خلیفہ بغداد مامون کے آخری عہد (۲۱۸ھ) میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھ چکا تھا۔ مامون کو اس مسئلہ میں از حد غلو تھا۔ چنانچہ وقت کے تمام مشاہیر علماء اور فقہاء اس فتنہ کی زد

---

۱ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱ ص ۳۴۱ وتہذیب التہذیب' ج ص وتاریخ بغداد' ج ۹ ص ۲۴۷۔

۲ شذرات الذہب' ج ۲ ص ۴۶۔ ۳ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۳۴۱۔ ۳ تہذیب التہذیب' ج ۸ ص ۲۴۷۔ ۲ تہذیب التہذیب' ج ۸ ص ۲۷۳۔ ۳ الطبقات الکبیر لابن سعد' ج ۶ ص ۲۸۰۔

۴ میزان الاعتدال' ج ۲ ص ۳۰۹۔ ۵ العبر' ج ۱ ص ۳۷۷۔ ۶ مرآۃ الجنان للیافعی' ج ۲ ص ۷۹۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۳۰۹۔

marfat.com

میں آئے۔ اس ابتلاء وآزمائش کا سب سے زیادہ نشانہ امام احمد بن حنبل کی مایہ ناز شخصیت بنی۔ مامون اور اس کے بعد معتصم ہر قسم کے جبر و تشدد کے باوجود امام موصوف سے اس عقیدہ باطل کا اقرار نہ کروا سکے۔

معتصم کے عہد میں یہ فتنہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا' اس نے تمام ممالک محروسہ میں فرامین جاری کر دیئے تھے' کہ علمائے وقت سے زبردستی خلق قرآن کا اقرار کرایا جائے۔ چنانچہ جو ارباب علم و فضل میدان عزیمت و ہمت کے شہسوار نہ تھے' انہوں نے خلق قرآن کا اقرار کرنے کے مقابلہ میں طوق و سلاسل اور دارورسن کو ترجیح دی۔ انہی اہل عزیمت علماء میں ابونعیم بھی تھے۔

خطیب بغدادی نے اس فتنہ میں ابونعیم کے ابتلاء کی پوری تفصیل درج کی ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابونعیم کوفہ ہی میں تھے' جس وقت فرمان خلافت کے تحت والی کوفہ نے خلق قرآن کا اعتراف کرنے کے لیے علماء کو طلب کیا۔ چنانچہ ابونعیم بھی ملنے گئے۔ ان سے پہلے ابن ابی حنیفہ' احمد بن یونس اور ابوغسان پہنچ چکے تھے۔ والی نے سب سے پہلے ابن ابی حنیفہ سے اقرار کرنے کے لیے کہا' انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ پھر اس نے ابو نعیم کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ دیکھو انہوں نے (ابن ابی حنیفہ نے) بھی اقرار کر لیا ہے' ابو نعیم نے یہ سن کر نہایت خشمناک لب و لہجہ میں ابن ابی حنیفہ کو سخت سست کہا۔ اور والی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے کوفہ میں کم و بیش سات سو شیوخ کو یہ کہتے سنا ہے کہ القران کلام اللّٰہ غیر مخلوق یعنی قرآن خدا کا کلام ہے' مخلوق نہیں ہے' اور یہی میرا بھی عقیدہ ہے۔ اور اس برملا اظہار کی خاطر خواہ میری گردن سر سے جدا کر دی جائے میں اس سے باز نہیں رہ سکتا۔

والی کوفہ کے دربار میں ابونعیم کی اس بے مثال جرأت' حق گوئی اور بے باکی کو دیکھ کر احمد بن یونس فوراً اٹھے اور انہوں نے ابونعیم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا'' جزاك اللّٰہ خیرا'' حالانکہ اس سے قبل دونوں بزرگوں میں سخت غلط فہمیاں تھیں۔[1]

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۱۲' ص ۳۴۹۔

marfat.com

تشیع کا الزام:

ان پر یہ اتہام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ ان میں تشیع کا رجحان موجود تھا' لیکن انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اس کی سخت تردید کر دی تھی۔ چنانچہ احمد بن میثم بن ابی نعیم کا بیان ہے کہ جب میرے جد امجد ابونعیم بغداد تشریف لے گئے تو میں ان کے ہمراہ تھا۔ وہاں وہ حدیث کا درس دینے لگے۔ ایک دن اثناء درس ایک خراسانی اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا کیا آپ رافضی ہیں؟ احمد کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی ابونعیم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرط غم غضب سے انہوں نے منہ پھیر لیا۔[1]

خوش طبعی:

بایں ہمہ جلالت وفضل وہ بہت خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ خطیب رقمطراز ہیں کہ:

کان ابو نعیم مزاحًا و دعابة مع تدينه و امانته و ثقاهته۔[2]

''ابونعیم اپنے تدین اور ثقاہت وامانت کے باوجود بہت زندہ دل اور پرمذاق انسان تھے''۔

استغنا:

وہ مال ودولت اور مزخرفات دنیا سے بے نیاز تھے' لیکن اس کے باوجود بعض لوگ ان پر تعلیم کی اجرت لینے کا الزام لگاتے ہیں جسے اس زمانے میں بہت معیوب اور تدوین وثقاہت کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن ابونعیم خود ہی بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کا یہ خیال صحیح ہوتا تو پھر میرے ۱۳ نفری گھر کی عسرت اس حال کو نہ پہنچتی کہ اس وقت ایک روٹی بھی میرے گھر میں نہیں ہے۔[3]

وفات:

شب سہ شنبہ ماہ شعبان ۲۱۹ھ کو بمقام کوفہ رحلت فرمائی' عبدالدوس بن کامل

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۵۱۔ [2] تاریخ بغداد' ج ۱۲ ص ۳۴۷۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۷۵۔

marfat.com

بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ماہ ربیع الاول ۲۱۷ھ کو کوفہ میں ابونعیم کی صحبت میں حاضر تھے، اسی اثنا میں محاضر بن ابورع کے صاحبزادے تشریف لائے' ابونعیم نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ میں نے گزشتہ خواب میں تمہارے والد کی زیارت کی تھی' انہوں نے مجھے ڈھائی درہم مرحمت فرمائے۔ تمہارے نزدیک اس کی کیا تاویل ہوسکتی ہے۔ ابن المحاضر نے عرض کیا کہ مجھے تو خیر ہی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا میں اس کی تاویل یہ کرتا ہوں کے میں اب یا تو ڈھائی یوم اور زندہ رہوں گا یا ڈھائی مہینے یا ڈھائی سال چنانچہ ٹھیک ڈھائی سال کے بعد ان کی وفات ہوئی [1]

سہ شنبہ کی شب میں انتقال ہوا تھا' اس کے دوسرے دن مقام حبان میں تدفین ہوئی۔ نماز جنازہ محمد بن داؤد نے پڑھائی۔ تدفین کے بعد والی کو اطلاع ہوئی تو وہ دوڑا ہوا آیا اور وفات کی اطلاع نہ دینے پر سخت برہم ہوا اور پھر قبر سے ذراہٹ کر ایک کثیر مجمع کے ساتھ نماز ادا کی' اس وقت عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی حکومت تھی [2]

---

[1] طبقات ابن سعد' ج ۶ ص ۲۸۰۔

[2] تاریخ بغداد' ج ۱۲ ص ۳۵۷۔

marfat.com

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسد نام' ابوعبداللہ کنیت' والد کا اسم گرامی فرات اور جد امجد کا نام سنان تھا۔ وہ اکثر ازراہ مزاح کہا کرتے تھے کہ میں اسد (شیر) ہوں جو وحشی جانوروں میں سب سے بہتر ہے' میرے والد فرات میں ہیں' جو دریاؤں میں اعلیٰ ہیں اور میرے دادا سنان (نیزے کی انی) تھے جو ہتھیاروں میں بہترین ہے۔

خاندان، ولادت اور ابتدائی حالات:

ان کا خاندان بنوسلیم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا' قاضی اسد کا آبائی وطن نیشا پور (خراسان) تھا' وہ ابھی بطن مادر میں ہی تھے کہ ان کے والد ہجرت کر کے حران (دیار ابی بکر) چلے آئے اور یہیں ۱۴۲ھ میں ان کی ولادت ہوئی (سال ولادت کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں' بعض ۱۴۳ھ اور بعض ۱۴۵ھ قرار دیتے ہیں لیکن خود قاضی اسد کی زبان سے ۱۴۲ھ ہی مروی ہے۔ اس لیے وہی اصح اولیٰ ہے) آبائی پیشہ سپہ گری تھا' دو برس کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ ۱۴۴ھ میں محمد بن اشعث کی فوج کے ہمراہ افریقہ آئے۔ پانچ سال کی عمر تک قیروان میں رہے' پھر جب ان کے والد نے تیونس میں قیام کیا تو نو سال وہاں مقیم رہے۔

۱۸ سال کی عمر میں تیونس کے ایک گاؤں میں قرآن مجید کی تعلیم ختم کی' ان دنوں ان کی والدہ نے ان کے متعلق عالم رؤیا میں دیکھا کہ ان کی پشت پر گھاس اگی ہوئی ہے اور اسے مویشی چر رہے ہیں۔ علمائے تعبیر نے بتایا کہ یہ لڑکا آئندہ علم وفضل کا مالک ہوگا اور تشنگان علم اس کے چشمۂ فیض سے شاد کام ہوں گے۔

marfat.com

تحصیل علم:

اس کے بعد ان کے دینی علوم کی تکمیل کا وقت آیا۔ اس وقت تیونس میں علی بن زیاد مسند درس بچھائے ہوئے تھے' قاضی اسد نے بھی انہی کی طرف رجوع کیا اور ان سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی' موطا امام مالک پہلی مرتبہ ان سے پڑھی۔

پھر ۱۷۲ھ میں تکمیل علم کے لیے مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالکؒ کے درس میں طلبہ کے سوالوں کے جواب دیتے' جنہیں تلامذہ لکھتے جاتے۔ عبداللہ بن وہب اور عبدالرحمٰن بن قاسم امام مالک کے ارشد تلامذہ میں تھے' اور ان کی حیثیت امام ابوحنیفہ کے اصحاب امام محمد اور امام یوسف کی مثل تھی' اور یہی دونوں ان کے جوابوں کے کو لکھتے تھے۔

امام مالکؒ طبعاً قیل وقال کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اور سہل وسادہ طور پر محض روایات کی بنیاد پر جوابات دیتے تھے' اور اس کی وجہ سے تلامذہ اپنے دلی خدشات کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ جب اسد ان کی مجلس میں شریک ہوئے تو ابن قاسم وغیرہ نے ان کے ذریعہ سے اپنے خدشات مٹانے چاہے۔ چنانچہ وہ سوال در سوال سکھاتے۔ اسد امام صاحب کے سامنے پیش کرتے' بالآخر امام صاحب نے انہیں بھی ممانعت کردی۔ یہ پورا واقعہ خود قاضی اسد کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں:

''مالکؒ کے اصحاب ابن قاسم وغیرہ مجھے سکھاتے کہ فلاں مسئلہ کے متعلق ان سے دریافت کروں' چنانچہ میں جب ان سے سوال کرتا تو وہ مجھے جواب دے دیتے۔ اس کے بعد میرے ساتھی مجھے یوں سکھانے لگے کہ'' اگر یہ ایسا ہے تو یوں ایسا ہوگا' اور یہ یوں ہے تو یہ یوں ہوگا۔ اس پر میں اسی طریقہ سے سوالات کرنے لگا۔ ایک دن وہ مجھ سے تنگ آ گئے اور فرمانے لگے:

سلسلہ پر سلسلہ چھیڑ رکھا ہے اگر ایسا ہو تو یہ ایسا ہے اور ایسا ...... اگر تم یہ چاہتے ہو تو تمہارے لیے عراق کا راستہ ہے''۔

marfat.com

اس واقعہ کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ: ''تم لوگ میرا سہارا پکڑتے ہو' میں آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کروں گا''۔[1]

امام مالک سے سبقاً سبقاً موطا پڑھ چکنے کے بعد انہوں نے کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا تو امام صاحب نے فرمایا:

''وہی تمہارے لیے کافی ہے جو میں دوسروں کو دے رہا ہوں''۔

جب یہاں تعلیمی سلسلہ کی تکمیل ہوگئی تو انہیں عراق جا کر فقہ حنفی کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا۔ اور امام مالک سے رخصت ہونے کے لیے انہیں الوداع کہا۔ اسد بیان کرتے ہیں:

''میں اور حارث بن اسد قفصی اور غالب بن مہدی امام صاحب کی خدمت میں رخصت ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ میرے دونوں ساتھی مجھ سے پہلے باریاب ہوئے اور امام مالک سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائیے' انہوں نے دونوں کو وصیت کی کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے تقویٰ' قرآن اور اس امت کی خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں''۔ اس کے بعد ہم لوگ باہر نکلے تو میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا ''اے عبداللہ! واللہ انہوں نے تمہیں اپنی وصیت میں ہم لوگوں سے زیادہ عطا فرمایا''۔

راوی سلیمان کا بیان ہے کہ امام مالک رخصت کرتے وقت اپنے تلامذہ کو صرف ''تقویٰ اللہ'' کی وصیت فرماتے تھے۔

---

[1] اس واقعہ کو بعض مورخین نے اس طرح نقل کیا ہے کہ اسد نے ایک دن امام مالک سے سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا' اسد نے دوبارہ پوچھا' امام صاحب نے دوبارہ جواب دیا اور پھر سہ بارہ بھی جواب ملا' لیکن جب چوتھی مرتبہ اس پر کچھ پوچھا تو امام مالک نے فرمایا کہ ''مغربی اگر یہ تمہارے لیے کافی ہے۔ اگر تم رائے چاہتے ہو تو عراق جاؤ۔ اس پر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اسی وجہ سے عراق چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ اسد کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جب یہاں درس کی تکمیل کر لی تب عراق گئے تاکہ فقہ حنفی کی تحصیل کریں۔

marfat.com

اس کے بعد اسد مدینہ سے عراق روانہ ہوئے۔ یہاں امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ کی مجلس درس آراستہ تھی۔ وہ یہاں آ کر امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، اور اسدؒ بن عمروؒ[2] کے حلقوں میں شریک ہوئے اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے ممتاز فقہائے احناف کے سامنے بھی زانوائے تلمذ تہہ کیا۔

امام محمد کا التفات خاص:

امام محمد رحمہ اللہ کی خدمت میں انہیں نمایاں اختصاص حاصل ہوا' ان کی اجازت سے ان کے عام درس میں شریک ہونے کے علاوہ شب کے وقت بھی ان سے پڑھتے تھے۔ اور پھر جب ان کی غریب الوطنی کا علم ہوا تو امام محمدؒ نے ان کی مالی امداد بھی فرمائی۔ انہوں نے یہ واقعات خود سلیمان بن سالم سے بیان کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''میں نے امام محمد بن حسن سے کہا کہ میں پردیسی ہوں اور آپ سے فقہ اور حدیث کا بہت کم سرمایہ جمع کر سکا ہوں' کیونکہ آپ کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے' اس لیے میرے لیے کیا خاص عنایت ہو سکتی ہے' انہوں نے فرمایا عراقی طلبہ کے ساتھ دن کے وقت درس میں شریک رہو اور رات کا وقت صرف تمہارے لیے خاص کرتا ہوں۔ رات میرے ہی پاس گزارو' میں تمہیں حدیثیں سنایا کروں گا۔ چنانچہ میں شب امام محمدؒ کے یہاں رہنے لگا، وہ خود کوٹھے پر رہتے اور میں نیچے منزل میں رہنے لگا' لیکن میری خاطر سے وہ نیچے ہی اتر آتے اور درس کے لیے اپنے سامنے ایک پیالے میں پانی رکھ کر بیٹھ جاتے۔ جب پڑھتے پڑھتے رات زیادہ گزر جاتی تو مجھے نیند آنے لگتی وہ مجھے اونگھتے دیکھ کر ایک چلو پانی میرے منہ پر چھڑکتے اور میں بیدار ہو جاتا۔ ان کا اور میرا یہی طریقہ بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ میں جس قدر ان سے پڑھنا چاہتا تھا' پڑھ لیا''۔

---

[2] ان شیوخ میں صاحبین کے اسماء معلوم و مشہور ہیں۔ مؤخر الذکر اسد بن عمرو بھی امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ان کا امتیاز خاص یہ ہے کہ انہیں نے سب سے پہلے امام اعظمؒ کی کتابیں نقل کی ہیں۔ الجواہر المضیۃ میں ان کے حالات درج ہیں۔ (ج ا' ص ۱۴۰)

marfat.com

امام محمد کی شفقتوں کے سلسلہ میں وہ مزید کہتے ہیں:

''میں ایک دن محمد بن حسن کے حلقہ درس میں بیٹھا تھا ناگاہ سبیل لگانے والے کی آواز آئی۔ میں جلدی سے اٹھ کر گیا اور پانی پی کر حلقہ میں واپس چلا آیا۔ اس پر امام محمد نے مجھ سے پوچھا ''مغربی تم سبیل کا پانی پیتے ہو''؟ میں نے عرض کیا: ''خدا آپ کو فلاح دے میں تو ابن السبیل ہوں'' درس ختم کر کے میں گھر چلا گیا' تو رات کے وقت کسی نے دروازہ پر آواز دی۔ دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ امام محمد کا خادم ہے' اس نے مجھ سے کہا کہ آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ سے کہا ہے کہ مجھے آج سے پہلے بالکل معلوم نہ تھا کہ تم ابن السبیل ہو' اس لیے اس نفقہ کو لے لو اور اپنی ضرورتیں پوری کر۔ اس کے بعد اس کے خادم نے ایک بھاری تھیلی میری طرف بڑھائی۔ میں دل میں خوش ہوا کہ اس میں دراہم کی کافی تعداد ہے۔ جب گھر میں آ کر تھیلی کھولی تو دیکھتا ہوں کہ اس میں اسی اشرفیاں بھری ہوئی ہیں''۔

امام مالکؒ کی وفات اور لوگوں کا ان کے تلامذہ کی طرف مرجوعہ:

اسد عراق میں تحصیل علم میں مصروف تھے کہ اچانک مدینہ سے امام مالک کی وفات کی خبر صاعقہ اثر ملی اور اسی وقت سے امام مالک کے تلامذہ طالبان علم کے مرجوعہ بن گئے' جن میں قاضی اسد بھی شامل تھے اس واقعہ کو وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ہم لوگ ایک دن امام محمد کے حلقہ درس میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور لوگوں کو پھاندتا ہوا امام محمد کے قریب پہنچا اور ان سے کوئی خبر بیان کی جس پر امام محمد بول اٹھے انا للہ وانا الیہ راجعون. ایک مصیبت ہے کہ اس سے بڑھ کر دوسری مصیبت نہیں' مالک بن انس کا انتقال ہوگیا' امیر المومنین فی الحدیث نے وفات پائی۔ یہ خبر مسجد میں پھیلی پھر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی۔ لوگ مالک بن انس کی وفات پر اظہار غم کے لیے جمع ہونے لگے' اور اس کے بعد یہ حال ہوگیا کہ جب کوئی مالک بن انس کی حدیث روایت کرنے لگتا تو ایک خلقت اس کے گرد امنڈ آتی اور اس قدر مجمع ہوتا کہ راستے بند ہو جاتے''۔

marfat.com

صاحبین کی قاضی اسد سے مؤطا کی تحصیل:

اسی سلسلہ میں قاضی اسد سے بھی لوگوں نے امام مالک کی روایتیں حاصل کیں۔ بلا شبہ انہیں یہ قابل فخر اعزاز حاصل ہوا کہ امام ابو یوسف نے اس تشنۂ علم کو سیراب کرنے کے بعد اس سے فیض حاصل کرنے کی خواہش کی جو وہ مدینۃ العلم یثرب سے حاصل کر کے لایا تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے اسد سے موطأ امام مالک کا درس لیا۔

پھر جب امام محمد کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا: ''ابو یوسف علم کی خوشبو سونگھ لیتے ہیں''۔ اور اس کے بعد انہوں نے بھی قاضی اسد سے مؤطا کے درس کی خود بھی خواہش ظاہر کی اور اس حیثیت سے اسد کی شخصیت اسلام کے دو اہم مذاہب کے اساطین اولین کے درمیان ایک سلسلۃ الذہب قرار پاتی ہے۔

اسد نے مشرق میں فقہ مالکی وحنفی کی تحصیل کے علاوہ علم حدیث پر بھی نظر رکھی۔ امام محمد سے تحصیل حدیث کا ذکر اوپر گزرا۔ ان کے علاوہ شیوخ عراق میں سے یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی' ابوبکر بن عیاش' میتب بن شریک اور ہیثم بن شریک وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے حدیثیں نقل کیں۔ ان میں سے صرف مؤخر الذکر ہیثم بن شریک سے بارہ ہزار حدیثیں لکھیں۔

وطن کو مراجعت:

قاضی اسد نے مشرق میں تحصیل علم سے فارغ ہو چکنے کے بعد وطن واپسی کا ارادہ کیا' لیکن مصارف سفر کا کوئی سامان نہ تھا اس لیے سخت پریشان تھے۔ بالآخر امام محمد کے سامنے اس کا تذکرہ آیا۔ انہوں نے فرمایا' تمہارا ذکر ولی عہد (غالباً شہزادہ امین' مراد ہے) کے سامنے کروں گا۔ امید ہے تم بآسانی وطن پہنچ جاؤ گے۔

چنانچہ امام محمد نے ولی عہد سے قاضی اسد کا تذکرہ کیا اور اس سے اسد کے ملنے کی تاریخ مقرر ہوئی۔ جب اسد ولی عہد کے محل میں جانے لگے تو امام محمد نے انہیں

marfat.com

سمجھایا کہ تم ان لوگوں کے پاس جس رکھ رکھاؤ سے پیش آ ؤ گے ویسا ہی وہ بھی تم سے برتاؤ کریں گے۔ اگر تم اپنی خودداری رکھ کر ملو گے تو وہ بھی تمہیں باعزت اور خوددار سمجھیں گے۔

اس کے بعد اسد ولی عہد کے محل میں پہنچے۔ ایک خادم نے ان کا استقبال کیا۔ اور ایک جگہ پر بٹھا دیا۔ یہاں ان کے سامنے ایک ڈھکا ہوا خوان لایا گیا۔ اسد نے پوچھا: ''یہ جو کچھ تم لائے ہو تمہاری طرف سے ہے یا تمہارے آقا کی جانب سے''؟ وہ بولا: ''آقا کے حکم سے لایا ہوں''۔ اسد نے نہایت خوبصورتی سے جواب دیا:

''تمہارا آقا کبھی اسے پسند نہیں کرتا کہ اس کا مہمان اس کی شرکت کے بغیر کھانا کھائے صاحبزادے! یہ تمہارا ہی احسان ہے' مجھ پر بھی تمہاری مکافات واجب ہے''۔ یہ کہہ کر جیب ٹٹولی' اس میں ان کا سارا سرمایہ کل چالیس درہم تھا۔ انہوں نے اس کے صلے میں اس کو بڑی فراخ حوصلگی سے چالیسوں درہم اس کی طرف بڑھائے' اور خوان اٹھا لینے کا اشارہ کیا' خادم اسد سے بے حد خوش ہوا' اور سارا واقعہ اپنے آقا سے سنایا وہ سن کر بہت محظوظ ہوا اور اسد کو اندر طلب کیا۔ اس کے بعد خود اسد کی زبانی سنئے:

''میں ولی عہد کی خدمت میں پہنچا' وہ ایک تخت پر جلوہ افروز تھا اس کے سامنے دوسرا تخت بچھا تھا' جس پر حاجب بیٹھا تھا' تیسرا تخت خالی تھا' اس پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر مجھ سے مختلف گفتگوئیں کرتا رہا اور میں مناسب جوابات دیتا رہا۔ جب میری واپسی کا وقت آیا تو ایک رقعہ لکھ کر سربمہر لفافہ میں میرے حوالہ کیا اور کہا کہ اسے صاحب دیوان کے یہاں لے جاؤ' پھر مجھ سے دوبارہ ملنا' تمہیں انشاء اللہ یہاں آنے سے مسرت ہوگی''۔

اس لفافہ میں دس ہزار دینے جانے کی ہدایت تھی۔ جب یہ رقم وصول ہوگئی تو اسد نے ولی عہد کی ہدایت کے مطابق اس سے یہاں دوبارہ جانا چاہا' مگر امام محمد نے یہ

marfat.com

کہہ کر منع فرمایا کہ اگر اب ان لوگوں کے پاس دوبارہ جاؤ گے تو وہ تمہیں اپنا غلام تصور کریں گے چنانچہ اسد نے دوبارہ ملنے کا خیال ترک کر دیا۔ اور اپنے شفیق استادوں سے رخصت ہو کر مصر روانہ ہو گئے۔ اسد نے امام محمد کے دل پر اپنی محنت' جفاکشی اور تحصیل علم کے شوق کے گہرے نقوش چھوڑے تھے' وہ ان کے آنے کے بعد مجلسوں میں ان کی تعریف فرماتے تھے۔ صاحب معالم نے لکھا ہے:

''امام محمد مکہ میں ان کی تعریف کرتے تھے' اور ان کے مناظرہ طریق درس اور علم حدیث کی توصیف و ستائش فرماتے تھے''۔

مصر میں:

مصر میں اس وقت عبداللہ بن وہب' اشہب اور عبدالرحمن بن قاسم کے علمبردار تھے۔ اور یہ تینوں امام مالک کے ایسے جلیل القدر تلامذہ تھے' جن کا احترام امام مالک کے تمام شاگرد کرتے تھے۔ اسد باری باری ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے' لیکن عبداللہ بن وہب اور اشہب سے نبھ نہ سکی اور مؤخر الذکر سے تو ایسی نوک جھونک ہوئی کہ اگر عبداللہ بن عبدالحکیم وغیرہ درمیان میں نہ آ جاتے تو برے نتائج پیدا ہوتے۔

آخر میں عبدالرحمن بن قاسم کی طرف رجوع کیا۔ یہ اپنے علم وفضل' زہد وورع اور کبرسنی کی وجہ سے بڑے احترام سے دیکھے جاتے' عبادت و ریاضت کا یہ حال تھا کہ دن رات میں تین ختم پڑھتے' اور گھنٹوں نماز میں قیام کرتے تھے۔

علم فقہ میں روایت' رائے اور قیاس سب پر یکساں نظر رکھتے' اور ابن قاسم کی یہی جامعیت قاضی اسد کے لیے وجہ کشش تھی' ایک دن انہوں نے جوش عقیدت میں ان کے متعلق مسجد میں بآواز بلند یہ کہا:

''حضرات! اگر مالک بن انس کا انتقال ہو چکا تو یہ دوسرا امام مالک ہمارے سامنے موجود ہے''۔

یہ کہتے ہوئے ابن قاسم کی طرف اشارہ کیا۔ اور پھر التزام سے روزانہ ان کی

marfat.com

خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

اسدیہ کی تدوین:

اس کے بعد قاضی اسد کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ ابن قاسم سے روزانہ فقہی مسائل پر سوالات کرتے وہ جوابات دیتے۔ اسد سوال و جواب دونوں کو بالترتیب لکھتے جاتے۔ عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے جوابوں میں امام مالک کے فتاویٰ بیان کرتے۔ ان پر احادیث سے استدلال لاتے' اور قیاس ورائے سے ان جوابوں کی صحت کے ثبوت بہم پہنچاتے' یہاں تک کہ انہوں نے ان جوابوں کے املا کرانے میں روزانہ کے تین ختموں کے معمول میں سے ایک ختم کو ترک کر دیا۔

اس طرح یہ سوال و جواب ساٹھ جزوں میں مدون ہو گئے۔ اور یہی کتاب دنیا میں فقہ مالک کی اولین کتاب ہے۔ اسد نے اس مجموعہ کا نام پر ''الاسدیہ'' سے موسوم کیا۔

الاسدیہ کی شہرت اور اس کی نقلیں:

الاسدیہ کی تدوین کے بعد قاضی اسد کو افریقہ واپسی کا خیال آیا۔ اس اثنا میں الاسدیہ کی شہرت پھیل چکی تھی۔ اہل مصر نے اسد سے اس کا ایک نسخہ حاصل کرنا چاہا' انہوں نے اس کے دینے سے تامل کیا اور یہ معاملہ قاضی تک پہنچا۔ اسد کا دعویٰ تھا کہ اس کی نقل ان کے حوالہ سے کی جائے لیکن اہل مصر اس پر آمادہ نہ تھے۔ تھوڑے سے رد و کد کے بعد قاضی نے اس کی نقل اسد سے دلوا دی۔ جب اسد مصر سے روانہ ہونے لگے تو ابن قاسم نے کچھ سامان ان کے حوالہ کیا کہ اسے افریقہ میں فروخت کر کے اس کی قیمت سے کاغذ خریدا جائے اور اسدیہ کی نقل ان کے پاس بھیج دی جائے۔ چنانچہ افریقہ پہنچ کر قاضی اسد نے اس کی نقل ایک عدد تیار کر کے اپنے استاد کی خدمت میں ارسال کر دی۔

۱۸۱ھ میں قاضی اسد مصر سے قیروان واپس آئے اور یہاں پہنچتے ہی خلق خدا کا

marfat.com

ہجوم امنڈ پڑا۔ اور انہوں نے مؤطا امام مالک اور الاسدیہ کا درس جاری کر دیا۔ امام مالک سے بیک وقت واسطہ احادیث لینے اور الاسدیہ کی روایت اور سماع کے لیے افریقہ اور مغرب کے جلیل القدر علماء نے اسد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور چند ہی دنوں میں ان کی ''اسدیہ کی روایت جسے عرف عام میں ''المدونہ'' بھی کہنے لگے تھے سارے افریقہ و مغرب میں پھیل گئی۔

تیسری نقل موسومہ المدونة الکبریٰ اور امام سحنون اور قاضی اسد میں علمی چشمک:

جب ''الاسدیہ'' شہرۂ آفاق حیثیت حاصل کر کے خاص و عام میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی گئی تو اہل علم نے خصوصیت کے ساتھ اس پر توجہ کی اور اس کی نقل کا اہتمام کیا۔ اسد کے حلقہ درس میں دو جلیل القدر علماء سحنون اور محمد بن رشید بھی شریک تھے ان دونوں نے اسد کی لاعلمی میں اس کی نقل تیار کرانی شروع کی۔

لیکن اس زمانہ میں اہل علم کے درمیان کتاب کے نسخوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی تلامذہ کا فرض تھا کہ استاد کی اجازت کے بغیر اس کی نقل نہ لیں۔ اور دراصل وہ نسخے جو استاد کی تصدیق کے بغیر ہوتے معتبر بھی نہ سمجھے جاتے تھے لیکن اس کے باوجود ان دونوں نے اس کی نقل حاصل کرنی شروع کی۔ اس لیے جب اسد کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہیں سخت ناگوار گزرا۔ اب وہ لوگوں کو نسخہ کی جزوی نقل دینے میں بھی احتیاط برتنے لگے مگر اس وقت تک سحنون کا نسخہ قریب قریب مکمل ہو چکا تھا۔ صرف ایک باب کتاب القسم کی نقل باقی رہ گئی تھی۔

بہر حال سحنون اس کی نقل حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے رہے، چنانچہ ایک دن ایک شخص جزیرہ سے اسد کے پاس آیا اور ان سے کتاب القسم کی نقل چاہی۔ قاضی اسد کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ سحنون کا فرستادہ نہ ہو اس لیے اسے نقل دینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ اس کی نقل سحنون کو نہ دے گا۔ اس پر قاضی صاحب نے ''کتاب القسم'' اس کے حوالہ کر دی اور اس نے نقل حاصل کر لی۔

marfat.com

وہ شخص فی الواقع سحنون کا فرستادہ ہی تھا' چنانچہ مطلوبہ نقل لے کر جب وہ امام سحنون کی خدمت میں واپس گیا تو اس نے کہا:

''ابو سعید! یہ لو' مگر یہ نقل مجھے بغیر حلف اٹھائے نہ مل سکی' اب مجھے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہے''۔

اس طریقہ سے ''الاسدیہ'' کی نقل سحنون کے پاس مکمل تیار ہوگئی مگر اسد کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ چند دنوں کے بعد سحنون نے مصر کا قصد کیا۔ روانگی کے وقت افریقہ کے اہل علم ان کی مشایعت کو نکلے۔ ان میں اسد بھی تھے۔ اسد نے درپردہ دریافت کرنے کے لیے کہ ''الاسدیہ'' کی نقل مکمل ہوگئی یا نہیں' ان سے کہا:

''اگر تمہارے پاس یہ مدونہ ہوتی تو تم اسے ابن قاسم سے سن سکتے''۔

سحنون نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا:

''وہ میرے پاس موجود ہے''۔

قاضی اسد یہ سن کر خاموش ہو گئے' اس کے بعد معلوم ہوا کہ سحنون کے سفر مصر کی اصل غرض و غایت ابن قاسم سے ''الاسدیہ'' کی روایت و سماع ہی ہے۔

المدونۃ بسماع سحنون کی وقعت واہمیت:

چنانچہ امام سحنون مصر میں عبدالرحمٰن بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے' انہوں نے سب سے پہلے قاضی اسد کی خیر و عافیت دریافت کی۔ سحنون نے کہا: ''تمام ممالک میں ان کا علم پھیل گیا ہے'' ابن قاسم یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد سحنون نے ابن قاسم سے الاسدیہ کی روایت اس طرح لینی شروع کی کہ اسد کے مرتب کئے ہوئے سوالات سحنون پڑھتے اور ابن قاسم اپنے جوابات کو دوہراتے۔ اس طریقہ سے پوری ''اسدیہ'' تمام ہوئی۔

اس قرأت میں ابن قاسم نے ''اسدیہ'' کے جوابوں میں حذف و ترمیم بھی کر دی تھی' اور بعض فتووں سے رجوع کر لیا تھا' جب سحنون مصر سے رخصت ہونے لگے تو ابن قاسم نے اسد کے نام ایک خط لکھا کہ:

marfat.com

''تمہاری مدونہ کے جوابوں میں کہیں کہیں ترمیم ہوگئی ہے' تم اپنے نسخہ کی سحنون کے نسخہ سے ملا کر تصحیح کرلو''۔

اگر چہ موجودہ زمانہ میں بظاہر یہ معمولی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک نسخہ سے دوسرے نسخہ کی تصحیح کرلی جائے مگر اس عہد میں کتابوں کے نسخہ کے لیے جو اہتمام کیا جاتا تھا اور ان کی مختلف حیثیات کے لحاظ سے ان میں جو فرق مراتب قائم ہوتا تھا' اس لحاظ سے اسد کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ لیکن وہ بڑی فراخدلی سے سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ مگر دوسری طرف ان کے تلامذہ کی جماعت تھی۔ اسد نے ان سے بھی تذکرہ کیا انہوں نے اس میں اپنے استاد کی توہین محسوس کی کہ وہ امام مالک سے شرف تلمذ رکھنے کے باوجود سحنون کی شاگردی میں داخل ہوں' کیونکہ سحنون کے نسخہ کے مقابلہ کرلینے کے بعد اس زمانہ کے درس وتدریس کے قواعد کے مطابق اسد سحنون کی شاگردی میں داخل ہوجاتے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسد کو آمادہ کرلیا کہ وہ ابن قاسم کے پیغام کو قبول کرنے سے انکار کردیں اور اسد نے فیصلہ کا اعلان کردیا' لیکن افسوس ہے کہ یہ فیصلہ الاسدیہ کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔ امام سحنون نے مصر سے واپس آکر بڑی شان و شوکت سے اپنی مسند درس بچھائی۔ سارے مغرب میں ابن قاسم کے مکتوب کی شہرت ہوچکی تھی۔ لوگ جوق درجوق سحنون کے پاس آئے اور ان کی ترمیم شدہ اسدیہ کی روایت ان سے لی' جس کی وجہ سے اسد کا نسخہ روز بروز بے وقعت ہوتا گیا اور سحنون کی مدونہ کو اعتبار حاصل ہوتا گیا' یہاں تک کہ سحنون کو ''امام'' کا لقب حاصل ہوا۔ اور ان کے نسخہ کی بدولت ان کا نام اسد کے نام پر غالب آگیا۔

اگر چہ موجود زمانہ میں سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے سے اسد کا گریز کرنا پسندیدہ نہ سمجھا جائے' مگر اس زمانہ میں نسخوں کی برتری اور پستی اور روایتوں میں راویوں کے لقاء وسماع کے جو اعتبارات قائم تھے' انہیں دیکھتے ہوئے' اسد کا طرز عمل شاید قابل الزام نہ سمجھا جائے اور دراصل اس میں صحیح رائے اسی زمانے کے اہل علم قائم کرسکتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابوالفاضل ابو القاسم بن احمد برزلی اسد کے طرز عمل کے متعلق یوں اظہار

marfat.com

رائے فرماتے ہیں:

''درست وہی ہے جو اسد نے کیا۔ کیونکہ انہوں نے ابن قاسم سے اپنے سوالوں کے جواب بالمشافہ حاصل کیے تھے۔ خط کے ذریعہ سے سماع کی مقبولیت کا مسئلہ اہل علم کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اس لیے کسی ایسی چیز کو جو متفق علیہ ہو کسی ایسی چیز کی خاطر نہیں چھوڑ سکتے جو مختلف فیہ ہے''۔

یعنی ابن قاسم کے اس خط کی بنیاد پر جسے سحنون مصر سے لائے تھے اسد کے اپنے نسخہ میں جو بالمشافہ سنا ہوا تھا ترمیم و اصلاح کرنے سے وہ متفق علیہ نسخہ مختلف فیہ بن جاتا ہے۔

اس کے لیے اس وقت بہتر شکل یہ تھی کہ وہ خود مصر کا سفر کرتے اور ابن قاسم کے سامنے اپنے نسخہ کو دوہرا لیتے، مگر ان کے مکتوب کے رد کردینے کے بعد شاید استاد و تلمیذ میں ایسی صفائی باقی نہ رہ گئی ہو کہ وہ مصر کا سفر کرتے' البتہ اس کا امکان مکتوب کے رد کردینے سے پہلے ہی تھا' تاہم ان تمام حالات کے باوجود قاضی اسد تمام عمر ابن قاسم کا نام عزت واحترام سے لیتے رہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی مشہور ہوچکی تھی کہ جب عبدالرحمٰن بن قاسم کو اسد کے انکار کی خبر ملی تو انہوں نے اسد یہ کے غیر مقبول ہونے کی بددعا کی' اور شہرت تھی کہ ان کی دعا باب اجابت تک پہنچی' مگر اسد نے کبھی استاد کے ادب واحترام میں کمی نہیں کی' اسی زمانہ میں جب یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا' فقیہ معمر ان کی خدمت میں پہنچے اور انہیں روتے ہوئے پایا۔ معمر نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا ''نہیں کوئی مصیبت نہیں لیکن میرے پاس ابن قاسم کا خط آیا ہے، وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں اپنی کتاب سحنون کی کتاب سے دہرالوں۔ حالانکہ سحنون کی میں نے تربیت کی ہے''۔

اس پر معمر نے اسد سے ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے ان کی تعریف کی اور ابن قاسم کے خط لکھنے پر نکتہ چینی شروع کی' تو اسد فوراً بولے ''ایسا نہ کرو اگر تم ابن قاسم کو دیکھتے تو تمہارے لیے یہ کہنا دشوار ہوتا''۔ اسی طرح اسد کے عہدہ قضا کے زمانہ میں کسی فقیہ نے ابن قاسم کی تنقیص کی اور ان کی روایت حدیث پر جرح کی۔ جب اسد کو خبر ملی تو انہوں نے اس

marfat.com

کی تفتیش کر کے اس فقیہ کو سنگین سزا دی اور انہیں بری طرح پٹوایا۔ الغرض اسدیہ کی تیسری نقل یہ ''المدونة الکبریٰ'' ہے۔ صرف ان دونوں میں چند مسائل کا فرق ہے۔ اور اس وقت سے دور حاضر تک یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے بڑی اور مستند ترین کتاب خیال کی جاتی ہے۔

''المدونہ'' پہلی مرتبہ ۱۳۲۴ھ میں مطبع خیریہ مصر سے چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اگرچہ اس مطبوعہ نسخہ میں الاسدیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے کیونکہ سحنون کے مصر جانے کے بعد ضابطہ کے لحاظ سے ان کی تملیک کا حق سحنون کو بھی حاصل ہو چکا تھا لیکن اہل علم و خبر اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ یہ اصل کمائی اسد کی ہے اور امام سحنون کے وہ کلمات درج کیے ہیں جو انہوں نے المدونہ کے متعلق ظاہر کیے تھے۔ اور اس نے المدونہ کے تمام شروح و حواشی اور ملخصات وغیرہ اسد کے ترجمہ میں الاسدیہ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔

چنانچہ رقمطراز ہے:

قال سحنون علیکم بالمدونة فانها کلام رجل صالح وروایته وکان یقول انما المدونة من العلم بمنزلة ام القرآن تجزی فی الصلوة عن غیرها ولا یجزی غیر عنها.

''سحنون کا قول ہے کہ تمہیں اس مدونہ کو اپنے لیے لازم کر لینا چاہیے کہ وہ ایک صالح شخص (ابن قاسم) کا کلام ہے اور ایک صالح شخص (اسد) کی روایت ہے اور سحنون کہا کرتے تھے یہ مدونہ علم میں وہی درجہ رکھتی ہے جو نماز میں ام القرآن کا ہے' نماز میں اس کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھنے کی اجازت ہے' لیکن اس کے بغیر کوئی نماز جائز نہیں'' [1]

اس لیے گویا علم کی تکمیل مدونہ کے بغیر ممکن نہیں رہی۔ مدونہ کے ساتھ دوسری کتابیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ علامہ ابن فرحون اس کے بعد مزید لکھتے ہیں۔

---

[1] الدیباج المذہب' ص ۹۱۔

marfat.com

افرغ الرجال فيها عقولهم وشرحوها وبينها فما اعتكف احد على المدونة وراستها الاعرف فى ورعه وزهده۔[1]

''لوگوں نے اس میں اپنی خوب طبع آزمائیاں کی ہیں' شرحیں لکھی ہیں اور اس کی توضیحیں کی ہیں' ایسا کوئی شخص نہیں جس نے اس مدونہ پر بھروسہ نہ کیا ہو اور اس کا درس نہ لیا ہو اور پھر اسد کے زہد وورع کا قائل نہ ہوا ہو''۔

فقہی مسلک:

الاسدیہ کے متعلق جس واقعہ کا ذکر سطور بالا میں ہوا' اس کے بعد قاضی اسد نے اپنے فتوؤں میں دوسری روش اختیار کی' یعنی بعض مسائل خصوصاً معاملات میں وہ فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دینے لگے' پھر عہدہ قضا پر مامور ہونے کے بعد تو تقریباً تمام معاملات کے فیصلے فقہ حنفی کی رو سے کرتے تھے' کیونکہ ایک طرف ان کے نسخہ کے مسائل امام سحنون کے نسخہ سے مقابلہ کرنے کے باعث کلیۃً مشتبہ ہوگئے تھے' اس کے علاوہ مسائل معاملات میں جس قدر جزئیات دولت عباسیہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ حنفی میں منضبط ہوگئے تھے' وہ الاسدیہ میں موجود نہ تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم زیاد بن یونس سیوری کا بیان ہے:

''اسد نے ابن قاسم کے خط کو قبول نہیں کیا اور اپنی کتاب موسومہ الاسدیہ پر اعتماد کئے رہے۔ پھر اہل عراق (احناف) کے مذہب کی اشاعت کرنے لگے''۔

اس طریقہ سے اسد افریقہ میں فقہ حنفی کے سب سے بڑے علمبردار بن گئے اور یہ قدرۃً مالکیوں کو ناگوار گزرا' اور ان کے خلاف مختلف افواہیں پھیلائیں' جن میں ایک یہ بھی تھی کہ انہیں امام مالک سے شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا' اس کا اندازہ مقدسی (۳۷۵ھ) صاحب احسن التقاسیم کی ایک روایت سے ہوتا ہے جسے اس نے کسی افریقی سے سن کر اپنی

---

[1] معالم الایمان' ج ۲' ص ۱۰۔

marfat.com

کتاب میں جگہ دی ہے' وہ رقمطراز ہے:

''میں نے بعض اہل افریقہ سے سوال کیا کہ تمہارے یہاں امام ابوحنیفہ کا مسلک کیونکر پہنچا' حالانکہ وہ تمہارے راستہ میں نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ:

❶ ہمارے یہاں سے وہب بن وہب مالک کے یہاں سے فقہ و دیگر علوم میں ماہر ہو کر واپس آئے تو اسد بن عبداللہ (؟) پر ان کی جلالت شان اور کبر نفس کی وجہ سے یہ شاق گزرا کہ وہ وہب کے سامنے درس کے لیے زانوئے ادب تہہ کریں' اس لیے انہوں نے براہ راست امام مالک کی طرف رخ کیا' لیکن وہ اس زمانہ میں بیمار تھے' جب انہیں وہاں ٹھہرے ہوئے کچھ زمانہ گزر گیا' اور امام مالک صاحب فراش رہے تو انہوں نے اسد سے فرمایا کہ ''تم وہب کے پاس چلے جاؤ' میں نے لوگوں کو سفر کی تکلیفوں سے بچانے کے لیے انہیں اپنا تمام علم ودیعت کر دیا ہے''۔

امام مالک کا یہ ارشاد اسد پر اور بھی گراں گزرا۔ وہ امام مالک سے مایوس ہو کر کسی ایسے شخص کی جستجو میں لگے' جو علمی وقار میں ان کے ہم پلہ ہو' لوگوں نے امام محمد صاحب ابی حنیفہ کا نام بتایا۔

❷ چنانچہ وہ امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے' انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور بڑی توجہ سے پیش آئے اور ان کی ذکاوت ذہانت اور تحصیل علم کے شوق سے متاثر ہو کر بڑی جانفشانی سے علم فقہ پڑھایا۔

❸ جب اسد کی علمی استعداد قابل اطمینان ہوگی تو امام محمد نے انہیں حنفی مذہب کا علمبردار بنا کر مغرب کی طرف بھیجا' جہاں پہنچ کر انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مغرب میں فقہ حنفی کے لیے بہت عمدہ زمین تیار کر دی' لوگ فروعات میں ان کی نکتہ رس نگاہ دیکھ کر حیرت کرتے اور وہ ایسے دقیق مسائل بیان کرتے جنہیں لوگوں نے کبھی سنا نہ تھا' تلامذہ کی بڑی جماعت حلقہ بگوش ہوگئی۔ وہ مغرب

marfat.com

کے تمام افق پر چھا گیا" [1]

یہ کسی مالکی المسلک افریقی کا بیان ہے' اس میں اسد کے مدینہ اور عراق کے سفر کے متعلق جو باتیں ہیں' وہ قطعی بے اصل ہیں۔ اس کے صحیح حالات اوپر مستند روایتوں سے گزر چکے ہیں۔ پھر وہب بن وہب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ امام مالک کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔ ورنہ وہب تو اسد کے قیام مدینہ کے زمانہ میں وہیں موجود تھے۔ اس روایت میں امام مالک سے موطا پڑھنے سے بھی انکار کیا گیا۔ حالانکہ جو روایتیں اس سلسلہ میں اوپر گزر چکیں' قاضی عیاض نے بھی اس فہرست میں اس اسد کا نام رکھا ہے جنہوں نے امام مالک سے موطا پڑھی تھی۔

دوسرے پیراگراف میں راوی کا جو بیان درج ہے اس میں یہ واقعہ صحیح نہیں کہ امام محمد نے انہیں مذہب حنفی کا علمبردار بنا کر افریقہ بھیجا' اگر ایسا ہوتا تو وہ مصر میں ٹھہر کر عبدالرحمٰن بن قاسم سے "الاسدیہ" مرتب نہ کرتے۔ اسی قسم کی روایتوں کی بنیاد پر شہرت بھی دی گئی کہ اسد نے اس واقعہ کے بعد مالک مذہب ترک کر کے حنفی مذہب قبول کر لیا' لیکن جہاں تک روایات اور قیاسات سے انہیں دیکھا جا سکتا ہے' اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اسد کے فقہی مذہب کے متعلق سب سے متوازن و بہتر رائے جعفر القصیری کی ہے' وہ لکھا ہے:

کان اسد امام العراقیین بالقیروان کافۃ مشھورا بالفضل والدین ودینہ ومذھبہ السنۃ.

"اسد قیروان میں احناف کے امام تھے' علم وفضل اور دینداری میں شہرت تامہ رکھتے تھے اور ان کا دین و مذہب" سنت تھا"۔

اس بیان کے آخری فقرہ "دینہ ومذھبہ السنۃ" سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی وسعت نظر اور اجتہاد کے ساتھ سنت پر عمل کرتے تھے اور جہاں تک افتا کا تعلق

---

[1] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم' ص ۲۳۷۔ ۲۳۸۔

marfat.com

ہے وہ فقہ حنفی کے مطابق دیتے تھے' تاہم اہل علم نے انہیں ہر دور میں مالکی مذہب کا پیرو سمجھا' چنانچہ مالکی مذہب کے فقہاء کے حالات میں طبقات کی جو کتابیں مختلف زمانوں میں لکھی گئی ہیں' ان میں ''مالکی فقیہ'' کی حیثیت سے اسد کا نام موجود ہے' برخلاف اس کے فقہائے احناف کے طبقات کی کتابوں ''الجواهر المضيه'' وغیرہ میں اسد کا نام نہیں ملتا۔

منصب تقرر:

کمال تفقہ وافتاء کے باعث عہدہ قضا پر بھی مامور ہوئے۔ جس زمانہ میں وہ افریقہ آئے' عبداللہ بن غانم قیروان کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے وہ اسد کے قدردان اوران کے علم وفضل کے معترف تھے' جب تک زندہ رہے' مسائل ومعاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہے۔[1]

ان کی وفات کے بعد ۱۹۱ھ میں ایک دوسرے اہل علم ابومحرز اس عہدہ پر سرفراز کیے گئے' پھر افریقہ کے شیوخ علماء نے اسد کو ممتاز عہدہ پر مامور کرانا چاہا۔ چنانچہ علی بن حمید نے والی افریقہ زیادۃ اللہ کے سامنے اسد کی علمی مرتبت، فضل وکمال اور شہرت کا تذکرہ کرکے اس خواہش کا اظہار بھی کیا' لیکن ابومحرز کو دولت اغلبیہ کے بانی ابراہیم بن اغلب نے اس عہدہ پر نامزد کیا' اس لیے زیادۃ اللہ نے انہیں معزول کرنا مناسب نہ سمجھا اوراس کی یہ دوسری شکل اختیار کی کہ اسد کو بھی ۲۰۳ھ میں اس عہدہ میں مساوی حیثیت سے ابومحرز کا شریک بنادیا۔ یہ اسلامی حکومت میں پہلی مثال تھی کہ ایک ہی عہدہ پر ایک ہی حیثیت اوراختیار کے ساتھ دو شخص مامور کیے جائیں۔

اسد کا تقرر قدرۃً ابومحرز کو ناگوار گزرا۔ علاوہ ازیں ان دونوں میں کسی قدر علمی چشمک موجود تھی۔ اب یہ معاصرانہ چشمک پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی اور باہمی مسابقت کے جذبات پیدا ہوگئے اور کبھی کبھی مناظرہ ومجادلہ تک نوبت پہنچ جاتی۔ ان دونوں کی

---

[1] معالم الایمان' ج ۲ص ۱۱۔

marfat.com

چشمکوں کے ایک سے زیادہ واقعات صاحب معالم وغیرہ نے تفصیل سے لکھے ہیں اور دونوں کے علم وفقہ کا موازنہ کیا ہے۔ مصنف معالم کی رائے ہے:

''اسد ابو محرز سے علم وفضل میں زیادہ تھے اور انہیں فقہ پر بھی زیادہ عبور حاصل تھا اور ابو محرز اگرچہ اسد سے علم وفقہ میں کم پایہ تھے مگر بعض اوقات (مسائل کے جواب میں) حق ان کے ساتھ رہتا تھا''۔

اس کے بعد ۲۰۹ھ میں منصور طبندی نے زیادۃ اللہ کے خلاف خروج کیا اور دارالسلطنت قیروان پر قابض ہوگیا۔ منصور کے مستولی ہونے کے بعد قاضی ابو محرز اور قاضی اسد دونوں اس کے پاس پہنچے۔ اس کی مجلس میں سلطنت کے اعیان اور فوج کے ممتاز قائدین موجود تھے' منصور نے ان دونوں کے عہدہ قضا کی مناسبت سے ان کے سامنے زیادۃ اللہ کے مظالم بیان کیے اور دونوں کی رائے طلب کی' ابو محرز نے موقع ومحل سے خائف ہو کر اس کے بیان کی تائید کردی' لیکن قاضی اسد نے صاف گوئی سے کام لیا اور نہ صرف یہ کہ منصور کے بیان کی تردید کردی بلکہ اسے ظالم ٹھہرایا۔ یہ سن کر ایک فوجی افسر تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا' مگر معاملہ فوراً رفع دفع ہوگیا' اس کے بعد یہ دونوں لوٹ آئے اور خائف رہے کہ پھر کوئی ناگوار صورت پیش نہ آئے۔

زیادۃ اللہ نے ۲۱۱ھ میں منصور پر غلبہ حاصل کرلیا اور قیروان پر قابض ہوگیا۔ منصور کے روبرو اور اسد محرز کی جو گفتگو ہوئی تھی' وہ امیر زیادۃ اللہ کے کانوں تک پہنچ چکی تھی' اسی بنا پر زیادۃ اللہ نے دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد ابو محرز کو عہدۂ قضا سے معزول کردیا اور قاضی اسد اپنے عہدہ پر فائز رہے' اور اب وہ افریقہ کے تن تنہا قاضی القضاۃ تھے۔

افریقہ کے اعیان وعلماء قاضی اسد کے عہدہ قضا کا احترام اور لحاظ ان کے شایان شان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی اسد نے یہاں کے چند معزز اہل علم سحنون بن سعید' عون بن یوسف اور ابن رشید کو اپنی مجلس میں طلب کیا اور کسی مسئلہ میں ان کی رائے دریافت کی' سحنون کے ساتھیوں نے سحنون سے پہلے پوچھی تو انہوں نے کہا

marfat.com

''مجھے خوف ہوا کہ ہم ان کی خدمت میں اس حال میں پہنچے تھے کہ باہم دوست تھے اور ان کے پاس سے نکلتے تو ایک دوسرے کے دشمن ہوتے''۔

قاضی اسد کے زیر قیادت صقلیہ کی فتح:

والی افریقہ زیادۃ اللہ بن ابراہیم نے جب ۲۱۲ھ میں صقلیہ پر حملہ کرنے اور اسے دارالسلام بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے افریقہ کے اعیان علماء فقہاء اور اہل رائے کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی، جس میں قاضی اسد بہت پیش پیش رہے۔ اور درحقیقت انہی کی رائے اور مشورہ سے صقلیہ پر حملہ کا پلان قطعی طور طے پایا تھا۔

اسی باعث جب امیر زیادۃ اللہ نے صقلیہ پر حملہ آور فوج تیار کرلی تو اس کی سپہ سالاری کے لیے اس کی نظر انتخاب قاضی اسد پر پڑی۔ انہیں جب امیر کے اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسند قضا و افتاء کو چھوڑ کر امارت عسکری کے اس جدید منصب کو قبول کرنے میں کسی قدر پس و پیش کیا اور امیر زیادۃ اللہ سے عرض کیا کہ:

''مجھے منصب قضا جیسے دینی منصب سے الگ کر کے فوج کے سپرد کی جاتی ہے''۔

زیادۃ اللہ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

''تم عہدہ قضا پر بھی فائز رہو اور لشکر کی امارت بھی تمہارے سپرد کی جاتی ہے جو اپنے اعزاز اور رتبہ میں عہدۂ قضا سے زیادہ بلند ہے، میں تمہارے لیے قضا کا انتساب بھی باقی رکھتا ہوں اور تمہیں ''قاضی امیر'' سے خطاب کیا جائے گا''۔

اس کے بعد عہدہ امارت فوج اور منصب قضا دونوں کی سندیں لکھ کر امیر نے ان کے حوالہ کیں، قاضی اسد کے سوانح نگاروں نے نہایت والہانہ انداز میں لکھا ہے:

''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ افریقہ میں اس سے پیشتر ان دو جلیل القدر عہدوں پر کوئی شخص بیک وقت فائز نہیں ہوا تھا''۔[1]

---

[1] معالم الایمان، ج ۲ ص ۱۴ اور ریاض النفوس ص ۱۸۲۔

marfat.com

قاضی اسد کی سپہ سالاری کا ایک اچھا نتیجہ یہ نکلا کہ افریقہ کے معزز اہل علم ان کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لیے کارواں در کارواں فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مورخین کا بیان ہے کہ اسد کی شخصیت کی کشش افریقہ کے عزلت گزیں صوفیاء کو بھی ان کے حجروں سے باہر نکال لائی۔

بہرحال قاضی اسد کی سرکردگی میں یوم شنبہ ۱۵/ ربیع ۲۱۲ھ (۸۲۷ء) کو دس ہزار منتخب سرفروشوں کا لشکر صقلیہ کو دارالسلام بنانے کے لیے قیروان سے روانہ ہوا۔ یہ جنگی بیڑا سات سو جہازوں پر مشتمل تھا' جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی۔ یہ بیڑا ۱۸ ربیع الاول ۲۱۲ھ (۸۲۷ء) کو صقلیہ کے ساحلی شہر مازر میں لنگر انداز ہوگیا[1] اور اس شہر کو بلا کسی مزاحمت کے قبضہ میں کرلیا۔ اور پھر سپہ سالار قاضی اسد نے یہیں مورچہ بندی کر کے دشمن کا انتظار کر دیا' لیکن تین روز کے شدید انتظار کے باوجود بھی دشمن کی فوجیں نظر نہیں آئیں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے مازر کے قلعہ پر فتح و نصرت کا جھنڈا لہرانے کے بعد پیش قدمی کی اور مقام مرج پہنچ کر مجاہدین خیمہ زن ہوگئے۔

حکومت صقلیہ نے جوابی حربی تیاریوں کے علاوہ حکومت قسطنطنیہ اور وینس سے بھی امداد طلب کی۔ چنانچہ ان تینوں حکومتوں کا مشترکہ عظیم الشان لشکر اسلامی فوج سے مقابلہ کے لیے مرج پہنچا اور اس طرح ایک طرف دس ہزار بے وطن سپاہی صف آراء تھے اور دوسری طرف ڈیڑھ لاکھ زرہ بکتر رومیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا[2] قاضی اسد لوائے جنگ اپنے ہاتھ میں سنبھالے ہوئے تھے' مجاہدین اسلام دم بھر کو لرزہ براندام ہوکر رہ گئے قاضی صاحب نے جونہی اس کیفیت کو محسوس کیا نہایت جوش و خروش کے ساتھ سامنے آئے اور بلند آواز سے سورہ یٰسین تلاوت فرمائی پھر مجاہدین کو خطاب کیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ قاضی اسد کا خطاب ایسا برمحل اور ولولہ انگیز تھا کہ اسلامی فوج کی ہمت و شجاعت پھر عود کر آئی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ ان میں کا ہر فرد اپنی تشنہ

---

[1] ابن اثیر ج ۶، ص ۲۳۶۔ [2] نہایۃ الادب، ص ۴۴۹۔

marfat.com

تلواروں کی پیاس بجھانے کے لیے بے قرار ہے[1] اسی خطاب میں اسد نے کہا:

''مجاہدو! یہ ساحل کے وہی عجم ہیں جو روپوش ہو کے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ تو تمہارے بھاگے ہوئے غلام ہیں' ان سے کہیں خائف نہ ہو جانا''۔

اسد اپنے مذکورہ بالا الفاظ کو گنگناتے ہوئے آگے بڑھے اور رجز خوانی کرتے ہوئے رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ مجاہدین نے بھی تلواریں سنبھال لیں اور فوج کے اس جنگل میں گھس گئے اور گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ رومیوں نے سارا زور اسد پر صرف کیا اور انہی پر پے در پے حملے کرتے گئے' جس کا وہ بھی پامردی سے جواب دیتے رہے اور گو وہ زخموں سے شکستہ حال ہو گئے' مگر لوائے جنگ ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہاں تک کہ جس ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ خون سے تر ہو گیا' مگر اسد نے اسے سرنگوں نہ ہونے دیا۔

آخر رومیوں کے پائے ثبات میں لغزش آئی۔ ٹڈی دل فوج درہم برہم ہونے لگی اور خیمہ وخرگاہ چھوڑ کر بھاگنے لگے، خلاصہ یہ کہ صقلیہ کا یہ پہلا معرکہ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس پہلی معرکہ آرائی میں سب سے نمایاں کارنامہ خود امیر لشکر قاضی اسد کا تھا۔ زیادۃ اللہ نے اسد کی فتح وظفر کا مژدہ خلیفہ وقت مامون کو بھیجا اور اس کی شہرت تمام عالم اسلامی میں پھیل گئی۔

وفات:

قاضی اسد نے سرزمین صقلیہ میں اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرانے کے بعد مزید پیش قدمی کی اور سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا اور ایک طویل ترین مدت تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ محاصرین اور محصورین دونوں اپنے بعض خاص حالات کی وجہ سے سخت پریشان اور عاجز آ گئے۔ اس محاصرہ کے دوران فریقین کے درمیان ہلکی پھلکی جھڑپوں کا سلسلہ برابر جاری رہا' تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا[2]

محاصرہ کی یہی حالت قائم تھی کہ اسلامی لشکر پر ایک نئی افتاد آ پڑی۔ لڑائیوں کا

---

[1] معالم الایمان' ج ۲' ص ۱۵۔ [2] ابن اثیر' جلد ۶' ص ۲۳۷ و ابن خلدون ج ۴' ص ۱۹۹۔

marfat.com

جو سلسلہ قائم تھا' اسی میں اتفاق سے امیر لشکر اسد بھی زخمی ہو گئے۔ زخم اتنا کاری تھا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے اور انہی زخموں کی تاب نہ لا کر حالت محاصرہ ہی میں بماہ ربیع الآخر ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء علم وفضل اور شجاعت وشہامت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ فاتح صقلیہ اسی زمین کا پیوند بنا جسے وہ اپنے فتویٰ اور فتح مندی سے دارالاسلام قرار دے چکا تھا۔

قاضی اسد کی وفات سے افریقہ میں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی' خود زیادۃ اللہ کو اس کا نہایت غم ہوا ان کی مرقد پر ایک مسجد تعمیر کی گئی نیز قیروان میں بھی ان کی یادگار کے طور پر ایک مسجد بنائی گئی' جس پر ''اسد بن فرات'' کندہ ہے۔[1]

نوٹ ☆ اسد بن فرات کے مذکورہ بالا سوانح وکمالات بعض ضروری ترمیمات اور حوالوں کے اضافہ کے ساتھ تاریخ صقلیہ مولفہ مولانا ریاست علی ندوی مرحوم سے ماخوذ ہیں۔

---

1. ریاض النفوس دراماری' ص ۱۸۱ و معالم' ج ۲' ص ۱۷۔

marfat.com

اسد بن موسیٰ مصری رحمۃ اللہ علیہ

اہل قلم اتباع تابعین میں اسد بن موسیٰ کا نام کافی ممتاز ہے۔ ان کی مرتبہ مسند حدیث کی قدیم ترین تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔ ان کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا۔ عہد بنی امیہ اپنے حکام وعمال کی بدعنوانیوں اور کجرویوں کے باعث بہت بدنام ہے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی علوم وفنون کی اس عہد میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ خاص طور سے حدیث کی اشاعت وتدوین کے اعتبار سے یہ زمانہ بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔

نام ونسب:

نام اسد اور والد کا اسم گرامی موسیٰ تھا' جومشہور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پوتے تھے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے' اسد بن موسیٰ بن ابراہیم بن الخلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان بن الحکم الاموی[1] حدیث میں غیر معمولی ژرف نگاہی کی وجہ سے اسد السنہ سے لقب سے مشہور ہوئے۔

ولادت اور وطن:

ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں بمقام مصر مین اس پرآشوب وقت میں ہوئی جب دریائے زاب کے کنارے سفاح کے چچا عبداللہ بن علی اور مروان ثانی کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہورہی تھی۔ اس میں بنوامیہ کا آفتاب اقبال ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اسد السنۃ کے مولد کے بارے میں ایک قول بصرہ کا بھی ملتا ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۶۸۔

[2] تہذیب التہذیب' ج ا ص ۲۶۰۔

marfat.com

شیوخ:

ان کے مشہور وممتاز اساتذہ میں یہ نام ملتے ہیں، شعبہ، حماد بن سلمہ، عبدالعزیز بن الماجشون، ابن ابی ذئب، شیبان، روح، لیث بن سعد، معاویہ بن صالح، محمد بن طلحہ، سب سے بزرگ شیخ جن سے اسد کو شرف تلمذ حاصل ہوا، یونس بن ابی اسحاق ہیں [1]

فضل وکمال:

ان کے فکر ونظر کا خصوصی جولانگاہ علم حدیث تھا۔ حدیث میں ان کے غیر معمولی انہماک نے دوسرے علوم کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ امام بخاریؒ نے انہیں مشہور الحدیث قرار دیا ہے۔ [2]

جرح وتعدیل:

امام اسد السنۃ کے حافظ واتقان اور ثقاہت وعدالت کا اعتراف تمام نے کیا ہے، ابن حماد حنبلی، رقمطراز ہیں: ھو احد الثقات الاکیاس [3] علاوہ ازیں امام نسائی، عجلی، ابن مانع، بزار اور ابن یونس نے بھی بصراحت تصدیق وتوثیق کی ہے۔

صرف ابوسعید بن یونس نے اپنے ایک قول میں انہیں غریب الحدیث اور علامہ ابن حزم نے منکر الحدیث کہا ہے۔ لیکن بقول حافظ ذہبی یہ تضعیف چنداں لائق اعتنا نہیں کیونکہ ائمہ کی اکثریت ان کی ثقاہت پر متفق ہے۔ اگر ان کی بعض روایات میں کوئی سقم نظر آتا ہے تو وہ بعد کے رواۃ کے ضعف کی بنا پر ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کی تصریح کی ہے۔ [4]

---

1. تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۰۔
2. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶۸۔
3. شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۷۔
4. میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۷۔

marfat.com

تلامذہ:

ان کے دامان فیض سے مستفید ہونے والوں میں احمد بن صالح، عبدالملک بن حبیب، ربیع بن سلیمان مرادی، مقدام بن داؤد الرعینی، ابو یزید یونس القراطیسی اور محمد بن عبدالرحیم البرقی کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

وفات:

محرم ۲۱۳ھ میں بمقام مصر رحلت فرمائی۔[1]

تصنیفات:

ان کے اہل قلم ہونے کی شہادت تمام تذکروں سے ملتی ہے۔ لیکن تلاش و تحقیق کے بعد ان کی تصانیف میں صرف کتاب الزہد اور مسند اسد ہی کا پتہ چل سکا ہے[2] مصر میں سب سے پہلے انہوں نے ہی مسند مرتب کی، جو تمام مسانید میں سب سے قدیم تسلیم کی جاتی ہے، لیکن ابھی اس کے کسی مخطوطہ کا علم نہیں ہوسکا ہے۔

---

[1] حسن المحاضرۃ، ج۱ ص۱۴۵۔

[2] الرسالۃ المستطرفہ ص۵۳۔

marfat.com

اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ

امام ربیع بن صبیح کی طرح اسرائیل بن موسیٰ نے بھی سرزمین ہند کو اپنے ورود سے مشرف کیا تھا۔ تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں ان کی آمد و رفت کثرت سے ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ''نزیل الہند'' ان کا لقب پڑ گیا تھا۔ رئیس التابعین امام حسن بصری سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ افسوس ہے تذکرہ نگاروں نے ان کے ساتھ بہت ہی کم اعتنا کیا ہے، اسی وجہ سے طبقات و تراجم کی کتابوں میں ان کے حالات نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں اور جو ہیں وہ بھی انتہائی تشنہ و ناقص، بہرحال ہندوستان سے تعلق رکھنے والے اس بزرگ محدث کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچ سکیں وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

نام و نسب:

نام اسرائیل اور ابو موسیٰ کنیت تھی۔ والد کا نام موسیٰ تھا۔ اس کے بعد سلسلہ نسب نامعلوم ہے۔ ان کی کنیت باپ کے نام پر ہے۔[1] متقدمین ائمہ میں ایسی متعدد شخصیتیں گزری ہیں جن کی کنیت ان کے باپ کے نام پر ہے۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں ان کی تفصیل دی ہے۔

وطن:

عام تذکرہ نگاروں کے خیال کے مطابق اسرائیل بن موسیٰ کا وطن بصرہ ہے اور اسی کی نسبت وہ بصری مشہور بھی ہوئے۔[2]

شیوخ:

ابو موسیٰ اسرائیل زمرۂ اتباع تابعین کا وہ گل سرسبد تھے جنہوں نے کبار تابعین کی صحبت اٹھائی تھی، ان کا عہد علمی و عملی حیثیت سے تاریخ اسلام کا ایک مثالی دور تھا۔ تمام اسلامی ممالک علماء و صلحا سے معمور تھے۔ بالخصوص سرزمین بصرہ اس وقت کا ایک اہم علمی و دینی مرکز خیال کی جاتی تھی۔ امام حسن بصری اسی خطہ علم پر اپنے فیض کا چشمہ جاری کیے

---

[1] فتح الباری ج ۵، ص ۵۲۔ [2] کتاب الکنیٰ للدولابی ج ۲، ص ۱۳۴۔

marfat.com

ہوئے تھے' جس سے دور دراز ممالک کے تشنگان علم آ کر سیراب ہوتے تھے' ابو موسیٰ اسرائیل نے بھی اسی شیخ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کے دامن فیض سے کچھ اس طرح وابستہ ہوئے کہ زبان خلق نے ''صاحب الحسن'' کا تمغۂ شہرت عطا کیا۔

حسن بصریؒ کے علاوہ انہیں اور بھی بہت سے مشاہیر ائمہ اور کبار تابعین سے اکتساب علم کا موقع نصیب ہوا' جن میں امام وہب بن منبہ' ابو حازم اشجعی' محمد ابن سیرین کے اسمائے گرامی فائق و ممتاز ہیں۔[1] ان میں سے ہر ہر فرد بجائے خود ایک دار العلم تھا۔ ان گنجہائے گرانمایہ سے ابو موسیٰ نے علم و فضل کا کس قدر وافر حصہ حاصل کیا ہوگا' آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔

تلامذہ:

دوسری صدی ہجری میں ابو موسیٰ اسرائیل کی ذات گرامی اپنے گوناگوں اوصاف و کمالات کی بنا پر مرجع خلائق بن گئی تھی۔ ان کے آفتاب فیض کی کرنوں نے دنیا کے مختلف خطوں کو منور کیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان بھی اس دولت بے بہا سے محروم نہیں رہا۔

بصرہ جو کہ ان کا وطن اور مستقل جائے اقامت تھا وہاں بھی ان کے حلقہہائے درس قال اللہ و قال الرسول کے دلنواز ترانوں سے گونجتے رہے۔ اس کے علاوہ کوفہ اور مکہ میں بھی انہوں نے درس حدیث کی مجلسیں گرم کیں۔

کوفہ میں ان کے درس و افادہ کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ نے فضائل امام حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث اپنے استاد سے اسی جگہ سنی تھی۔ اس روایت میں جن سفیان کا نام آیا ہے' حافظ ابن حجر نے بتصریح سفیان بن عیینہ ہی قرار دیا ہے۔[2]

اسی طرح مکہ میں درس حدیث کے متعلق ابو موسیٰ کے ایک دوسرے شاگرد حسین بن علی الجعفی کی یہ شہادت ملتی ہے کہ انہوں نے مکہ میں ابو موسیٰ اسرائیل سے شرف ملاقات حاصل کر کے حدیث کا سماع کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے مقامات ایسے ہوں گے جو اس متحرک دار العلوم

---

1. میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۹۷ و خلاصہ تہذیب الکمال' ج ۱' ص ۳۱ و نزہۃ الخواطر' ج ۱' ص ۲۳ و تہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۲۶۱۔ 2. فتح الباری' ج ۱۳' ص ۵۲۔

marfat.com

فیض یاب ہوئے ہوں گے لیکن ان کا ذکر نہیں ملتا۔ بہر حال یہ حقیقت مسلم ہے کہ ابو موسیٰ اسرائیل کے حلقہ درس سے جو بے شمار طالب علم سند فراغت لے کر نکلے وہ آسمان علم و دانش پر مہر و ماہ بن کر چمکے۔ جس کا اندازہ کرنے کے لیے درج ذیل اسمائے گرامی ہی کافی ہیں:

سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان، حسین بن علی الجعفی [1]

ثقاہت وعدالت:

ان کے مرتبہ ثقاہت وعدالت پر یحییٰ بن معین، ابو حاتم، امام نسائی، ابن حبان جیسے ماہرین فن بیک وقت زبان متفق ہیں اور اس پر کسی کو بھی کلام کی جرأت نہ ہو سکی۔ مزید برآں ابو موسیٰ اسرائیل کی ثقاہت کا ایک نمایاں ثبوت یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کے جامعین اور ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ امام بخاری جیسے محتاط محدث نے بھی ان کے فضائل امام حسن رضی اللہ عنہ والی روایت کو چار مختلف مقامات پر نقل کیا ہے۔ [2] علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسند ان سے روایت کی ہے۔ [3] اس کے علاوہ نسائی، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی ان کی مرویات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ:

مذکور بالا تمام ائمہ حدیث کی توثیق کے باوجود علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محدث ازدی نے ابو موسیٰ کی ثقاہت میں کلام کرتے ہوئے قبول حدیث میں ان کی لینت (نرمی) کا ذکر کیا ہے [4] لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ دراصل ازدی کو اشتباہ اور سوء تفاہم ہو گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری کے زمانے میں اسی نام اور کنیت کے ایک مشہور اہل علم وفضل بھی موجود تھے جو ابو موسیٰ یمانی کہلاتے ہیں' یمن کے رہنے والے تھے اور حسن اتفاق سے وہ بھی وہب بن منبہ کے شاگرد تھے۔

چنانچہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں:

وقال الازدی وحده فی لین ولیس هو الذی روی عن وهب بن منبة وروی

---

[1] تہذیب التہذیب' ج ۳، ص ۲۶۱۔ [2] خلاصہ تہذیب الکمال' ج ۱، ص ۳۱۔
[3] میزان الاعتدال' ج ۱، ص ۹۷۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

عنه الثوری ذلک شیخ یمانی وقد فرق بینهما غیر واحد کما سیاتی.[1]

''تنہا ازدی ان میں نرمی کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ ابوموسیٰ وہ نہیں جنہوں نے وہب بن منبہ سے اور جن سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے بلکہ یہ یمن کے ایک بزرگ تھے۔ متعدد لوگوں نے ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی''۔

اور پھر آگے شیخ یمانی کے ترجمہ میں بھی حافظ نے اس اشتباہ کا پردہ چاک کیا ہے، رقمطراز ہیں:

ابو موسیٰ شیخ یمانی روی عن وهب بن منبة عن ابن عباس "من اتبع الصید غفل" وعنه الثوری مجهول قال ابن القطان ذکر المزی فی ترجمه ابی موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری انه روی عن وهب بن منبة وعنه الثوری ولم یلحق البصری وهب بن منبة وانما هذا اخرون وقد فرق بینهما ابن حبان فی الثقات وابن جارود فی الکنی وجماعة.[2]

''یہ ابوموسیٰ یمن کے ایک بزرگ ہیں جنہوں نے ابن عباس کے واسطے سے وہب بن منبہ سے'' من اتبع الصید غفل '' کی روایت کی ہے اوران سے ثوری نے مجہول روایت کی ہے' یہ ابن قطان کا قول ہے، اورعلامہ مزی نے ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری کے ترجمہ میں یہ جو ذکر کیا ہے کہ انہوں نے وہب بن منبہ سے اور انہوں نے ثوری سے روایت کی ہے (صحیح نہیں ہے) کیونکہ ابوموسیٰ بصری کا وہب بن منبہ سے لقاء ثابت نہیں' حقیقت یہ ہے کہ یہ دوسرے بزرگ ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں اور ابن جارود نے کتاب الکنی میں ان دونوں کے درمیان تفریق کی ہے۔

ہندوستان سے روابط:

سرزمین ہندوستان آغاز اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منور اور ہر عصر وعہد

[1] تہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۲۶۱۔ [2] تہذیب التہذیب' ج ۱۲' ص ۲۵۲۔

maarfat.com

میں علماء وصوفیہ اور بزرگان دین کی ایک بڑی تعداد سے معمور رہی مسلمانوں کے قدم عہد فاروقی میں ہی ہندوستان میں پڑ چکے تھے۔ اور پھر ائمہ ومحدثین انفرادی اور اجتماعی طور پر یہاں آتے رہے۔ ابو موسیٰ اسرائیل کے متعلق تمام محققین متفق ہیں کہ وہ متعدد بار ہندوستان آئے اور اسی وجہ سے ''نزیل الہند'' ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا' گو کہ ان کی آمد یہاں تجارت کی غرض سے ہوتی تھی' تاہم یہ ناممکن ہے کہ اس متحرک درسگاہ نے اپنی علمی ودینی فیوض یہاں نہ چھوڑے ہوں۔ ہندوستان سے ابو موسیٰ کے تعلق کی صراحت سب سے زیادہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کی ہے۔ لکھتے ہیں:

وھو بصری کان یسافر فی التجارۃ الی الھند واقام بھا مدۃ۔[1]

''وہ بصری ہیں' تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے اور وہاں عرصہ تک مقیم رہتے تھے''۔

علماء سمعانی ''نزیل الہند'' کی نسبت رقمطراز ہیں:

ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الھندی البصری کان ینزل الھند فنسب الیھا۔[2]

''ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الہندی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان آمدورفت کی وجہ سے اس کی طرف منسوب کئے گئے''۔

اس کے علاوہ امام بخاری' علامہ ذہبی' حافظ مقدسی' خزرجی اور ابو حاتم رازی وغیرہ محدثین نے بھی ابوموسیٰ اسرائیل کے ہندوستان سے تعلق کا ذکر کیا ہے۔[3]

آخری بات:

افسوس ہے کہ دوسری صدی کے اس ممتاز محدث اور تبع تابعی کے اس سے زیادہ حالات بتانے سے تمام تذکرے خاموش ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے سنین ولادت اور وفات بھی نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تقریب التھذیب میں ان کا شمار طبقہ سادسہ میں کرایا ہے۔ جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس طبقہ کے دوسرے رجال کی طرح ابو موسیٰ کی وفات بھی اس صدی (دوسری صدی ہجری) کے نصف آخر میں ہوئی ہوگی۔ جس طرح ان کے ہم عصر محدث اور مشہور تبعی تابعی ابو حفص ربیع بن صبیح کی رحلت ۱۶۰ھ میں ہوئی۔

---

۱ فتح الباری' ج ۵' ص ۵۲۔ ۲ الانساب للسمعانی ورق ۵۹۳۔ ۳ تاریخ کبیر' ج ۱' ص ۵۲۔

marfat.com

اسرائیل بن یونس کوفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسرائیل نام اور ابو یوسف کنیت تھی۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق' عمرو بن عبداللہ بن علی بن احمد بن ذی یحمد بن سبیع بن سبیع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان [1]

ولادت:

۱۰۰ھ میں کوفہ کی مردم خیز سرزمین میں پیدا ہوئے [2]

فضل وکمال:

انہوں نے مرکز علم کوفہ میں نشوونما پائی اور اپنے فطری علمی ذوق کی بنا پر وقت کے اکابر علماء کے فیض صحبت سے مالا مال ہوئے۔ خود ان کا خانوادہ بھی علم وفضل میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ ان کے دادا ابواسحاق سبیعی کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ تمام علماء ومحققین نے بالاتفاق ان کی توثیق کی ہے۔

اسرائیل بن یونس اپنے انہی شہرہ آفاق جد امجد سے خاص طور مستفید ہوئے۔ چنانچہ ابواسحاق سبیعی کی تمام مرویات انہیں ازبر تھیں۔عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں کہ:

قال لی اخی اسرائیل کنت احفظ حدیث ابی اسحاق کما احفظ سورۃ من القران [3]

---

[1] ابن سعد ۶ / ۲۱۹ وتاریخ بغداد' ج ۷، ص ۲۰۔

[2] تہذیب التہذیب' ج ۱، ص ۲۶۳۔

[3] میزان الاعتدال' ج ۱، ص ۹۷ وتذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۱۹۳۔

marfat.com

''مجھ سے میرے بھائی اسرائیل نے بیان کیا کہ میں ابواسحاق سبیعی کی روایتوں کو اس طرح یاد کرتا تھا جیسے قرآن کی سورۃ حفظ کرتا ہوں''۔

شیوخ:

ابواسحاق سبیعی کے علاوہ انہوں نے جن مشاہیر اہل علم سے اکتساب فیض کیا' ان میں سے کچھ نام یہ ہیں۔ سماک بن حرب' منصور بن المعتمر' ابراہیم بن مہاجر' سلیمان الاعمش' زیاد بن علاقہ' زید بن جبیر' عاصم بن بہدلہ' اسماعیل السدی' مجزاۃ بن زاہر الاسلمی' عاصم الاحول' ہشام بن عروہ' یوسف بن ابی بردہ۔[1]

درس وافادہ:

اسرائیل بن یونس نے خود بھی مختلف مقامات پر درس حدیث کی مجلسیں گرم کیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کے بغداد کے درس کا ذکر کیا ہے۔ وہاں شائقین علم کا گروہ ان کے گرد اکٹھا رہتا تھا' ان سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے' جن میں درج ذیل ائمہ وعلماء مشہور ہیں۔

اسماعیل بن جعفر' وکیع بن الجراح' عبدالرحمٰن بن مہدی' عبیداللہ بن موسیٰ' ابونعیم الفضل بن دکین' اسود بن عامر شاذان' محمد بن سابق' عبداللہ بن صالح العجلی' ابواحمد الزبیری' نضر بن شمیل' ابوداؤد الطیالسی' عبدالرزاق بن ہمام' یحییٰ بن آدم' محمد بن یوسف الفریابی' عبداللہ بن رجاء السعدانی' احمد بن یونس بن الجعد۔[2]

قوت حافظہ:

انہوں نے قوت حافظہ بھی نہایت قوی پائی تھی۔ امام احمد بن حنبل ان کی غیر معمولی قوت حافظہ پر تعجب کا اظہار کرتے تھے۔[3]

یحییٰ بن آدم کہتے ہیں:

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۷' ص ۲۰ وتہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۲۶۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۱۹۳' وتاریخ بغداد' ج ۷' ص ۲۰ وتہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۲۶۱۔ [3] میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۹۷۔

marfat.com

كنا نكتب عنده من حفظه[1]

''ہم ان کے درس میں ان کے حافظہ سے حدیثیں لکھتے تھے''۔

جرح وتعدیل:

اکثر ائمہ نے اسرائیل بن یونس کی عدالت اور ثقاہت کی شہادت دی ہے۔

ابوحاتم کہتے ہیں:

صدوق من اتقن اصحاب ابی اسحاق[2]

''وہ ابواسحاق سبیعی کے تلامذہ میں سب سے زیادہ صدوق اور عادل ہیں''۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

اسرائیل ثبت الحدیث۔

''اسرائیل ثقہ راوی ہیں''۔

عجلی کا قول ہے''کوفی ثقة''امام نسائی کا بیان ہے''لیس به باس[3] ''ابن سعد لکھتے ہیں:

كان ثقة وحدث عنه الناس حديثا كثيرا[4]

''وہ ثقہ تھے لوگ ان سے بکثرت حدیثیں روایت کرتے تھے''۔

ابن عدی کا بیان ہے''هو ممن يحتج به ''ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ یحییٰ بن معین، ابونعیم، امام داؤد اور نسائی وغیرہ نے بہت ہی واضح الفاظ میں اسرائیل بن یونس کو اصح الحدیث اور ثقہ صدوق لکھا ہے۔ مزید برآں امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔[5]

جن بعض علماء نے ان کی ثقاہت پر کلام کیا ہے ان کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اسرائیل بن یونس پر جرح کرنے والوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ان کی ثقاہت مسلم ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

---

1 تہذیب التہذیب، ج۱،ص۲۶۳۔ 2 میزان الاعتدال، ج۱،ص۹۷۔ 3 تہذیب التہذیب، ج۱، ص۲۶۳۔ 4 میزان الاعتدال، ج۱،ص۹۷۔ 5 تذکرۃ الحفاظ،ج۱،ص۱۹۳۔

marfat.com

كان حافظًا صالحًا خاشعًا من اوعية العلم ولا عبرة بقول من لينه فقد احتج به الشيخان[1]

علامہ ذہبی علاوہ ازیں میزان میں جرح کرنے والوں کے تفصیلی تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت اسرائيل اعتمده البخاري في الاصول وهو في الثبت كاالاسطوانة فلا يلتفت الى تضعيف من ضعفه. نعم. شعبة اثبت منه الا في ابي اسحاق.[2]

''اسرائیل بن یونس پر امام بخاری ومسلم نے بھی اعتماد کیا ہے اور فی الحقیقت وہ تثبت میں ستون کی مانند اٹل ہیں لہٰذا تضعیف کرنے والوں کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا جائے گا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ شعبہ ان سے زیادہ قوی ہیں لیکن مرویات ابی اسحاق میں وہ بھی اسرائیل کے ہمسر نہیں''۔

ائمہ کا اعتراف:

علماء نے ان کے فضل وکمال کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام شعبہ سے کسی نے ابواسحاق سبیعی کی روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

سلوا فيها اسرائيل فانه اثبت فيها مني.

''اس کے بارے میں اسرائیل سے رجوع کرو کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ قوی ہیں''۔

عبدالرحمٰن بن مہدی انہیں ابواسحاق کی مرویات کے سلسلہ میں شعبہ اور سفیان ثوری پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔[3] ابونعیم کہتے ہیں'' اسرائيل اثبت من عوانه''

یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ:'' اسرائيل اثبت حديثا من شريك''۔

زہد وورع:

تقویٰ و پاکبازی خشوع و بے نفسی اسرائیل بن یونس کے دفتر کمال کے نمایاں ابواب ہیں۔ علم وفضل کی دولت کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے علامہ ذہبی لکھتے ہیں

---

[1] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۱۔ [2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۹۸۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۳

marfat.com

اسلامی کُتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ ○ چوک اُردو بازار ○ لاہور

Ph: 7223506-7230718

وکان اسرائیل مع حفظه وعلمه خاشعا لله كبير القدر[1]

"اپنے علم اور قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ اسرائیل انتہائی خاشع اور عظیم مرتبت تھے"۔
شقیق بلخی ان کے خشوع وخضوع کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:

احدث الخشوع عن اسرائيل كنا حوله لا يعرف من عن يمينه ولا من عن شماله لتفكره في الاخرة فعلمت انه رجل صالح[2]

"میں نے خشوع اسرائیل سے حاصل کیا' ہم لوگ ان کے اردگرد رہتے تھے لیکن انہیں فکرآخرت میں ڈوبے رہنے کی بنا پر دائیں بائیں کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ بس اس وقت میں سمجھ گیا کہ وہ بہت نیک شخص ہیں"۔

وفات:

اسرائیل بن یونس کی وفات باختلاف روایت ۱۶۰ھ یا ۱۶۲ھ میں ہوئی[3]

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۸ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴۔
[3] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۴ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۳۔

marfat.com

اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسماعیل نام' ابو بشر کنیت تھی' والد کا نام ابراہیم بن مقسم اور والدہ کا نام علیہ تھا۔ علیہ قبیلہ بنو شیبان کی لونڈی تھیں' لیکن بڑی صاحب علم تھیں۔ انہیں کی نسبت سے اسماعیل بن علیہ کہلاتے ہیں۔

ان کی والدہ کے بارے میں امام نووی نے لکھا ہے کہ:

امراة نبيلة عاقلة[1]

''وہ بڑی سمجھدار اور عقل مند خاتون تھیں''۔

خطیب بغدادی ان کے علم وفضل کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كانت امراة نبيلة عاقلة برزة لها دار بالعوقة تعرف بها وصالح المرى وغيره من وجوه البصرة وفقهائها يدخلون عليها فتبرز لهم وتحادثهم وتسائلهم.

''وہ بڑی شریف اور عقل مند خاتون تھیں' ان کا مکان عوقہ میں تھا جو ان کے نام سے مشہور تھا' وہاں صالح مری اور بصرہ کے دوسرے ممتاز لوگ اور فقہاء ان کے پاس استفادہ کے لیے آتے تھے' وہ برآمد ہو کر ان سے بات چیت اور سوال وجواب کرتی تھیں''۔

ولادت:

ان کے والد ابراہیم بھی غلام تھے اور کپڑے کے تاجر تھے۔ اس سلسلہ میں وہ برابر بصرہ آیا جایا کرتے تھے' وہاں آمدورفت کے دوران انہوں نے علیہ بنت حسان سے شادی کر لی اور بصرہ ہی میں مستقل طور پر بودوباش اختیار کر لی' اور یہیں ۱۱۰ھ میں اسماعیل

[1] تہذیب الاسماء واللغات' ج ۱' ص ۱۳۰۔ [2] تاریخ بغداد' ج ۶' ص ۲۲۔

maarifat.com

بن علیہ پیدا ہوئے' ان کی والدہ اپنے فضل وکمال کے باوجود چونکہ باندی تھیں' اس لیے وہ ان کی طرف نسبت پسند نہیں کرتے تھے' یہاں تک کہ وہ فرماتے تھے:

من قال ابن علیه فقد اغتابنی[1]

''جوکوئی مجھ کو ابن علیہ کہتا ہے وہ گویا میری غیبت کرتا ہے''۔

غالباً اسی وجہ سے انہوں نے خود اپنی کنیت ابوالبشر رکھی' مگر ابن علیہ کے مقابلہ میں یہ کنیت مشہور نہ ہوسکی۔

تعلیم وتربیت:

تاریخوں میں تفصیل تو نہیں ملتی مگر قرائن بتاتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم ان کی والدہ نے خود ہی دی ہوگی' اس کے بعد جب کچھ ہوشیار ہوئے تو ان کی والدہ بصرہ کے ایک مشہور محدث عبدالوارث التیمی کے پاس چلی گئیں اور کہا کہ اپنے بچہ اسماعیل کو لے کر آئی ہوں۔ اور پھر اسماعیل کو محدث مذکور کے حوالہ کردیا' علیہ نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اس میں آپ جیسی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

عبدالوارث کا بیان ہے کہ میں اسماعیل کو اپنے ساتھ لے کر جاتا اور جہاں کہیں مجلس دیکھتا ان کو آگے بڑھا دیتا اور خود بعد میں شیخ مجلس کے پاس پہنچتا اس طرح عبدالوارث نے گویا ان کو مختلف شیوخ سے روشناس کرایا۔ ابراہیم خولی جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ابن علیہ جب بصرہ سے جانے لگے تو لوگ ان کو عبدالوارث سے زیادہ ثقہ فی الحدیث سمجھنے لگے۔

فضل وکمال:

یوں تو اسماعیل کو ہر فن پر عبور تھا لیکن علم حدیث میں خصوصی کمال اور امتیازی مہارت رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ بصرہ میں اتقان وتثبت ابن علیہ پر ختم ہے[2]۔ مشہور شیخ حدیث غندر بیان کرتے ہیں کہ میری نشو ونما علم حدیث کی فضا میں

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۶' ص ۲۳۲۔ [2] شذرات الذہب' ج ا' ص ۳۳۳۔

marfat.com

ہوئی ہے‘ اس علم میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے ابن علیہ پر فضیلت حاصل ہو[1]

امام ابوداؤد الطیالسی کا قول ہے ”کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے خطا نہ کی ہو‘ البتہ ابن علیہ اور بشر بن المفضل اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں“۔[2]

علی بن مدینی نے بھی اسماعیل کے تثبت فی الحدیث کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چار کے علاوہ اکثر محدثین سے تصحیف و غلطی ہوئی ہے‘ وہ چار یہ ہیں‘ ❶ یزید بن زریع‘ ❷ ابن علیہ ❸ ‘بشر بن المفضل‘ ❹ عبدالوارث بن سعید[3]

ہیثم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ کے چند حفاظ حدیث جمع ہوئے تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا کہ تم اسماعیل بن علیہ کے علاوہ جس کو چاہو سامنے لاؤ‘ ہم کو ان سے علم وفضل میں کم نہ پاؤ گے‘ مگر ابن علیہ کے علم وفضل کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔[4]

امام شعبہ انہیں سید المحدثین کہتے تھے اور ابن ناصر الدین قابل اعتماد و متقن قرار دیتے تھے۔ ابن علیہ کی روایات میں کوئی خطا نہیں پائی گئی۔ یزید بن ہارون کہا کرتے تھے کہ میں بصرہ گیا تو مجھ کو وہاں کوئی شخص بھی نہیں ملا جس کو فن حدیث میں ابن علیہ سے افضل سمجھا جاتا ہو[5] قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ عام طور پر حفاظ حدیث چار شمار کیے جاتے تھے۔ اسماعیل بن علیہ‘ عبدالوارث‘ یزید بن زریع اور وہیب۔

جرح وتعدیل کے شہرہ آفاق امام یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ

كان ابن عليه ثقة ماموناً صدوقاً مسلما ورعا وثقا۔[6]

”ابن علیہ ثقہ‘ سچے اور متقی اور قابل اعتماد تھے“۔

جلالت علمی:

ابن علیہ کی کی عظمت وجلالت اور شان کا یہ عالم تھا کہ کبار محدثین روایت حدیث میں ان کی مخالفت کرتے ڈرتے تھے۔ عفان بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۶۔ [3] تاریخ بغداد‘ ج ۶‘ ص ۲۳۴۔ [4] ایضاً ص ۲۳۰۔ [5] تاریخ بغداد‘ ج ۶‘ ص ۲۳۰۔ [6] تہذیب التہذیب‘ ج ۱ ص ۲۷۶۔

marfat.com

حماد بن سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے کوئی حدیث پڑھی اور اس میں ان سے ایک خطا ہوگئی۔ کسی شخص نے ان سے کہا کہ اس حدیث میں تو آپ کی مخالفت کی گئی ہے' دریافت فرمایا کس نے مخالفت کی ہے۔ جواب ملا حماد بن زید نے۔ ابن سلمہ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا'' ابن علیہ بھی تو اس حدیث میں آپ کے مخالف ہیں۔ یہ سنتے ہی حماد بن سلمہ کھڑے ہو گئے اور گھر میں تشریف لے گئے۔ پھر باہر آ کر فرمایا'' تو بس اس حدیث میں ابن علیہ ہی کا قول معتبر ہے[1] (معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے اندر روایت کی تحقیق کی غرض سے گئے تھے)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب امام مالک کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے سفیان بن عیینہ کو ان کی جگہ عنایت کر دیا۔ پھر جب حضرت حماد بن زید کا انتقال ہوا تو خدا نے ان کا قائم مقام میرے لیے ابن علیہ کو بنا دیا[2] یعنی ابن علیہ امام احمد کے خاص اساتذہ میں ہیں۔

ایک مرتبہ یزید بن ہارون نے اپنے حلقہ درس میں ایک حدیث نقل کی اور سلسلہ اسناد نقل کرنے کے بعد کہا اس روایت کی تخریج حضرت علی ؓ نے کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ ابن علیہ تو اس کو مجاہد سے مروی مانتے ہیں۔ یزید بن ہارون نے یہ سن کر کچھ التفات نہیں کیا اور پھر خرجہ علی کا اعادہ فرمایا' اصل میں وہ غلط فہمی سے ابن علیہ کو ابن عیینہ سمجھے۔ اس لیے شخص مذکور نے پھر زور دار انداز میں ابن علیہ کا نام لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب یزید بن ہارون کے کانوں میں ابن علیہ کا نام آیا تو سخت پریشان ہو گے اور دو مرتبہ ابن علیہ ابن علیہ کہہ کر خاموش ہو گئے[3]

مذکورہ بالا واقعات سے ابن علیہ کی جلالت علمی' بلند شان اور علو مرتبت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب' ج ا ص ۲۷۶۔ [2] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۲۱۔ وتہذیب' ج ا ص ۲۷۶

[3] تہذیب التہذیب' ج ا ص ۲۷۶۔

marfat.com

قوت حافظہ اور فہم حدیث:

ابن علیہ زمانہ طالب علمی سے ہی اپنے درسوں میں فہم حدیث کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ حاتم بن وردان کا بیان ہے کہ یحییٰ، اسماعیل' وہیب اور عبدالوہاب' یہ چاروں ایک ساتھ حضرت ایوب کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ درس سے فارغ ہو کر جب یہ اٹھتے تو سب اسماعیل بن علیہ کے گرد جمع ہو جاتے اور شیخ کی روایتوں کے بارے میں ان سے سوال کرتے' کہ یہ روایت کس طرح کی ہے' اس بارے میں کیا کہا اور اس سے شیخ کی کیا مراد تھی۔ اسماعیل ان سب کو جواب دیتے تھے[1]

ابن علیہ اپنا سارا ذخیرہ روایت سفینوں کی بجائے سینہ میں محفوظ رکھتے تھے۔ محدث وہیب کا قول ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم کا حفظ اور عبدالوہاب کی کتاب دونوں برابر ہیں' زید بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ کے پاس کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی لیکن اس کے باوجود تثبت واتقان کا یہ عالم تھا کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی۔ علی بن المدینی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ'' محدثین سے تصحیف بھی ہوئی اور خطائیں بھی لیکن چار محدثین ایسے ہیں جن سے کوئی خطا یا تصحیف نہیں ہوئی''۔

جرح:

ابن علیہ کی تحدیث وروایت کی توصیف وتعریف کرتے ہوئے امام دارمی نے اتنی جرح کی ہے کہ ابن علیہ کی کوئی غلطی اس کے علاوہ نہیں معلوم ہوسکی کہ حضرت جابر سے انہوں نے تدبیر غلام کی جو روایت کی ہے اس میں غلام کے نام کو مولیٰ کا نام دے دیا اور مولیٰ کے نام کو غلام کا[2]

شیوخ واساتذہ:

ابن علیہ نے بکثرت علمی سرچشموں سے اکتساب فیض کیا جس میں اکابر تابعین کرام شامل ہیں۔ مشاہیر اساتذہ کے نام یہ ہیں۔ ایوب السختیانی' علی بن جدعان' محمد بن

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۶' ص ۲۳۲۔ [2] ایضاً۔

marfat.com

المنکدر' عبداللہ بن ابی نجیح' عطا بن السائب' حمید الطویل[1] عبدالعزیز بن صہیب' ابن عون' سلیمان التیمی' داؤد بن ابی ہند' سہیل بن صالح' لیث بن ابی سلیم[2] یزید بن حمید' عبداللہ بن عوف'[3] عاصم الاحول' ابی ریحانہ' جریری' معمر' یونس بن عبید[4]

تلامذہ:

اسی طرح ابن علیہ کے منبع علم سے بھی بکثرت تشنگان علم سیراب ہوئے۔ ان کے حلقہ تلامذہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں آسمان علم و فضل کے کیسے کیسے درخشاں ستارے شامل ہیں' ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابراہیم بن طہمان' حماد بن یزید' عبدالرحمن بن مہدی' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' زہیر بن حرب' داؤد بن رشید' احمد بن منیع' بندار بن بشار' محمد بن المثنیٰ، یعقوب الدورقی' حسن بن عرفہ[5] موسیٰ بن سہل' اسحاق بن راہویہ[6] بقیہ' ابن وہب' ابو معمر' ابوخیثمہ' ابن ابی شیبہ' علی بن حجر' ابن المنیر[7]

اس کے علاوہ ابن جریج اور امام شعبہ جیسے اکابر اتباع تابعین نے بھی ابن علیہ سے روایت حدیث کی ہے۔ درآنحالیکہ یہ دونوں ان کے شیوخ سے شمار کیے جاتے ہیں۔ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے موسیٰ بن سہیل بن کثیر الوشا کو ابن علیہ کا آخری شاگرد بتلایا ہے۔[8]

فقہ:

حدیث کی طرح ابن علیہ کو فقہ میں بھی تبحر اور کمال حاصل تھا۔ امام شعبہ انہیں "ریحانۃ الفقہاء" کہا کرتے تھے۔[9]

سوال سے گھبراتے نہیں تھے:

بہت سے اساتذہ طلبہ کے سوالات سے گھبرا جاتے ہیں۔ مگر ابن علیہ کبھی بھی

---

1 تاریخ بغداد' ج ۶ ص ۲۳۳۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۵۔ 3 تاریخ بغداد ج ۶' ۲۲۹
4 تہذیب الاسماء' ج ۱ ص ۱۲۰۔ 5 تاریخ بغداد ج ۶' ص ۲۲۹۔ 6 تذکرۃ الحفاظ' ج ۱ ص ۲۹۵
7 تہذیب التہذیب' ج ۱ ص ۲۷۵۔ 8 ایضاً و تذکرۃ الحفاظ' ج ۱ ص ۲۹۵۔
9 تہذیب الاسماء للنووی' ج ۱ ص ۱۲۰۔

marfat.com

گھبراتے نہیں تھے بلکہ سوالات کو پسند کرتے تھے' امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ زید بن حباب نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ مجھے ابن علیہ سے استفادہ کا موقع دیجیے۔ میں نے ابن علیہ کی روایات کے مجموعے ان کے سامنے لا کر پیش کر دیئے۔ ابن حبان ان میں سے لوگوں کی راویوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرنے لگے' جیسے ابن عون عن محمد یا خالد عن ابی قلابة وغیرہ' اس کے بعد پھر وہ ابن علیہ کے پاس گئے اور ان احادیث کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ ابن علیہ ان سے بہت خوش ہوئے اس لیے کہ:

كان يحب اذا سئل ان يسئل عن الاحاديث المسندة والاسناد [1]

''وہ اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ان سے احادیث مسندۃ اور ان کی اسناد کے بارے میں سوال کیا جائے''۔

عہدہ قضا:

فقہی مہارت اور تبحر علمی کی وجہ سے متعدد عہدوں پر فائز ہوئے چنانچہ ان کو سب سے پہلے بصرہ کی صدقات کا انتظام سپرد کیا گیا۔ پھر بغداد کے محکمہ فوجداری کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔ اور آخر میں بغداد کے منصب قضا سے سرفراز ہوئے۔ لیکن زیادہ عرصہ تک اس منصب پر قائم نہیں رہے۔ عبداللہ بن مبارک کی ناخوشی کا علم ہوتے ہی اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔

واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن مبارک تجارت کرتے تھے اور اس میں انہیں کافی نفع بھی تھا' لیکن یہ پیشہ جلب زر ومنفعت کے لیے نہیں تھا بلکہ علماء اور طلبہ کی خدمت اور ان کی دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لیے تھا۔ چنانچہ ابن مبارک خود ہی فرماتے ہیں کہ اگر سفیان بن عیینہ' سفیان ثوری' فضیل' ابن السماک اور ابن علیہ' یہ پانچ حضرات نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔

ابن علیہ کے قاضی ہونے کے بعد جب ابن مبارک بغداد آئے اور انہیں اس کا علم ہوا تو نہایت آزردہ خاطر ہوئے اور جو تحفے وہ ابن علیہ کے پاس معمولاً بھیجا کرتے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۴۔

marfat.com

تھے انہیں موقوف کر دیا اور جب ابن علیہ ابن مبارک کی خدمت میں ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے کوئی التفات نہیں کیا۔ ابن علیہ تھوڑی دیر بیٹھ کر گھر واپس چلے گئے اور دوسرے دن اس مضمون کا ایک خط لکھا:

''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم کا منتظر تھا، لیکن آپ نے مجھ سے کلام ہی نہیں کیا، معلوم نہیں جناب کو میری کون سی حرکت ایسی ناگوار ہوئی؟''

یہ خط پڑھ کر حضرت ابن مبارک نے فرمایا یہ شخص بغیر سختی کے نہیں مان سکتا اور پھر جواب میں تیز و تند اشعار لکھ کر بھیج دیئے۔

یا جاعل الدین لہ بازیا　یصطاد اموال المساکین

''اے دین کے ذریعہ غیروں کے اموال کا شکار کرنے والا باز''

احتلت للدنیا و لذاتہا　بحیلۃ تذھب بالدین

''تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا حیلہ اختیار کر لیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا''

فصرت مجنونا بہا بعدما　کنت دواء للمجانین

''پہلے تم دنیا کے مجنونوں کا علاج کرتے تھے اب خود تم اس کے مجنون ہو گئے ہو''

این روایاتک فی سردھا　لترک ابواب السلاطین

''اب بادشاہوں کے دروازے سے بے پرواہ ہو کر تمہارا روایت حدیث کرنا کہاں گیا''

ان قلت اکرھت فذا باطل　ذل حمار العلم فی الطین

''اگر تم یہ کہو کہ مجھے عہدہ قضا کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو یہ عذر سراسر باطل ہے اب تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ حماد کیچڑ میں گر گیا''

ابن علیہ کے پاس جب عبداللہ بن مبارک کا یہ خط پہنچا تو آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ اسے پڑھتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔ پورا خط پڑھنے کے بعد آپ فوراً مجلس قضا اٹھے اور ہارون الرشید کے پاس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا ''خدا کے لیے آپ میرے بڑھاپے پر رحم فرمائیے، کیونکہ اب میں اس عہدہ پر باقی نہیں رہ سکتا''۔

marfat.com

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس مجنون (ابن مبارک) نے آپ کو بہکا دیا ہے۔ ابن علیہ نے فرمایا بہکا نہیں بلکہ انہوں نے تو فی الحقیقت ایک مصیبت سے مجھے نجات دلا دی ہے۔ اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس سے رستگاری عطا فرمائے۔ ہارون الرشید نے آپ کا استعفیٰ منظور کر کے آپ کو خدمت قضا سے سبکدوش کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور حسب سابق رقم کی ایک تھیلی ابن علیہ کو بھیج دی۔[1]

امام نووی کی رائے ہے کہ پہلے یہ بصرہ کے صدقات وزکوٰۃ کے والی بنائے گئے پھر ہارون الرشید کے آخری دور میں بغداد کے قاضی بنائے گئے۔[2]

عبادت اور خوف خدا:

ابن علیہ کو قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت سے بے حد شغف بلکہ عشق تھا۔ ابن مدینی نے ایک رات ان کے ساتھ بسر کی تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن علیہ نے اسی شب میں تہائی قرآن مجید کی تلاوت کی۔

عفان کا بیان ہے کہ ابن علیہ کا شمار ان کے عہد شباب سے ہی بصرہ کے عبادت گزاروں میں ہوتا تھا۔ زہد و اتقاء اور احساس آخرت اس دور کی ایک عام خصوصیت تھی۔ ابن علیہ بھی ان صفات میں زمرۂ تابعین میں نمایاں تھے۔ حضرت ابن مبارک کا ان کی طرف میلان اور پھر ان کی مدد کرنا خود اس بات کا واضح ثبوت ہے، پھر ابن مبارک کی تنبیہ پر ان کا استعفیٰ دے دینا غایت تقویٰ کی دلیل ہے۔ ابن علیہ بلاشبہ "فلیضحکو قلیلا و الیبکوا کثیرا" کی مجسم تصویر تھے۔ ان کی خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ برسوں وہ ہنسے نہیں۔ انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا"۔

خلق قرآن کا فتنہ اور ابن علیہ:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن علیہ خلق قرآن کے قائل تھے اگرچہ ان کے کسی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷۸، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۳۵، ۲۳۶۔

[2] تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۲۰۔

marfat.com

قول سے اس کی صراحت نہیں ملتی، تاہم ان کے بعض ملفوظات اس خیال کی تائید ضرور کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ابن علیہ ہارون الرشید کے بیٹے محمد امین کے پاس گئے تو امین نے آپ کو برا بھلا کہا اور پھر پوچھا: ''کیا آپ خلق قرآن کے قائل ہیں''؟ ابن علیہ نے اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''میں آپ پر قربان جاؤں یہ ایک عالم کی لغزش ہے''۔ اس واقعہ کی شہرت نے ابن علیہ کے بعض متقدمین کے دل میں بھی ان کی طرف سے تکدر پیدا کر دیا تھا۔

لیکن خطیب بغدادی اس واقعہ کی تردید میں لکھتے ہیں کہ ابن علیہ سے خلق قرآن کے عقیدہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ عبدالصمد یزید مردویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ سے خود سنا ہے کہ: ''القران کلام اللہ غیر مخلوق'' حافظ ذہبی کا رجحان بھی ادھر ہی معلوم ہوتا ہے۔

وفات:

جمعرات کے دن ۲۵ یا ۲۴ ذی قعدہ ۱۹۳ھ کو علم و عمل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔[1] جنازہ کی نماز ان کے صاحبزادے ابراہیم نے پڑھائی[2] اور بغداد کے قبرستان میں ابن مالک میں تدفین عمل میں آئی۔[3]

---

[1] شذرات الذہب، ج ا، ص ۳۳۳۔

[2] تہذیب الاسما للنووی، ج ا، ص ۱۲۰۔

[3] تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۲۳۵۔

marfat.com

اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسماعیل نام اور ابو عتبہ کنیت تھی' جتنے نسب نامہ کا ذکر ملتا ہے وہ صرف یہ ہے' اسماعیل بن عیاش بن سلیم[1] نسباً عنسی اور وطناً حمصی مشہور ہیں۔ عنس بن مالک بن اودیمن کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کے خاندان کی ایک بڑی جماعت شام منتقل ہوگئی اور وہیں مستقل بودو باش اختیار کرلی۔ اغلب یہ ہے کہ انہی منتقل ہونے والوں میں عیاش بن سلیم بھی رہے ہوں گے۔

وطن اور ولادت:

بروایت صحیح[1] ابو عتبہ ۱۰۲ھ[2] میں پیدا ہوئے۔ مولد کے بارے میں کوئی تصریح تو نہیں ملتی لیکن الحمصی[2] کی نسبت سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی ولادت کا شرف زمین حمص کو حاصل ہوا۔ یہ شام میں دمشق وحلب کے درمیان ایک مشہور شہر ہے۔

تحصیل علم:

تحصیل علم میں غیر معمولی جانکاہی اور محنت ومشقت ائمہ سلف کا مشترک تمغہ امتیاز تھا' ابو عتبہ بھی اس کا مجسم پیکر تھے۔ انہوں نے نہ صرف شام کے تمام مشاہیر اور ماہرین فن علماء سے اکتساب علم کیا بلکہ عراق اور حجاز وغیرہ دوسرے ملکوں کا سفر کرکے وہاں کے بھی ممتاز فقہاء ومحدثین کے سامنے زانوائے تلمذ تہہ کیا۔ کسی کام کے لیے طلب صادق اور سچی لگن انسان کو کمال کی انتہائی رفعتوں تک پہنچا دیتی ہے۔ ابو عتبہ نے انہی اوصاف سے سرشار ہوکر تحصیل علم کی راہ میں تن من کے ساتھ دھن دولت بھی قربان کر دیا تھا۔ چنانچہ تحدیث نعمت کے طور پر خود ہی بیان کرتے ہیں

[1] خلاصہ تہذیب وتہذیب الکمال ص ۳۵۔ [2] کتاب الانساب سمعانی ورق ۴۰۴

marfat.com

ورثت من ابی اربعة الاف دینارا نفقتها فی طلب العلم[1]

''مجھے اپنے والد سے چار ہزار دینار وراثت میں ملے تھے میں نے ان سب کو تحصیل علم میں خرچ کر دیا۔

جلالت علم وعلو مرتبت:

تحصیل علم میں اسی محنت شاقہ اور عرق ریزی کا نتیجہ تھا کہ وہ معدن علم کے گوہر شب چراغ شمار ہوئے اور زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر انہیں محدث الشام اور مفتی اھل الحمص کے خطاب سے نوازا۔ بالخصوص شامی کی شیوخ روایات کے بارے میں ابو عتبہ کا پایہ نہایت ارفع واعلیٰ ہے اور اس سلسلہ میں بالاتفاق انہیں مستندترین اور ثقہ ترین قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ خزرجی ان کو عالم الشام واحد مشائخ الاسلام اور حافظ ذہبی'' الامام محدث الشام و مفتی اھل الحمص'' لکھتے ہیں[2]۔ ابو زرعہ کا بیان ہے:

لم یکن بالشام بعد الاوزاعی مثله[3]

''امام اوزاعی کے بعد شام میں اسماعیل بن عیاش کے مثل کوئی نہ تھا''۔

حدیث:

اسماعیل حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت رکھتے تھے' لیکن حدیث میں انہیں خصوصی درک حاصل تھا' ان کے اساتذۂ حدیث میں مختلف ملکوں کے ائمہ شامل ہیں جن میں ہشام بن عروہ' یحییٰ بن سعید الانصاری' شرحبیل بن مسلم' بحیر بن سعد' تمیم بن عطیہ' زید بن اسلم' محمد بن زیاد الالہانی' صفوان بن عمرو' عبدالرحمٰن بن جبیر' ثور بن یزید' حبیب بن صالح' حجاج بن ارطاۃ' صالح بن کیسان' سہیل بن ابی صالح کے نام لائق ذکر ہیں[4]۔

فقہ میں انہیں امام اوزاعی سے تلمذ حاصل تھا' جو اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کی بنا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۳۱ و میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۱۱۱۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۳۵' العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۷۹۔ [3] میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۱۱۳۔ [4] تہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۳۲۲ و تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۳۰

marfat.com

پر فقیہ الشام کے لقب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ ابو عتبہ نے فقہ میں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پھر خود بھی حمص میں افتاء کی خدمات انجام دیں۔

خود اسماعیل بن عیاش سے مستفید ہونے والوں میں لیث بن سعد، ولید بن مسلم، معتمر بن سلیمان، عبداللہ بن مبارک، ابو داؤد الطیاسی، حجاج الاعور، شبابہ بن سوار، حسن بن عرفہ، سعید بن منصور، مناد، محمد بن بکار اور داؤد بن عمرو ممتاز ہیں[1] امام اعمش اور ابن اسحاق ان سے روایت کرتے ہیں، سفیان ثوری اگرچہ ان کے شیخ ہیں مگر بعض حدیثیں وہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

جرح وتعدیل:

اسماعیل بن عیاش کی روایات دو طرح کی ہیں، ایک تو وہ جو انہوں نے شامی شیوخ سے بیان کی ہیں اور دوسری غیر شامی یعنی حجاز وعراق وغیرہ ممالک کے شیوخ کی روایات، نوع اول کے بارے میں علماء جرح وتعدیل بالاتفاق ان کو ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان میں بلند مقام دیتے ہیں، چنانچہ ابن مدینی کہتے ہیں:

ما کان احد اعلم بحدیث اھل الشام من اسماعیل بن عیاش.

''اہل شام کی روایت کو اسماعیل بن عیاش سے زیادہ جاننے والا کوئی نہ تھا''۔

یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

عن الشامیین حدیثه صحیح.[2]

''شامیوں سے ان کی روایت صحیح ہے''۔

یعقوب بن سفیان کا بیان ہے:

اسماعیل ثقة عدل اعلم الناس بحدیث الشام.

''اسماعیل ثقہ عادل ہیں۔ نیز اہل شام کی روایت کا لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں''۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۳۲۲ و تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۳۰۔ [2] میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۱۱۳۔

marfat.com

لیکن وہ روایتیں جو اسماعیل نے غیر شامی علماء و مشائخ سے بیان کی ہیں۔ ان کے بارے میں محققین اور ماہرین فن انہیں غیر مقبول اور ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کے اسباب و علل کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔ علامہ ذہبی نے جو سبب بیان کیا ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

كان من اوعية العلم الا انه ليس بمتقن لما سمعه بغير بلده كانة كان يعتمد علىٰ حفظه فوقع خلل فى حديثه عن الحجاربين و غيرهم[1]

''وہ علم کا ظرف تھے لیکن غیر شامیوں سے انہوں نے جو سماع حاصل کیا تھا اس میں وہ غیر ثقہ ہیں کیونکہ وہ اپنے حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اس لیے اہل حجاز وغیرہ کی روایات میں ضعف پیدا ہوگیا۔

جب علماء ان کی ذہانت و فطانت اور محیر العقول قوت حافظہ پر متفق اللسان ہیں اور انہیں اس خصوصیت میں امام وکیع کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں تو پھر شامی شیوخ سے ان کی مرویات میں خلل تضعیف کا قوی سبب نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے اس کا کوئی دوسرا سبب ہو۔

قوت حافظہ:

ابن عیاش کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ ہزاروں حدیثیں انہیں زبانی ازبر تھیں یزید بن ہارون کہتے ہیں:

ما رايت شاميًا ولا عراقيًا احفظ من اسماعيل بن عياش ما ادرى ما الثورى.[2]

'' میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ قوت حافظہ رکھنے والا کسی بھی شامی یا عراقی عالم کو نہیں پایا۔ میں تو جانتا بھی نہیں تھا کہ ثوری کیا چیز ہیں''۔

داؤد بن عمر کا بیان ہے:

ما حدثنا اسماعيل الا من حفظه و كان يحفظ نحواً من عشرين الف حديث.[3]

1 تذکرۃ الحفاظ' ج ۱، ص ۲۳۰۔ 2 ایضاً۔ 3 العبر فی خبر من غبر' ج ۱، ص ۲۷۹۔

marfat.com

''اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے ہیں' انہیں تقریباً بیس ہزار احادیث زبانی یاد تھیں''۔

انہی کا قول ہے:

كان اسماعيل يحدثنا من حفظه ما رأيت معه كتابًا قط[1]

''اسماعیل ہم سے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی''۔

امام احمد بن حنبل نے ایک مرتبہ داؤد بن عمر سے دریافت کیا کہ اسماعیل بن عیاش کو کتنی حدیثیں یاد تھیں۔ فرمایا بہت زیادہ۔ انہوں نے پھر پوچھا کیا دس ہزار؟ فرمایا' نہیں تیس ہزار! یہ سن کر امام احمد نے فوراً کہا بخدا یہ تو امام وکیع کی مثال ہے' جو قوت حافظہ میں بے مثل تھے۔[2]

کثرت عبادت:

ابن عیاش عالم باعمل تھے۔ درس و تدریس کے علاوہ روز و شب کے تمام اوقات ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں گزارتے تھے' ابوالیمان عینی شہادت دیتے ہیں کہ:

كان منزله الى جنب منزلي فكان يحيى الليل[3]

''اسماعیل بن عیاش کا گھر میرے پڑوس میں تھا وہ شب بیداری کرتے تھے''۔

مناقب:

ان کی پوری زندگی گوناگوں مناقب و محامد سے معمور تھی۔ علم و فضل' ورع و تقویٰ عبادت و ریاضت' اخلاق و معاملات' شرافت و نیک نفسی غرض ہر حیثیت سے وہ ایک مثالی اور معیاری انسان تھے۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

''و مناقبه كثيرة''[4] پھر تذکرہ میں لکھتے ہیں:

---

[1] العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۷۹۔ [2] تہذیب التہذیب' ج ۱' ص ۳۲۲۔

[3] میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۱۱۱۔ [4] العبر' ج ۱' ص ۲۷۹۔

marfat.com

کان محتشماً نبیلاً جوادا و کان من العلماء العالمین[1]

''وہ نہایت باعزت، شریف اور سخی تھے اور عالم باعمل تھے''۔

مارایت اکبر نفسًا من اسماعیل بن عیاش کان اذا اتینا مرزعته لا یرضی لنا الا بالخروف والحلوا[2]

''میں نے اسماعیل بن عیاش سے زیادہ بلند ظرف کسی کو نہیں دیکھا۔ جب ہم ان کے پاس کھیت پر ملنے جاتے تو حلوہ اور تازہ پھل ضرور کھلاتے''۔

ان کے مناقب ہی کے ذیل میں یہ کارنامہ بھی لائق ذکر ہے کہ اہل حمص ان کی پیدائش سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص علی الاعلان بکثرت کرتے تھے۔ جب ابن عیاش نے سن شعور کو پہنچ یہ فتنہ دیکھا تو اہل شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی تبلیغ شروع کر دی جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور پھر اس تنقیص کا سلسلہ ختم ہوگیا۔[1]

وفات

باختلاف روایت ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔[2] علامہ ذہبی نے اول الذکر ہی کو اصح قرار دیا ہے۔ وفات کے وقت ۸۰ سال کی عمر تھی۔[3]

---

۱ میزان الاعتدال' ج ۱ ص ۱۱۱۔

۲ تہذیب التہذیب' ج ۱ ص ۳۲۵۔

۳ تذکرۃ الحفاظ' ج ۱ ص ۲۳۱۔

marfat.com

حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

حسن نام اور ابوعبداللہ کنیت تھی[1] نسب نامہ یہ ہے، حسن بن صالح بن صالح بن مسلم بن حیان بن شفی بن ہنی بن رافع بن قملی بن عمرو بن ماتع بن صہلان بن زید بن ثور بن مالک بن معاویہ بن دومان بن کمیل بن جشم بن ہمدان[2] جد امجد حیان کا لقب حی تھا، اس لیے ابن سعد اور بعض دوسرے محققین ان کا ذکر حسن بن حی کے نام سے بھی کرتے ہیں، وطن کی نسبت سے کوفی اور قبیلہ کی طرف منسوب ہوکر ہمدانی مشہور ہوئے۔ ہمدان یمن کا ایک قبیلہ ہے، جو کوفہ آباد ہونے کے بعد وہاں آکر بس گیا تھا، اس قبیلہ کی بکثرت شاخیں ہیں۔[3]

وطن اور پیدائش:

۱۰۰ھ میں کوفہ کی مردم خیز سرزمین میں ولادت ہوئی، حسن بن صالح اور ان کے بھائی (علی بن صالح) دونوں توام پیدا ہوئے تھے[4] ان دونوں کی ولادت میں صرف ایک گھنٹہ کا فصل ہوا تھا۔ یعنی علی کی ولادت حسن سے ایک گھنٹہ قبل ہوگئی تھی۔ ظاہر ہے اس سے عمر میں کوئی نمایاں تفاوت واقع نہیں ہوتا۔ لیکن ابونعیم کا بیان ہے کہ میں نے حسن کو کبھی اپنے بھائی کا نام لیتے نہیں سنا۔ جب اس کی ضرورت پیش آتی تو فرماتے قال ابو محمد هکذا[5] (علی بن صالح کی کنیت ابومحمد تھی)۔

علم وفضل:

علمی اعتبار سے وہ باکمال اتباع تابعین میں تھے۔ انہوں نے نہ صرف حدیث و فقہ کی قندیلیں فروزاں کیں بلکہ اخلاق وعمل کے چراغ بھی روشن کیے، اپنے زمانہ کے ممتاز عالم، عابد اور زاہد شمار کیے جاتے تھے۔ تمام علماء اور محققین ان پر کلام کے باوجود جملہ خصوصیات

1۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۵۔ 2۔ طبقات ابن سعد ج ۶، ص ۲۶۰۔ 3۔ کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۹۱۔ 4۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱ ص ۲۴۹۔ 5۔ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۰۔

maarfat.com

اور کمالات کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ ان کے شاگرد رشید ابو نعیم بیان کرتے ہیں کہ:

كتبت عن ثمان مائة محدث فمارأيت افضل من حسن من صالح[1]

''میں نے آٹھ سو محدثین سے حدیثیں لکھی ہیں لیکن حسن بن صالح سے زیادہ بلند مرتبہ کسی کو نہیں پایا''۔

علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی ''احد الاعلام'' اور ''الامام القدوۃ'' کے الفاظ سے ان کے فضل و کمال کو سراہتے ہیں[2]

ابو زرعہ کا قول ہے:

اجتمع فيه حفظ واتقان و فقه وعبادة[3]

''وہ حفظ و اتقان اور فقہ و عبادت کا مجموعہ تھے''۔

شیوخ و تلامذہ:

حسن بن صالح نے خیر القرون کا وہ پر بہار زمانہ پایا تھا' جب قریہ قریہ اجلہ تابعین کی نوا سنجیوں سے پرشور تھا' پھر کوفہ تو ہمیشہ ہی سے علم کا مرکز اور علماء کا منبع رہا ہے' حسن بن صالح نے بھی اس عہد سعادت کی بہاروں سے اپنے دل و دماغ کو معطر کیا۔ تابعین کرام کی ایک بڑی جماعت سے انہیں فیض صحبت حاصل ہوا' ممتاز اساتذہ میں ان کے والد صالح بن صالح کے علاوہ ابو اسحاق سبیعی' عمرو بن دینار' عاصم الاحول' عبداللہ بن محمد بن عقیل' اسماعیل السدی' عبدالعزیز بن رفیع' محمد بن عمرو بن علقمہ' لیث بن ابی سلیم' منصور بن المعتمر' سہیل بن ابی صالح' سلمہ بن کہیل' سعید بن عروبہ' سماک بن حرب' عبداللہ بن دینار[4] کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح خود ان سے مستفید ہونے والوں کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے۔ نامور تلامذہ میں عبداللہ بن المبارک' حمید بن عبدالرحمٰن الرواسی' اسود بن عامر' شاذان' وکیع بن الجراح، یحییٰ بن آدم' جراح بن ملیح الرواسی' عبداللہ بن داؤ لخریبی' ابو احمد الزبیری'

---

1. العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۴۹ و تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۱۹۵۔ 2. خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۷۲ و میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۳۱۔ 3. میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۳۱۔ 4. العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۴۹ و خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ۷۶۔

marfat.com

عبیداللہ بن موسیٰ، ابونعیم، طلق بن غنام، قبیصہ بن عقبہ، احمد بن یونس، علی بن الجعد[1] جیسے یکتائے عصر علماء شامل ہیں۔

حدیث وفقہ:

حسن بن صالح کو حدیث اور فقہ دونوں پر یکساں قدرت اور عبور حاصل تھا۔ لیکن فقہ ان کی خصوصی جولانگاہ تھی، اسی بنا پر فقیہ کوفہ کی حیثیت سے انہیں زیادہ شہرت اور قبول عام نصیب ہوا۔ چنانچہ حافظ ذہبی اور علامہ خزرجی نے ''فقیہ کوفہ'' ہی کے الفاظ سے ان کے تذکرے کا آغاز کیا ہے۔ عجلی کا قول ہے کہ ''حسن بن صالح سفیان ثوری سے بھی بڑے فقیہ تھے''۔[2]

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث میں ان کا کوئی مقام نہ تھا، بلکہ اس میں بھی انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ تمام علمائے جرح و تعدیل ان کی ثقاہت، عدالت، صداقت اور اتقان پر متفق ہیں جو کچھ بھی کلام ان کے بارے میں کیا گیا ہے، وہ ان کے بعض دوسرے خیالات سے متعلق ہے (جس کی تفصیل آگے آئے گی) لیکن ان کی محدثانہ شان اور فقیہانہ جلالت قدر میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حسن اثبت فی حدیث من شریك دوسری جگہ فرماتے ہیں:

الحسن صالح صحیح الروایة متفقة صائن لنفسه فی الحدیث والورع[3]

''حسن بن صالح متفقہ طور پر صحیح الروایہ ہیں اور حدیث ورع میں بلند مرتبہ''۔

ابن معین کا بیان ہے:

یکتب رأی مالك والاوزاعی والحسن بن صالح وهؤلاء ثقات[4]

''امام مالک، اوزاعی اور حسن بن صالح کی رائے لکھی جاتی ہے اور یہ سب ثقہ ہیں''۔

ابوحاتم کا قول ہے ثقة، حافظ متقن۔ ابن عدی کہتے ہیں:

لم اجد حدیثا منکرًا وهو عندی من اهل الصدق[5]

---

1. تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۹۵۔ 2. تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۲۸۸۔ 3. تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۲۸۲۔ 4. العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۲۴۹۔ 5. میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۲۳۱۔

marfat.com

''میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں پائی' وہ میرے نزدیک اہل صدق میں سے ہیں''۔

ابن سعد نے لکھا ہے ''کان ثقة صحیح الحدیث کثیرة''[1] علاوہ ازیں امام نسائی' دارقطنی' بخاری اور ابن ابی خیثمہ وغیرہ محدثین و ماہرین فن نے بھی حسن بن صالح کی ثقاہت وعدالت کو بصراحت تسلیم کیا ہے۔

دوالزامات اوران کے جوابات:

بایں ہمہ تبحر علمی اور فضائل وکمالات حسن کی ذات گرامی بھی نقد و جرح کے غبار سے محفوظ نہیں رہی' لیکن اس کا تعلق ان کے بعض معتقدات اور خیالات سے ہے۔

پہلا الزام ان پر عائد کیا گیا جاتا ہے کہ وہ علوم دینیہ سے مالا مال ہونے اور اپنے تمام تر مذہبی تقشف کے باوجود نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ سفیان ثوری کا بیان ہے:

الحسن بن صالح مع ماسمع من العلم وفقه یترک.

''حسن بن صالح علم وفقہ کے باوجود نماز جمعہ ترک کردیتے تھے''۔

اس کمزوری کی بنا پر خود ان کے بہت سے تلامذہ ان کو ناپسند کرتے اور ان سے روایت کرنے میں محتاط رہتے تھے۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ وہ ظالم مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج بالسیف کے جواز کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسلم حکمران اور امام اپنے ظلم و جور سے خلق خدا پر مسلط ہو جائے تو از روئے شرع اس کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردنوں میں باقی رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ عامۃ مسلمین اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے اس کی چیرہ دستیوں کو بقوت ختم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قدیم ائمہ سلف کا مسلک یہی رہا ہے' لیکن اس کے نتیجہ کے طور پر گزشتہ زمانے میں جو ہولناک خونریزیاں ہوئیں اس پر اوراق تاریخ شاہد ہیں۔ واقعہ حرہ اور ابن الاشعث کے واقعہ میں جو کچھ ہوا' اس میں ارباب بصیرت کے لیے کافی سامان عبرت موجود ہے' اس وجہ سے اب جمہور ائمہ نے اس قدیم مسلک کے یکسر

1. ابن سعد ج ۶' ص ۲۶۰۔

marfat.com

ترک پر اتفاق کرلیا ہے، جس کی رو سے ظالم حکمران اور امام المسلمین کی اطاعت بھی بہر حال لازمی ہے۔اس سے روگردانی کی گنجائش نہیں۔

حسن بن صالح کے معاصر علماء نے اسی بنا پر ان کے مسلک سے شدید اختلاف کیا اور اسے ان کے معائب میں شمار کیا۔ ابو نعیم بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سفیان ثوری کی مجلس میں حسن بن صالح کا ذکر آیا تو انہوں نے سخت ناگواری ظاہر کی اور فرمایا:

ذلک یری السیف علی الامة یعنی الخروج علی "الولاة الظلمة.[1]

"وہ امت (یعنی ظالم حکمرانوں) کے خلاف خروج بالسیف کے قائل تھے"۔

لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے ان دونوں الزامات کی بہت شد ومد کے ساتھ تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اولاً تو اس قسم کے شخصی مسلک کی بنیاد پر ایک شخصیت کے کردار کو مجروح نہیں کیا جائے گا جس کی عدالت، حفظ، اتقان اور زہد وتقویٰ مسلم ہو۔ ثانیاً ان کے اس مسلک میں تاویل کی بھی بڑی گنجائش موجود ہے۔ یعنی یہ کہ وہ کسی فاسق کے پیچھے نماز جمعہ کے قائل نہ ہوں گے اور اسی طرح وہ کسی فاسق امام المسلمین کی اورنگ نشینی کو درست تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ اور اگر حسن کا مسلک بھی فی الواقع وہی رہا ہو، جو عام طور سے سمجھا گیا تو بھی ان کی ذات مطعون قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے کہ وہ مجتہد مطلق تھے[2]

پھر یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ حسن بن صالح کے نزدیک ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد جائز ضرور تھا تاہم ایک بھی نظیر اس کی موجود نہیں کہ انہوں نے اپنے اس خیال کو عملی شکل دی ہو اور کسی حکمران کے جور وستم کے خلاف خروج کیا ہو۔ علاوہ ازیں ترک جمعہ کے الزام کی تردید خود ابو نعیم کے اس واضح بیان اور شہادت سے ہوتی ہے کہ:

قال ابن المبارک کان ابن صالح لا یشهد الجمعة وانا رایته فی الجمعه قد شهد هامع الناس[3]

"ابن مبارک کا قول ہے کہ ابن صالح جمعہ کی نماز میں نہیں آتے تھے اور آنحالیکہ

---

[1] میزان الاعتدال، ج ا، ص ۲۳۱۔ [2] تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۲۸۸۔

[3] طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۶۱۔

marfat.com

میں نے خود انہیں دیکھا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ میں تشریف لائے''۔

اس شہادت کی روشنی میں حافظ ابن حجر کی مذکورہ بالا تاویل بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

زہد و ورع:

تقویٰ و پاک نفسی میں بھی حسن کا مرتبہ بہت بلند تھا' ان کی اس خصوصیت کا نمایاں طور سے ذکر کیا جاتا ہے' ابن حجر نے انہی متقی کامل قرار دیا ہے[1] سمعانی نے ان کے تقشف کی حد تک زہد و ورع کی صراحت کی ہے[2] ابوزرعہ کا یہ قول گزر چکا کہ حسن اتقان' فقہ' عبادت اور زہد سب کے مجموعہ کمالات تھے[3]

عبادت و ریاضت:

حسن بن صالح زیور علم کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے' عبادت کی کثرت اور اس میں غایت درجہ خشوع و خضوع ان کے صحیفۂ کمال کے بہت نمایاں ابواب ہیں۔ چنانچہ امام وکیع علم و فضل اور ریاضت و عبادت میں انہیں شہرہ آفاق تابعی سعید بن جبیر سے تشبیہ دیتے تھے[4] ابن سعد لکھتے ہیں ''کانا ناسکًا عابدًا فقیهًا''[5] ابن حبان کا قول ہے: تجرد للعبادۃ[6]

حافظ ابن حجر' علامہ یافعی' امام ذہبی اور ابن سعد وغیرہ محققین نے حسن بن صالح کی کثرت عبادت کے بارے میں امام وکیع کا یہ بہت ہی حیرت انگیز بیان نقل کیا ہے کہ حسن ان کے بھائی علی اور ان کی والدہ نے پوری رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہر فرد اپنے حصہ شب (یعنی ثلث لیل) میں عبادت کرتا تھا' پھر جب ان کی والدہ کی رحلت ہوگئی تو دونوں بھائیوں رات کے دو حصے کر کے نصف نصف شب عبادت کرنا شروع کر دیا' پھر ایک عرصہ بعد علی بن صالح کا انتقال ہوگیا تو حسن اخیر عمر تک تمام شب عبادت کیا کرتے تھے۔[7]

---

[1] تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۸۸۔ [2] کتاب الانساب للسمعانی' ورق ۵۹۱۔ [3] میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۳۱۔ [4] مرآۃ الجنان' ج ۱' ص ۳۵۳۔ [5] طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۶۱۔ [6] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۹۱۔ [7] تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۲۸۸۔ میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۳۰۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۵۔ مرآۃ الجنان' ج ۱' ص ۳۵۳۔ طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۶۱۔

marfat.com

خشیت الٰہی:

اپنے تمام تبحر علمی اور مجاہدوں و ریاضتوں کے باوجود حسن بن صالح خوف آخرت اور خشیت الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے۔ جو بلا شبہ ان کے علو مرتبت اور جلالت شان کی روشن دلیل ہے۔ خاصان خدا ہمیشہ اس صفت عالیہ سے ضرور متصف ہوتے ہیں' ابو سلیمان دارانی راوی ہیں کہ میں نے حسن سے زیادہ کسی کو خوف خدا سے لرزاں نہیں دیکھا' وہ نماز میں ایک ہی سورہ پڑھنے میں صبح کر دیتے تھے۔ اور درمیان میں فرط خشیت سے بار بار بے ہوش ہو جاتے تھے۔

مارایت احدًا الخوف اظهر علی وجهه من الحسن قام لیلة بعم یتساءلون فخشی علیه فم یختمها الی الفجر[1]

''میں نے حسن بن صالح سے زیادہ کسی کو خدا سے خائف نہیں دیکھا' ایک شب نماز میں ''عم یتساء لون'' شروع کی تو بے ہوش ہو گئے اور اس سورۃ کو نماز فجر تک بھی ختم نہ کر سکے''۔

نیک نفسی:

ان تمام گونا گوں کمالات اور خصائل حمیدہ کے ساتھ وہ اخلاق و نیک طبعی کا بھی ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کی معاشی حالت کچھ زیادہ اچھی نہ تھی' خود کہا کرتے تھے کہ'' ربما اصبحت وما معی درهم''۔ تاہم جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا اس میں فیاضی اور سیر چشمی سے کام لیتے تھے' کبھی کوئی سائل ان کے در سے تہی دست واپس نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ وقت پر اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو اپنے روز مرہ کے استعمال کی اشیاء دے دیتے تھے۔ ابو نعیم فضل بن دکین بیان کرتے ہیں:

جاء یومًا سائل فساله فنزع جوربیه فاعطاه[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ' ج ا' ص ۱۹۵۔

[2] طبقات ابن سعد' ج ٦' ص ٢٦١۔

marfat.com

''ایک دن ان کے پاس ایک سائل نے آ کر دست سوال پھیلایا تو اپنے دونوں موزے اتار کر اس کو عطا کر دیئے''۔

وفات:

باختلاف روایت ۱۶۷ھ یا ۱۶۹ھ میں علم وعمل کا یہ روشن چراغ کوفہ میں گل ہوگیا۔ وفات سے سات سال قبل گوشہ گیر ہوئے تھے۔ اس وقت خلیفہ مہدی کا آفتاب حکومت اوج اقبال پر تھا اور کوفہ میں اس کا والی روح بن حاتم تھا۔ کوفہ کے جس مکان میں حسن نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی' اسی میں ان کے ساتھ عیسیٰ بن زید بھی کنارہ کش ہو گئے تھے' خلیفہ مہدی نے ان دونوں کو باہر لانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا حتیٰ کہ اسی حالت میں دونوں نے جام اجل نوش کیا۔ ابونعیم راوی ہیں کہ:

رایت حسن بن صالح یوم الجمعة قد شهد ها مع الناس ثم اختفی یوم الاحد الی ان مات وله یومئذ اثنتان او ثلاث وستون سنة.

''میں نے حسن بن صالح کو جمعہ کے روز دیکھا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوئے۔ پھر اس کے بعد اتوار کے دن گوشہ نشین ہوگئے اور وفات تک اسی حالت میں رہے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال تھی''۔

اس بیان سے کہ ان کی عمر ۶۲ یا ۶۳ سال معلوم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کا سنہ ولادت ۱۰۴ھ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ ۱۶۷ھ کے سنہ وفات ہونے پر خود ابونعیم بھی متفق ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

marfat.com

حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

حسین نام اور ابوعبداللہ یا ابومحمد کنیت تھی۔ والد کا نام علی اور جد امجد کا نام ولید[1] تھا۔ جعفی بن سعد العشیرۃ سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث الجعفی مشہور ہوئے۔[2]

مولد:

ان کی ولادت ۱۱۹ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اوران کے بھائی محمد توام پیدا ہوئے تھے۔[3] کچھ عرصہ بعد جزیرہ منتقل ہوکر وہیں مستقل طور پر رہنے لگے تھے۔[4]

فضل وکمال:

علم وفضل' زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کے اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ تھے۔ متعدد تابعین کرام کے نگار خانہ علم سے اپنے دل ودماغ کو منور کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ زمرہ اتباع تابعین میں اس حیثیت سے وہ نہایت ممتاز تھے کہ علم کے ساتھ عمل میں اتنا بلند مقام بہت ہی کم کے نصیب میں آسکا۔ یہ ان کی جلالت مرتبت اورعظمت شان ہی کا ثمرہ تھا کہ سفیان بن عیینہ جیسے فاضل اور امام عصر ان کی از حد تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ ایک بار حسین الجعفی حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے' وہاں ابن عیینہ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو فوراً ملنے تشریف لائے اور فرط عقیدت میں ان کی دست بوسی کی۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن ادریس' ابواسامہ اور کوفہ کے دوسرے بہت سے محدثین وشیوخ ان کی

---

[1] تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۳۵۷ وخلاصہ تذہیب تہذیب الکمال' ص ۸۲۔

[2] اللباب فی الانساب' ج ۲' ص ۲۳۱۔

[3] طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۷۶۔ [4] کتاب الانساب ورق ۱۳۱۔

marfat.com

خدمت میں باریابی کو مایۂ صد افتخار و ناز تصور کرتے تھے۔ علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

وکان مألفاً لاهل القران واهل الخير[1]

''وہ اہل قرآن و اہل الخیر کا مرجع تھے''۔

امام خزرجی نے ''احد الاعلام والزهاد'' اور حافظ ذہبی نے شيخ الاسلام الحافظ المقرئ الزاهد القدوة لکھ کر ان کے فضل وکمال کو سراہا ہے۔[2]

قرآن:

قرأت قرآن میں کامل عبور حاصل تھا۔ اس فن میں انہیں شہرہ آفاق ماہر قرأت سبعہ حمزہ بن حبیب الزیات سے شرف تلمذ حاصل تھا۔[3] مہارت فنی ہی کی وجہ سے شائقین کو قرآن کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

له فضل فارئًا للقران يقرأ الناس.[4]

''وہ بڑے فاضل قرآن کے قاری تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے''۔

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار کسائی سے دریافت کیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا قاری کون ہے؟ جواب دیا: ''حسین بن علی الجعفی''! عجلی بیان کرتے ہیں:

كان يقرأ الناس رأس فيه وكان صالحًا[5]

''وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے اس میں وہ ماہر تھے۔ اور صالح انسان تھے''۔

حدیث:

حدیث نبوی ﷺ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس کی تحصیل انہوں نے کبار ائمہ سے کی تھی۔ اس وقت کبار تابعین کی مجلسیں اجڑ رہی تھیں، لیکن پھر بھی سلیمان الاعمش اور ہشام بن عروہ جیسے علماء علم وفضل کی قندیلیں فروزاں کئے موجود تھے۔ حسین الجعفی نے ان سے پوری طرح کسب ضوء کیا، بالخصوص زائدۃ ان کے دولت کدہ پر خود تشریف لاتے اور حدیث بیان

---

1 طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۷۔ 2 خلاصہ تذہیب، تہذیب الکمال، ص ۷۰، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۲۰۔ 3 ایضاً۔ 4 طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۷۔ 5 تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۵۸۔

marfat.com

کرتے۔ اسی بنا پر شیخ مذکور سے سب سے زیادہ روایت کرنے کا شرف حسین ہی کو حاصل ہے۔

نمایاں اساتذہ حدیث میں مذکور علماء کے علاوہ موسیٰ الجہنی‘ لیث بن ابی سلیم‘ جعفر بن برقان‘ زائدہ‘ فضیل بن مرزوق‘ حسین بن حر‘ ابن ابی داوٗد‘ اسرائیل بن موسیٰ‘ فضیل بن عیاض کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں[1]

درس حدیث اور تلامذہ:

ایک عرصہ تک حسین الجعفی غالباً احتیاط کی بنا پر درس حدیث سے احتراز کرتے رہے۔ لیکن پھر ایک شب انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حشر ونشر کا ہنگامہ کارزار گرم ہے۔ اور ایک منادی صدا لگا رہا ہے کہ علماء جنت میں داخل ہو جائیں۔ انہی کے ہمراہ حسین الجعفی بھی جانے لگے تو یہ کہہ کر انہیں روک دیا گیا کہ:

اجلس لست منهم انت لا تحدث.

”تم بیٹھے رہو تمہارا شمار علماء میں نہیں۔ اس لیے کہ تم حدیث نہیں روایت کرتے تھے“۔

اس کے بعد انہوں نے درس و روایت حدیث کا جو سلسلہ شروع کیا تو آخر عمر تک برابر قائم رکھا۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید حمید بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ:

فلم یزل یحدث فی البرد والحر والمطر حتیٰ کتبنا عنه اکثر من عشرة الاف[2]

”پھر وہ برابر گرمی‘ سردی‘ برسات ہر موسم میں درس حدیث دیتے رہے حتیٰ کہ ہم نے ان سے دس ہزار حدیثوں کی کتابت کی“۔

ان کے خرمن علم کے خوشہ چینوں میں امام احمد‘ اسحاق‘ یحییٰ بن معین‘ محمد بن رافع‘ ابن الفرات‘ عباس الدوری‘ محمد بن عاصم‘ عبداللہ بن ابی عوانہ‘ ابوبکر بن ابی شیبہ‘ ابوکریب‘ ہارون الحمال‘ شجاع بن الخلد‘ ہناد السری‘ ابن ابی عمر‘ عبد بن حمید‘ ابوسعید الرازی اور عراق کے دوسرے بہت سے مشاہیر علماء شامل ہیں“[3]

---

1. طبقات ابن سعد‘ ج ۶‘ ص ۲۲۷ وخلاصہ تذہیب الکمال‘ ص ۸۴۔ 2. خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال‘ ص ۸۴ وتہذیب التہذیب‘ ج ۲‘ ص ۳۵۸۔ 3. کتاب الانساب‘ ورق ۱۳۱ ومرآۃ الجنان‘ ج ۲‘ ص ۸۔

marfat.com

ثقاہت:

علماء و محققین نے بالاتفاق ان کی ثقاہت و عدالت اور تثبت و اتقان کو تسلیم کیا ہے۔ محمد بن عبدالرحمٰن ہروی کہتے ہیں "ما رأیت اتقن منہ"[1] احمد العجلی کا بیان ہے "کان ثقۃ"[2] عثمان بن ابی شیبہ کا قول ہے "بخ بخ ثقۃ صدوق"۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابن سعد اور ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے۔

زہد و عبادت:

انہوں نے پوری زندگی حالت تجرد میں گزار دی، بلاشبہ انسانی زندگی کا یہ نہایت پر از محن مرحلہ ہوتا ہے، جس سے شاذ و نادر ہی کوئی کامیابی سے گزرتا ہے۔ لیکن حسین الجعفی کا دامن زہد و ورع بہت پاک و صاف رہا، غالباً اسی بنا پر وہ بکثرت عبادت کرتے تھے تاکہ دنیا اور اس کے مزخرفات سے قطعی بے التفاتی اور بے رغبتی رہے، چنانچہ ان کی کتاب زندگی میں اس باب کو بڑی اہمیت و عظمت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ علامہ ابن جوزی رقمطراز ہیں:

كان من العلماء العباد.[3]

"وہ عبادت گزار علماء میں تھے۔"

ابن سعد لکھتے ہیں "کان عابداً ناسکا"[4] یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ:

ان بقى احد من الابدال فحسين الجعفى.[5]

"اگر صوفیہ میں کوئی باقی رہا تو وہ حسین الجعفی ہیں"۔

حافظ ذہبی خامہ ریز ہیں:

كان مع تقدمه فى العلم رأسا فى الزهد والعبادة.[6]

"وہ باایں علم و فضل، زہد و تقویٰ میں بھی بلند مرتبہ تھے"۔

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۵۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۲۰۔

[3] صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۴۔ [4] ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۶۔

[5] العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۳۳۹۔ [6] ایضاً، ص ۳۳۹۔

marfat.com

مناقب وفضائل:

اوپر مذکور ہوا کہ وہ تمام زندگی مجرد رہے اور ۸۴ برس پر محیط اس طویل ترین مدت کا بیشتر حصہ مسجد میں درس وتدریس اور عبادت وریاضت میں گزارا۔ ابن سعد کی روایت ہے ساٹھ سال تک مسلسل مسجد جعفی میں اذان دی۔ خوف وخشیت الٰہی اس درجہ غالب تھا کہ زندگی بھر نہ تو ہنسے اور نہ مسکرائے۔ حجاج بن حمزہ بیان کرتے ہیں کہ:

مارأیت حسینا الجعفی ضاحکاً ولا متبسمًا ولا سمعت منه کلمة رکن فیها الی الدنیا۔[1]

''میں نے حسین الجعفی کو کبھی ہنستے اور مسکراتے نہیں دیکھا۔ اور نہ کوئی ایسی بات ان کے منہ سے سنی جس میں دنیا کی طرف کوئی میلان ظاہر ہو''۔

ایک مرتبہ خلیفہ وقت ہارون الرشید سے مکہ میں ملاقات ہوگئی۔ خلیفہ نے سلام عرض کیا جب انہیں علم ہوا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں تو بڑی جامع نصیحت فرمائی۔

یاحسن الوجه انت مسئول عن هذا الخلق کلهم۔[2]

''اے حسین چہرے والے تو اس ساری خلق خدا کا ذمہ دار ہے''۔

خلیفہ یہ سن کر رونے لگا۔

علماء کی رائے:

تمام فضلاء وعلماء نے ان کے جلالت علم وعمل کا برملا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد کا ارشاد ہے کہ میں نے کوفہ میں حسین الجعفی سے بڑا کوئی فاضل نہیں دیکھا۔ وہ تو بالکل راہب تھے۔[3] ابومسعود الرازی کہتے ہیں ''افضل من رایت الحفری و حسین الجعفی''۔[4] احمد العجلی کا بیان ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۳۵۸۔ [2] کتاب صفوۃ الصفوۃ ج ۳، ص ۱۰۵۔

[3] مرآۃ الجنان ج ۲، ص ۸ والعبر جلد ۱، ص ۳۴۱ وخلاصہ تذہیب ص ۸۴ وصفوۃ الصفوۃ ج ۳، ص ۱۰۴۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۳۵۸۔

marfat.com

وکان صالحًا لم ارجلاً قط افضل منہ وکان صحیح الکتاب[1]

''وہ نیک انسان تھے، میں نے ان سے افضل کوئی انسان نہیں دیکھا وہ صحیح الکتاب تھے''۔

سفیان ثوری کا قول ہے: ''ھذا راھب''۔

حلیہ:

نہایت حسین اور خوبرو تھے۔[2]

وفات:

ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ذی القعدہ ۲۰۳ھ میں بمقام کوفہ انتقال فرمایا[3] اس وقت ۴۸ سال کی عمر تھی[4] سنہ وفات کے متعلق ۲۰۴ھ کا بھی قول ملتا ہے۔ لیکن امام بخاری، ابن سعد، ابن قانع، مطین اور ابن حبان نے اول الذکر ہی کو بالجزم صحیح ترین قرار دیا ہے۔

[1] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۲۰۔ [2] تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۵۸۔ [3] طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۷ وصفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۵۔ [4] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۲۰۔

marfat.com

قاسم بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قاسم نام اور ابوالمغیرۃ کنیت تھی۔[1] پورا نسب نامہ یہ ہے قاسم بن الفضل بن معدان بن قریط[2] قبیلہ ازد کی ایک شاخ بنولحی سے خاندانی تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان بصرہ کے حدان نامی محلہ میں آباد ہوگیا تھا۔ اسی بنا پر قاسم بن الفضل ازدی' حدانی اور بصری تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔[3]

علم وفضل:

علمی اعتبار سے وہ اپنے عہد کے ممتاز امام شمار ہوتے تھے۔ محمد بن سیرین اور قتادہ جیسے اکابر تابعین کے فیض صحبت وتربیت نے انہیں حدیث کا امام بنا دیا تھا حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی بھی جوفن جرح وتعدیل میں نہایت جلیل المرتبت تھے' بصد فخر وابتہاج ان سے اپنے تلمذ کا ذکر کرتے تھے۔

حدیث:

حدیث کی تحصیل انہوں نے بکثرت شیوخ سے کی تھی۔ جن میں کبار تابعین اور ممتاز اتباع تابعین دونوں طبقے شامل ہیں۔ چند مشہور اسمائے گرامی یہ ہیں' محمد بن سیرین' قتادہ بن دعامہ' ابی بصرہ' محمد بن زیاد الجمحی' ثمامہ بن حزن' القشیری' سعد بن المہلب' نضر بن شیبان' محمد بن علی بن الحسین' یوسف بن سعد' لطہ بن الفرزدق۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد' ج ۷' ص ۴۰۔ [2] تہذیب التہذیب' ج ۸' ص ۳۲۹۔

[3] اللباب فی الانساب' ج ۱' ص ۲۸۴۔ [4] العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۵۱۔

marfat.com

تلامذہ:

ان کے ابر فیض سے بہرہ یاب ہونے والوں میں امام وکیع، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، یونس بن محمد، ابو داؤد الطیالسی، عبداللہ بن معاویہ اللخمی، شیبان بن فروخ، ابن ہشام الحر ومی، نضر بن شمیل، بہز بن اسد، عبداللہ بن المبارک، قبیصہ، موسیٰ بن اسماعیل، مسلم بن ابراہیم، ابوالولید الطیالسی کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں[1]

ثقاہت:

ان کی عدالت وثقاہت اور تثبت فی الحدیث پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی اپنے مایۂ فخر استاذ کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ ھو من مشائخنا الثقات[2] انہی کا دوسرا قول ہے:

کان من قدماء اشیاخنا ومع ذلک من ثبتھم.

''وہ ہمارے متقدم شیوخ میں تھے اس کے ساتھ ہی ان میں سب سے زیادہ تثبت رکھتے تھے''۔

ابن شاہین نے کتاب الثقات میں لکھا ہے:

قاسم بن الفضل من ثقات الناس.

''قاسم بن الفضل ثقہ لوگوں میں ہیں''۔

علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید القطان، امام احمد، ابن معین، نسائی، ترمذی اور ابن سعد سب نے بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔[3]

صرف عقیلی اور ابن عمر نے ان کا ذکر ضعفاء کی فہرست میں کیا ہے۔لیکن علامہ

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۲۹۔

[2] العبر، ج ۱، ص ۲۵۱۔

[3] خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال، ص ۳۱۳ و طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۴۰۔

marfat.com

ذہبی نے ان کی سخت تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”ان لوگوں نے کوئی ایسی دلیل اپنے دعویٰ پر پیش نہیں کی جس سے فی الواقع قاسم کا ضعف ثابت ہو سکے“[1]

وفات:

۱۶۷ھ میں بمقام بصرہ داعی اجل کو لبیک کہا[2]

---

[1] میزان الاعتدال' ج ۲' ص ۳۴۳۔

[2] العبر فی خبر من غبر' ج ۱' ص ۲۵۱ و تہذیب التہذیب' ج ۸' ص ۳۲۰۔

marfat.com

حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

حفص نام اور کنیت ابوعمر تھی۔ پورا نسب نامہ یہ ہے۔ حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک بن الحارث بن ثعلبہ بن عامر بن ربیعہ بن جشم بن وھبیل بن سعد بن مالک بن النخع[1] یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی نخع نامی ایک شاخ کوفہ میں آباد ہوگئی تھی۔ اسی خاندانی تعلق کی بنا پر نخعی کہلاتے ہیں[2]

پیدائش اور وطن:

ابوعمر کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں ہوئی۔ خود ان ہی کی زبانی منقول ہے کہ "ولدت سنة سبع عشرة ومائة"[3] کوفہ کی اس مردم خیز سرزمین کو ان کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے، جس کی خاک سے علماء وفضلاء کی کئی نسلیں اٹھی تھیں۔

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے ابوعمر کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ انہوں نے مشاہیر تابعین سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ حدیث وفقہ میں پوری مہارت رکھنے کے ساتھ استغناء و بے نیازی حفظ واتقان اور سیر چشمی وفراخ دستی کا پیکر مجسم تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے:

اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث.

"امام اعمش کے تلامذہ میں حفظ بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ تھے"۔

ابن معین کا بیان ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۲۔ [2] کتاب الانساب ورق ۵۵۷۔

[3] تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۷۲ وابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۲۔ [4] تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۲۰۰۔

marfat.com

كان حفص بن غياث صاحب حديث له معرفة.

''حفص بن غیاث محدث تھے اور انہیں اس میں پوری معرفت حاصل تھی''۔

ابن القطان کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں ان تین کے مثل نہیں دیکھا یعنی حزام' حفص اور ابن ابی زائدہ۔ یہ سب اصحاب حدیث تھے۔[1]

حدیث:

ابو عمر حفص اکابر حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہزاروں روایات انہیں زبانی یاد تھیں۔ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

كان حفص كثيرا الحديث حافظًا له ثبتا فيه و كان ايضًا مقدمًا عند المشائخ اللذين سمع منهم الحديث۔[2]

''حفص بن غیاث کثیر الحدیث' حافظ اور ثقہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شیوخ سے بھی بلند مرتبہ تھے''۔

امام اعمش کے محبوب اور ارشد تلامذہ میں تھے۔ حتیٰ کہ ان کے حلقہ درس میں سوائے حفص اور ابو معاویہ کے کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انہوں نے جن محدثین سے سماع حاصل کیا تھا ان میں امام اعمش کے علاوہ ہشام بن عروہ' یحییٰ بن سعید الانصاری' سفیان ثوری' عاصم الاحول' ابن جریج' اسماعیل بن ابی خالد' عبیداللہ بن عمر' معصب بن سلیم' ابی مالک الاشجعی' جعفر الصادق' ابواسحاق الشیبانی' لیث بن ابی سلیم' مسعر بن کدام وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے' جن میں سے کچھ ممتاز یہ ہیں' عمر بن حفص' ابونعیم' عفان بن مسلم' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' ابوخیثمہ زہیر بن حرب' حسن بن عرفہ' اسحاق بن راہویہ' یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری' عمرو بن محمد الناقد۔ ان کے علاوہ کوفہ کے دوسرے تمام محدثین ان سے مستفید ہوئے۔

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۸' ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ [2] ایضاً' ص ۱۹۴۔

marfat.com

منصب قضا:

ان کی زندگی کا سب سے زرین صفحہ قضاء و افتاء کے سلسلہ میں ان کی خدمات ہیں۔ کوفہ و بغداد میں وہ سالہا سال تک اس منصب کی زینت بنے رہے۔ بغداد کے مشرقی ومغربی حصوں میں ہمیشہ علیحدہ علیحدہ دو قاضیوں کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ سب سے پہلے ۱۷۷ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں شرق بغداد کے منصب قضا پر فائز کیا تھا۔ اس وقت قاضی حفص کی عمر ۶۰ سال تھی۔ دو سال تک وہ بہت شوکت و دبدبہ کے ساتھ بغداد کے قاضی رہے۔ خلیفہ ان کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا۔ اوران کے عدالتی فیصلوں کو بہت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی اثناء میں قاضی حفص نے ایک قرض دار مجوسی سردار کے مقدمہ میں دلائل وشواہد کی بنیاد پر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۲۹ ہزار کے اس قرض کا کچھ تعلق امام جعفر سے بھی تھا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ قاضی حفص کومعزول کر دیں۔ لیکن ہارون الرشید اس کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوا' بلکہ وہ اس بے لاگ فیصلہ سے اس قدر مسرور ہوا کہ اس نے حفص بن غیاث کوتیس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔

لیکن پھر جب ان کی معزولی کے لیے امام جعفر کا دباؤ حد سے زیادہ ہوا تو ہارون نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ جہاں انہوں نے پوری شان سے ۱۳ سال تک اس منصب کی عزت بڑھائے رکھی۔

قاضی حفص نے کوفہ و بغداد کو ملا کر تقریباً ۱۵ سال تک اس فرض کو انجام دیا۔ اس طویل مدت میں انہوں نے کبھی بھی اس اعلیٰ عہدہ کی شان سے فروتر کوئی بات نہیں کی۔ جرأت، غیر جانبداری' حق گوئی اور بے باکی سے وہ زیر بحث قضایا میں اپنی رائے اور فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے' اس میں نہ تو کسی صاحب اقتدار کی پرواہ کرتے اورنہ ارباب ثروت کو خاطر میں لاتے' بلکہ کتاب و سنت اور دلائل نظائر کی روشنی میں جو بات قرین حق وانصاف معلوم ہوتی اسے بے باکانہ طور پر ظاہر کر دیتے تھے۔

ہشام الرفاعی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حفص بن غیاث مسند قضا پر بیٹھے اپنے کام میں منہمک تھے کہ خلیفہ ہارون کا قاصد ان کی طلبی کا پروانہ لے کر حاضر ہوا۔ قاضی حفص

marfat.com

نے اس سے کہا کہ مقدمات سے فارغ ہو کر آؤں گا۔ کیونکہ میں عوام کا خادم ہو۔ چنانچہ وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھے جب تک کہ تمام مقدمات کو فیصل کر کے فارغ نہ ہوگئے۔ اس منصب کی کڑی آزمائشوں سے وہ ہمہ وقت لرزاں رہا کرتے تھے اور اکثر بلک بلک کر رویا کرتے کہ ایسا گرانبار فریضہ میرے ناتواں کاندھوں پر لاد دیا گیا ہے' نہ معلوم اس سے کما حقہ' عہدہ برآ ہو رہا ہوں یا نہیں' انہی کا قول ہے:

لان یدخل الرجل اصبعه فی عینه فیقة لعها فیری بها خیرله من ان یکون قاضیًا[1]

''آدمی اپنی انگلی آنکھوں میں ڈال کر اسے نکال پھینکے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قضا کا کام کرلے''۔

لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ انہوں نے عہدہ قضا کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کیا۔ دوسرے قضاۃ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے ان کی اس حیثیت کو بہت نمایاں طور پر اجاگر کیا ہے۔ امام وکیع سے جب بھی کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے: ''اذھبوا الی قاضیا فاسئلوہ''۔ ولید بن ابی بذر کہتے ہیں کہ جب قاضی حفص منصب قضا سے سبکدوش ہوئے تو امام وکیع نے فرمایا: ''ذھبت القضاہ بعد حفص''[2] سجادہ کا بیان کہ حفص پر قضاءت کا خاتمہ ہوگیا۔[3]

حفظ واتقان:

قاضی حفص کا حافظہ بھی نہایت قوی تھا' ہزاروں حدیثیں مع اسناد ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں' جنہیں اپنے تلامذہ کے سامنے بغیر کتاب روایت کیا کرتے تھے۔ ابن معین کا بیان ہے کہ:

جمیع ما حدث به حفص ببغداد والکوفة انما هو من حفظه لم یخرج کتابًا کتبوا عنه ثلاث الاف او اربعة الاف حدیث من حفظه[4]

---

[1] تہذیب التہذیب' ج ۲' ص ۴۱۵۔۴۱۶۔ [2] اخبار القضاۃ' ج ۳' ص ۱۸۴۔ [3] العبر فی خبر من غبر' ص ۳۱۴۔ [4] تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۷۲ و میزان الاعتدال' ج ۱' ص ۲۶۶۔

marfat.com

"بغداد اور کوفہ میں حفص نے جتنی بھی حدیثیں روایت کیں سب صرف اپنے حافظہ سے بغیر کتاب کے بیان کیں۔ لوگوں نے اس طرح ان سے تین یا چار ہزار حدیثیں لکھی"۔

لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ قاضی ہو جانے کے بعد ان کے قوت حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوزرعہ کا قول ہے:

ساء حفظه بعد مااستقضى فمن كتب عنه من كتاب فهو صالح[1]

"قاضی بن جانے کے بعد وہ سوء حافظہ کا شکار ہو گئے تھے اس لیے جو ان کی کتاب سے روایت کرلے وہ قابل قبول ہے"۔

ثقاہت:

حفص بن غیاث کی عدالت وثقاہت پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ بلکہ ان کے مرتبہ تثبت واتقان کو بعض نے دوسرے کبار محدثین سے ارفع واعلیٰ قرار دیا ہے۔ ابوحاتم کا قول ہے۔ "حفص اتقن واحفظ من ابی خالد الاحمر" "ابن معین کہتے ہیں" حفص اثبت من عبدالواحد بن زیاد" اس کے علاوہ ابن خراش، یعقوب بن شیبہ اور عجلی وغیرہ نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔ ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔[2]

آخر میں عمر کی کبر سنی کی بنا پر نسیان کا غلبہ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے کبھی روایات میں فرق ہو جاتا تھا اور بعض اوقات تدلیس کا شبہ ہو جاتا تھا۔ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة مامونا كثيرا الحديث الا انه كان يدلس[3]

"وہ ثقہ اور مومن اور کثیر الحدیث تھے مگر وہ تدلیس بھی کرتے تھے"۔

ظاہر ہے کہ نسیان سے پہلے حفص بن غیاث کی ثقاہت مسلم تھی۔

کثرت احتیاط:

کسب حلال میں فرط احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اپنے عہدہ قضا کے دوران ایک مرتبہ

---

[1] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، ص ۱۸۰۔ [2] تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۴۱۷۔ [3] طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۲۷۲۔

marfat.com

پندرہ روز تک علالت کی بنا پر فرائض منصبی انجام نہ دے سکے چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد سو درہم یہ کہہ کر عامل کو واپس بھجوا دیئے کہ:

هذه رزق خمسة عشرة يومًا لم احكرفيها بين المسليمين لا حظ لي فيها[1]

''یہ ان پندرہ روز کا خرچ ہے جس میں میں نے مسلمانوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اس لیے اس رقم کو لینے کا مجھے کوئی حق نہیں''۔

استغنا:

قاضی حفص بغداد و کوفہ کے (چیف جسٹس) تھے' جو حکومت کا بلند ترین عہدہ ہے۔ دنیا اور اس کے الوان ونعم ان کے قدموں میں ڈھیر تھے' لیکن ان کی بے نیازی اور استغنا بھی اس مرتبہ و مقام کی نسبت سے ارفع تھی۔ سرکاری خزانہ سے انہیں تین سو درہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا' لیکن وہ اس میں سے اپنے جملہ مصارف کے لیے صرف سو درہم رکھ کر باقی مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔[2]

سیر چشمی:

اسی کے ساتھ وہ بہت ہی سیر چشم اور سخی واقع ہوئے تھے۔ ابھی مذکور ہوا کہ اپنی تنخواہ میں وہ صرف سو درہم رکھتے اور ان کو بڑی فراخ دستی کے ساتھ خرچ کر ڈالتے تھے۔ ان کا دسترخوان بڑا وسیع ہوتا تھا' جس میں ان کے تلامذہ کے علاوہ بہت سے مقامی و بیرونی لوگ بھی شریک رہتے تھے' مزید برآں گاہ بگاہ پوری بستی کی دعوت بھی کرتے تھے۔ امام وکیع کا قول ہے ''وكان سخيًا عفيفًا مسلمًا''[3] ابوجعفر المسندی کہتے ہیں:

كان حفص بن غياث من اسخى العرب وكان يقول من لم ياكل من طعامي الا احدثه واذا كان يوم ضيافته لا يبقى راس من الرواسيين.

''حفص بن غیاث عرب کے سب سے زیادہ سخی آدمی تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے

---

[1] تاریخ بغداد' ج ۸' ص ۱۹۱۔ [2] تاریخ بغداد' ج ۸' ص ۱۹۴۔ [3] تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۷۲۔

marfat.com

کہ جو شخص میرا کھانا نہیں کھائے گا اس سے میں حدیث بیان نہیں کروں گا۔ جب ان کے یہاں دعوت کا دن ہوتا تو رواس کا کوئی شخص اس میں شرکت سے باقی نہیں رہتا تھا''۔

اسی فراخ دستی کا نتیجہ تھا کہ وہ عمر بھر عسرت کا شکار رہے۔ اور رحلت کے وقت نہ صرف یہ کہ ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا بلکہ نو سو درہم کے مقروض نکلے جو ان کی پسماندگان نے ادا کیا۔

حلیہ:

قاضی حفص کے تفصیلی حلیہ کا تو ذکر نہیں ملتا' لیکن ابو بکر بن غیاث کے اس قول سے کچھ روشنی ملتی ہے' کہ جتنے نوجوان ہمارے پاس آتے ہیں ان میں حسن صورت کے اعتبار سے حفص بن غیاث کا کوئی ہمسر نہیں۔[1]

وفات:

تاحیات ان کی یہ دلی تمنا رہی کہ وفات کے وقت قضاۃ کی زنجیروں سے آزاد ہوں۔ خداوند قدوس نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی اور وفات کے دو سال قبل عہدہ قضا سے ان کی علیحدگی کے سامان فراہم کر دیئے۔

ملازمت سے سبکدوشی کے بعد فالج کا شکار ہو گئے اور بالآخر امین کے عہد خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۴ھ کو ان کی شمع حیات گل ہوئی۔[2] امیر کوفہ فضل بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔[3]

---

[1] تہذیب التہذیب' ج ۲' ۴۱۷۔

[2] طبقات ابن سعد' ج ۶' ص ۲۷۲۔

[3] تاریخ بغداد' ج ۸' ص ۲۰۰۔

marfat.com

حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ

اس نام کے دو بزرگ اس عہد میں مشہور ہوئے اور دونوں کی امامت فی الحدیث اور جلالت شان پر علماء کا اتفاق ہے۔ حماد بن زید حصول علم کے بعد دولت بینائی سے محروم بھی ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعث فخر جانتے تھے۔

نام ونسب:

حماد نام اور ابو سہیل کنیت تھی۔ والد کا نام زید تھا[1] جریر بن حازم کے خاندان کے غلام تھے۔ ان کے دادا درہم بجستان کی جنگ میں گرفتار کر کے غلام بنا لیے گئے تھے۔[2]

ولادت:

ان کی ولادت اپنے وطن بصرہ میں ۹۸ھ میں ہوئی۔[3]

شیوخ:

حماد بن زید نے جن علمی سرچشموں سے استفادہ کیا ان میں سے چند ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں:
انس بن سیرین، ابو عمران الجونی، ثابت البنانی، عبدالعزیز بن صہیب، عاصم الاحول، محمد بن زیاد القرشی، سلمہ بن دینار، صالح بن کیسان، عمرو بن دینار، ہشام بن عروہ اور عبیداللہ بن عمر[3]

تلامذہ:

حماد بن زید کے منبع فیض سے جو تشنگان علم سیراب ہوئے اس میں جلیل القدر اتباع تابعین کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ کچھ ممتاز نام درج ذیل ہیں:

---

[1] العبر فی خبر من غبر، ج ۱ص ۲۷۴۔ [2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج ۱ص ۲۰۶۔
[3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۲۷۶۔

marfat.com

عبدالرحمٰن بن مہدی، علی بن مدینی[1] عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، مسلم بن ابراہیم، مسدد، سلیمان بن حرب، عمرو بن عوف، ابوالاشعث احمد بن المقدام[2]

علم وفضل:

حماد بن زید کو مشہور تابعی ایوب سختیانی کی خدمت میں بیس سال تک رہنے کی سعادت نصیب ہوئی[3] یحییٰ کہتے ہیں کہ اس طویل مدت میں سوائے حماد کے ایوب سختیانی کا کوئی اور شاگرد حدیثوں کی کتابت نہیں کرتا تھا۔ ابن خیثمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا، کیا حماد لکھنا بھی جانتے تھے؟ فرمایا:

انا رایته واتینه یوم مطر فرایته یکتب ثم ینفخ فیه لیجفد[4]

''ایک مرتبہ بارش کے دن میں حماد کے پاس آیا تو میں نے خود دیکھا کہ وہ لکھتے جاتے تھے اور پھر پھونک مار کر اس کو خشک کرتے تھے''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء سے نابینا نہیں تھے بلکہ ان کی بینائی ایک عمر کے بعد جاتی رہی تھی، مگر انہوں نے اپنی نابینائی کا اثر اپنے علم وفضل پر نہیں ہونے دیا، بعض لوگ ان کی نابینائی کی وجہ سے ان کے حفظ وثقاہت پر کلام کرتے ہیں۔ مگر حافظ ذہبی جیسے مستند محقق نے انہیں ''الامام الحفظ لمجود شیخ العراق '' کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔[5] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام عالی مقام ہیں جن کی جلالت، شان اور بلندی مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔[6] علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ حماد ثقہ، قابل اعتماد، برہان حق اور کثیر الحدیث تھے۔[7]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۰۲۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۹۔

[3] تہذیب الاسماء ج ا ص ۱۶۷۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۹۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۰۲۔ [6] تہذیب الاسماء واللغات ج ا ص ۱۶۷۔

[7] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔

marfat.com

ائمہ علم کا اعتراف:

تمام معاصر ائمۂ حدیث نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ ابن مہدی کا بیان ہے کہ اپنے اپنے زمانہ کے ائمہ چار ہیں۔ کوفہ میں ثوری' حجاز میں مالک' شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید[1] یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے زیادہ حافظ روایت کسی کو نہیں دیکھا۔[2]

فطر بن حماد بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اہل بصرہ میں صرف حماد بن زید کو دریافت کیا۔[3] ابن معین کا قول ہے کہ اتقان فی الحدیث میں حماد بن زید کے مرتبہ کا کوئی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل ان کا ذکر بہت ہی عظمت اور عزت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں کہ:

هو من ائمة المسلمين من اهل الدين هو احب الى من حماد بن سلمه[4]

''وہ مسلمانوں کے امام اور بڑے دین دار ہیں اور وہ مجھے حماد بن سلمہ سے بھی زیادہ پسند ہیں''۔

ابن مہدی کا ایک دوسرا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا اور نہ علم میں حماد' مالک اور سفیان سے افضل و اعلیٰ کسی کو پایا۔ ایک روایت میں ابن مہدی کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں کہ میں نے حماد سے بڑا کوئی عالم دیکھا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ سفیان اور مالک کو بھی حماد سے بڑا عالم نہیں پایا۔

ابو عاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا۔[5] محمد بن مصطفےٰ کا بیان ہے کہ انہوں نے بقیہ کو کہتے ہوئے سنا:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔ [2] العبر ج ۱ ص ۲۷۴۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۶۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔

marfat.com

ما رایت فی العراق مثل حماد بن زید[1]

''میں نے عراق میں حماد بن زید جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا''۔

وکیع بن جراح کہتے ہیں کہ ہم لوگ علم وفضل میں حماد کو مسعر بن کدام سے تشبیہ[2] دیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن معاویہ کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن زید سے بھی حدیثیں سنی ہیں اور حماد بن سلمہ سے بھی، لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو دینار اور درہم میں ہوتا ہے۔[3]

حافظہ:

قوت حافظہ کے لحاظ سے بھی حماد بن زید معاصر ائمہ وعلماء میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔[4] ابن عیینہ کا بیان ہے کہ سفیان ثوری کو اکثر میں نے ان کے سامنے دوزانو بیٹھے دیکھا ہے۔[5]

احتیاط:

بایں ہمہ علم وفضل حماد بن زید روایت حدیث میں بہت احتیاط برتتے تھے یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ حماد بن زید، حماد بن سلمہ اور دوسرے بہت سے ائمہ ثقات سے زیادہ قابل وثوق ہیں، مگر ان میں کمزوری یہ تھی کہ وہ اسانید کو مختصر کر دیتے تھے اور کبھی مرفوع کو موقوف بنا دیتے تھے۔ وہ غایت احتیاط کی بنا پر بڑے شکی ہوگئے تھے، بڑے عظیم المرتبت تھے، ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی جس کی طرف رجوع کر سکتے۔ اس وجہ سے کہیں وہ موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرتے اور کبھی واقعی مرفوع حدیث بیان کرتے وقت بھی خوف سے لرزاں رہتے تھے۔[6]

فقہ:

حماد بن زید حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی بلند وممتاز مقام رکھتے تھے۔ ابو اسامہ

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۷۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۷۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۔

marfat.com

کہا کرتے تھے۔

کنت اذا رایت حماد بن زید قلت ادبہ کسریٰ وفقھہ عمر رضی اللہ عنہ [1]

''تم جب حماد کو دیکھو گے تو کہو گے کہ ان کو کسریٰ نے ادب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ سکھایا ہے''۔

ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا[2]

فہم ودانش:

دنیوی امور میں بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ خالد بن فراش کا بیان ہے کہ حماد بن زید عقلائے روزگار اور دانشوران زمن میں سے تھے'[3] ابن البطاع کا قول ہے کہ میں نے حماد بن زید سے بڑا عقلمند کوئی نہیں دیکھا[4]

وفات:

رمضان ۱۷۹ھ میں بصرہ میں علم وفضل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۷۔ [2] تہذیب التھذیب ج ۳ ص ۱۰۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۶۔ [4] ایضاً۔

[5] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷۴۔

marfat.com

حماد بن سلمہ

اس نام کے یہ دوسرے بزرگ ہیں جن کا شمار ممتاز اتباع تابعین میں ہوتا ہے علم وفضل کے ساتھ ان کا خاص امتیاز ان کا زہد واتقا اور تدوین حدیث ہے۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ:

هو اول من صنف التصانيف مع ابن ابی عروبة[1]

''یہ ان اشخاص میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف وتالیف میں حصہ لیا''۔

نام ونسب:

حماد نام اور ابوسلمہ کنیت تھی' یہ بنوتمیم کے غلام تھے[2]

تحصیل علم:

یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ ان کی ابتدائی تعلیم کہاں شروع ہوئی' مگر اس وقت بصرہ دینی علوم کا ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا' وہاں علوم دینیہ کے علاوہ ادب والفت اور نحو وصرف کا بھی چرچا تھا' اس لیے اغلب ہے کہ حماد نے بھی عام رواج کے مطابق ان تمام علوم میں ضرور کمال حاصل کیا ہوگا' چنانچہ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

كان فصيحًا مفوهًا امامًا فی العربية[3]

''وہ فصیح بولنے والے اور عربیت کے امام تھے''۔

امام ذہبیؒ نے دوسرے القاب کے ساتھ النحوی بھی لکھا ہے[4]

شیوخ:

ان کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے' جس میں بے شمار ممتاز تابعین

---

1. تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۱۸۲۔ 2. صفوۃ الصفوہ ج ۳ ص ۲۷۳۔
3. شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۶۲۔ 4. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۲۔

marfat.com

بھی شامل ہیں چند تابعین کے اسمائے گرامی شمار کرانے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وخلق کثیر من التابعین فمن بعدھم[1]

''ان کے علاوہ تابعین کے ایک کثیر گروہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اس طرح ان کے بعد کے لوگوں سے بھی''۔

چنانچہ انہوں نے مختلف اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ان کی بے شمار حدیثوں کے حافظ اور فقہ و فتاویٰ کے وارث بن گئے' بالخصوص حدیث میں وہ مشہور تابعی شیخ ثابت البنانی اور حمید الطویل کی روایات کے خاص حامل تھے[2]۔

تلامذہ:

زندگی کا بیشتر حصہ بصرہ میں گزارا اور وہیں انہوں نے درس وافادہ کی مجلس گرم کی' ان کے حلقہ درس میں بلا شبہ لاتعداد لوگوں نے فقہ حدیث کی تحصیل کی' مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابن جریج' شعبہ بن الحجاج' یہ دونوں حضرات عمر میں حماد سے بڑے تھے اور شعبہ تو امام وقت تھے بایں ہمہ انہوں نے ان سے استفادہ کیا تھا' عبداللہ بن مبارک' عبدالرحمن بن مہدی' یحییٰ بن سعید القطان' امام ابو داؤد طیالسی۔

امام ابو داؤد طیالسی کہتے ہیں کہ ہم نے حماد بن سلمہ' قیس ابن الربیع اور ابو عوانہ تینوں صاحبان نے بواسطہ سماک بن حرب عن ابن المعتمر الکنانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

''جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ کچھ لوگوں نے شیر کو پھنسانے کے لیے ایک گڑھا کھودا اور جب شیر اس میں گرا تو اس کو دیکھنے کے لیے بڑا ہجوم ہوا' ہجوم میں دھکا کھا کر ایک شخص گڑھے میں گرا اور گرتے وقت اس نے دوسرے شخص کا سہارا لینے کی کوشش کی' چنانچہ وہ جھٹکا کھا کر گرا چاہتا تھا کہ اس نے تیسرے کو پکڑ لیا' اور تیسرے نے چوتھے کو' اس طرح چاروں گر پڑے اور شیر نے ان سب کو پھاڑ ڈالا اور وہ مر گئے' یہ اشخاص جن جن قبائل کے تھے۔ ان میں خون بہا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۲۔ [2] ایضاً۔

marfat.com

کے لیے شدید اختلاف ہوا اور نوبت جنگ کی پہنچ گئی' حضرت علی کو اطلاع ہوئی تو وہ موقع پر پہنچے اور سمجھایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ چار آدمیوں کی جگہ دو سو مزید آدمیوں کا خون بہہ جائے۔ اگر تم راضی ہو تو میں فیصلہ کر دوں' ورنہ پھر یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرو' وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے' آپ نے فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے گڑھا کھودا ہے وہ دیت ادا کریں اور دیت اس طرح تقسیم ہو گی کہ پہلے شخص کے ورثا کو ۴/۱ دیت' دوسرے کے ورثا ۳/۱' تیسرے کے ورثا ۲/۱ اور چوتھے کو پوری دیت' چنانچہ بعض لوگ تو اس فیصلہ پر راضی ہو گئے اور بعض راضی نہیں ہوئے' اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قصہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''میں اس کا فیصلہ کروں گا' اسی اثنا میں ایک شخص نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''القضا کما قضیٰ علی '' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا وہی صحیح ہے۔''

یہ تو حماد کا بیان ہے' اور قیس جو دوسرے راوی ہیں کہتے ہیں کہ:

قاضیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم قضاء علی رضی الله عنه.

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو نافذ فرمایا''۔

اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں' جن کے راوی محض حماد بن سلمہ ہیں' وہ حدیث کے بیان کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے' اسی احتیاط کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ حدیث نبوی ﷺ کی روایت بالکل ترک کر دیں' مگر ان کے استاد ایوب سختیانی نے خواب میں انہیں روایت حدیث کا حکم دیا' تو وہ آمادہ ہو گئے' چنانچہ حافظ ذہبی خود حماد بن سلمہ کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

ما کان من نیتی ان احدث حتیٰ قال لی ایوب فی النوم حدث[1]

''حدیث بیان کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا حتیٰ کہ ابو ایوب نے مجھے خواب میں تحدیث کا حکم دیا''۔

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۳۔

marfat.com

ابن مدینی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن ضریس کے پاس دس ہزار حدیثیں تھیں، جو حماد بن سلمہ سے مروی ہیں[1]

ذریعہ معاش:

امام وقت ہوتے ہوئے وہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، مگر یہ کاروبار بھی محض رزق کفاف کے لیے تھا چنانچہ سوار بن عبداللہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

کنت اتی حماد بن سلمة فی سوقه فاذا اربح فی ثوب حبة او حبتین شد جیوبه وقام[2]

''میں بازار میں حماد بن سلمہ کی دوکان پر آیا تھا، جب کسی کپڑے میں ایک دو حبہ فائدہ ہو گیا، وہ فوراً دوکان اٹھا دیتے تھے''۔

یعنی جہاں سد رمق کا انتظام ہو کاروبار بند کر دیا۔

ہم عصر علماء کی رائے:

حفظ و ثقاہت میں حماد بن سلمہ کم از کم اپنے معاصرین میں مفقود النظیر تھے، مگر آخر عمر میں سوء حفظ کی شکایت پیدا ہو گئی تھی، اس لیے محدثین نے ان کی روایتوں پر جرح کی ہے، امام بخاری نے ان سے روایت تو نہیں کی ہے مگر ان سے استشہاد کیا ہے، جس سے حماد بن سلمہ کی ثقاہت کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، امام مسلم نے ان سے متعدد روایتیں کی ہیں۔ امام بیہقی لکھتے ہیں:

هو احد ائمة المسلمين الا انه لما كبر ساء حفظه فلذا تركه البخاری واما مسلم فاجتهد واخرج من حديثه من ثابت ماسمع منه قبل تغيره[3]

''وہ مسلمانوں کے ایک امام ہیں مگر بڑھاپے میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اسی لیے امام بخاری نے اس سے روایتیں نہیں کی ہیں، مگر امام مسلم نے اجتہاد کیا اور سوء حفظ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ثابت البنانی کے واسطے سے ہیں

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۶۲۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۴۔

marfat.com

ان کو انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے''۔

کچھ تو سوءِ حفظ کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کی کتابوں میں کچھ لوگوں نے الحاق کر دیا تھا' ان کی روایتیں بعض محدثین کی نظر میں مشتبہ ہوگئی تھیں' سوءِ حفظ کے بارے میں امام بیہقی کی رائے اوپر گذر چکی' الحاق کے بارے میں امام عبدالرحمن بن مہدی کا بیان ہے کہ:

و کانوا یقولون انها دست فی کتبه.

''لوگوں کا خیال ہے کہ حماد بن سلمہ کی کتابوں میں الحاق کیا گیا ہے''۔

ان کا ایک ربیب ابن ابی العوجاء نامی تھا' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

فکان یدس فی کتبه.

''ان کی کتابوں میں کچھ ردو بدل کیا کرتا تھا''۔

تاہم ائمہ حدیث نے حماد بن سلمہ کے فضل و کمال کا کھلے الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حماد بن سلمہ کی برائی کرتے ہوئے دیکھو' اس کے اسلام کو مشتبہ سمجھو۔[1] حافظ ابن حجر نے بھی قریب قریب اسی طرح کا ایک قول نقل کیا ہے۔[2]

علاوہ ازیں ابن عدی' عجلی' نسائی وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے' ابن عدی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

و حماد من اجلة المسلمین و هو مفتی البصرة و قد حدث عنه من هو اکبر منه سنًا وله احادیث کثیرة و اصاف کثیرة و مشائخ.[3]

''اور حماد اجلہ مسلمین میں سے تھے بصرہ کے مفتی تھے ان سے ان کے سن رسیدہ لوگوں نے روایتیں کی ہیں ان سے بکثرت اور مختلف النوع حدیثیں مروی ہیں اور ان کے مشائخ بھی قابل ذکر ہیں''۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۸۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۔ [3] ایضاً

marfat.com

زہد وعبادت:

علم وفضل کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سا زہد واتقاء اور عبادت وریاضت زمرۂ تابعین رحمہم اللہ اور اتباع تابعینؒ کی ایک عام خصوصیت تھی چنانچہ حماد بن سلمہ بھی ان صفات ملکوتی کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے' شہاب بن معمر کہتے ہیں کہ حماد اپنے وقت کے ابدال تھے' ایک دوسرے معاصر عفان کا بیان ہے کہ:

قد رأيت من هو اعبد من حماد بن سلمة و لكن مارأيت اشد مواظبة على الخير و قرأة القرآن والعمل لله من حماد بن سلمة۔[1]

''میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والوں کو دیکھا ہے مگر ان سے زیادہ تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ بھلائی کرنے والا تلاوت قرآن کرنے والا اور ہر کام اللہ ہی کے لیے کرنے والا حماد بن سلمہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا''۔

امام عبدالرحمن بن مہدی جن کا زہد واتقاء ضرب المثل ہے' بیان فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے عمل کا یہ حال تھا کہ اگر ان سے یہ کہا جائے کہ کل آپ کو موت آ جائے گی تو اس سے زیادہ عمل کی ان کے لیے گنجائش نہیں ہوگی[2] ابن حبان کہتے ہیں کہ:

''ان کا شمار مستجاب الدعوات عابدین میں ہوتا ہے وہ اپنے زمانے کے اقران میں فضل وکمال' دین وعبادت میں ممتاز تھے' سنت کے سخت پابند اور اہل بدعت کے اثرات کو ختم کرنے میں انتہائی کوشاں تھے[3]

خود فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کے لیے (یعنی عزت ووجاہت کے حصول کے لیے) حاصل کرتا ہے' وہ خدا سے فریب کرتا ہے[4]

وقت کی قدر:

ایک بار موسیٰ بن اسماعیل نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳۔ [2] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۲۷۳۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۳۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۳۔

marfat.com

میں یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا' تو میں یہ سچ کہوں گا' وہ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے تھے' یا تلاوت قرآن کرتے یا تسبیحات پڑھتے تھے' یا پھر نماز میں مشغول رہتے' انہوں نے پورے دن کو انہی کاموں کے لیے تقسیم کر رکھا تھا[1]

خدائے عزوجل کے یہاں ان کے اعمال صالحہ کی مقبولیت ہی کی یہ علامت تھی کہ ان کا انتقال مسجد میں بحالت نماز ہوا' یونس بن محمد کا بیان ہے کہ:

مات حماد بن سلمة في المسجد وهو يصلي[2]

''حماد بن سلمہ کی وفات مسجد میں بحالت نماز ہوئی''۔

استغنا' اظہار حق اور امراء کی صحبت سے گریز:

حماد بن سلمہ کی کتاب زندگی کا ہر باب ہی بڑا تابناک ہے' زہد وعبادت' دنیا اور اہل دنیا سے استغناء اور امراء کی صحبت سے گریز زمرۂ تبع تابعین کی ایک عمومی خصوصیت تھی' حماد بن سلمہ اس خصوصیت و امتیاز میں بھی نہ صرف ان کے شریک و سہیم تھے' بلکہ ممتاز مقام رکھتے تھے' اس سلسلہ میں محدث ابن جوزی نے ان کا ایک واقعہ بہت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جس سے حماد بن سلمہ کے زہد واتقاء اور خشیت الٰہی کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے ذیل میں اس واقعہ کی تلخیص درج کی جاتی ہے۔

مقاتل بن صالح الخراسانی کا بیان ہے کہ میں حماد بن سلمہ کے پاس گیا تو ان کے گھر میں ایک چٹائی کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ اسی پر بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے' چمڑے کا توبڑا تھا جس میں ان کا سارا علم (یعنی روایات حدیث نبوی ﷺ) بند تھا' ایک دن وضو کا برتن تھا جس سے وضو کرتے تھے' ان کا بیان ہے کہ وہ ایک دن موجود نہ تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا' انہوں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دیکھو بچی کون ہے' وہ واپس آ کر بولی کہ محمد بن سلیمان کا قاصد ہے (غالباً یہ بصرہ کا امیر تھا) فرمایا کہ جاؤ کہہ

---

1. صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی ج ۳ ص ۲۷۴۔
2. ایضاً شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۶۲۔

marfat.com

دو کہ وہ تنہا میرے پاس آئے' وہ قاصد آیا اور اس نے ایک خط پیش کیا' جس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام!

''امابعد۔ خدا آپ کو اسی طرح سلامت رکھے جس طرح اس نے اپنے اولیاء اور اطاعت گزاروں کو سلامت رکھا ہے' ایک مسئلہ درپیش ہے اگر آپ تشریف لائیں تو اس بارے میں آپ سے استفادہ کرتا ہوں' والسلام''۔

یہ خط ملا تو آپ نے پڑھ کر لونڈی سے کہا کہ قلم و دوات لاؤ اور اس کی پشت پر جواب لکھ دو:

''اما بعد! آپ کو بھی خدا اسی طرح سلامت رکھے جس طرح اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں کو سلامتی عطا کرتا ہے' میں نے بہت سے ایسے علماء کی صحبت اختیار کی ہے جو کسی کے پاس جایا نہیں کرتے (اس لیے میں بھی معذور ہوں) اگر آپ کو کوئی مسئلہ سمجھنا ہے' تو آپ خود تشریف لے آئیں اور جو دریافت کرنا چاہیں کریں' اور ہاں اگر آنے کا ارادہ ہو تو تنہا تشریف لائیے گا' آپ کے ساتھ خدم و حشم نہ ہوں' ورنہ میں آپ کے ساتھ اور اپنے ساتھ خیر خواہی نہ کر سکوں گا' والسلام''۔

قاصد یہ جواب لے کر واپس چلا گیا' راوی کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا' لونڈی کو حکم دیا کہ دیکھو کون ہے؟ اس نے آ کر کہا کہ محمد بن سلیمان' فرمایا کہہ دو کہ آ جائیں مگر تنہا آئیں' چنانچہ وہ خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد بولا کہ کیا وجہ ہے کہ جب بھی میں آپ کے سامنے ہوتا ہوں میرے اوپر خوف و دہشت طاری ہو جاتا ہے' حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی کے واسطے سے حضرت انس کی زبانی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب عالم اپنے دین کے ذریعہ خدا کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے' اور جب وہ اس سے دنیا کے خزانے چاہتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے۔

محمد بن سلیمان نے پوری توجہ کے ساتھ یہ باتیں سنیں اور پھر کہا یہ چالیس ہزار درہم حاضر ہیں انہیں اپنی ضروریات میں صرف فرمائیں' حماد بن سلمہ نے کامل استغنا کے

marfat.com

ساتھ فرمایا کہ ان کو لے جاؤ اور جن لوگوں پر ظلم کر کے انہیں حاصل کیا ہے ان کو دے ڈالو۔ وہ بولا بخدا میں یہ اپنے خاندانی ورثہ سے دے رہا ہوں' فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے معاف کرو' خدا تعالیٰ تمہیں معاف کرے' تم اس رقم کو تقسیم کر دو' وہ بولا کہ میری تقسیم میں اگر کسی مستحق کو نہ ملا تو وہ ناانصافی کی شکایت کرے گا' آپ نے فرمایا ان سے پھر یہی فرمایا کہ مجھے معاف کرو[1]

اس طویل واقعہ سے حماد بن سلمہ کی زندگی کی کتنی درخشاں اور تابناک تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

وفات:

۱۶۷ھ میں بصرہ میں وفات ہوئی[2] اور وہیں مدفون ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت نقل کی ہے کہ حماد بن سلمہ کا انتقال ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا[3] عمر اسی سال کے قریب پائی[4]

تصنیف:

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ حماد بن سلمہ کا شمار تبع تابعین کے اس زمرہ میں ہوتا ہے جنہوں نے تالیف و تدوین کی خدمات انجام دی ہیں' مگر افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی پوری تفصیلات نہیں ملتیں' صاحب شذرات الذہب نے صرف اتنا لکھا ہے کہ:

له تصانيف في الحديث.[5]

''حدیث میں ان کی تصانیف ہیں''۔

ان کے ممتاز شاگرد ابو داؤد الطیالسی کہتے تھے کہ حماد بن سلمہ کے پاس قیس کی کتاب کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں تھی' اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر

---

۱ صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی ج ۳ص ۲۷۴۔ ۲ شذرات الذہب ج ۱ص ۲۶۲۔

۳ تہذیب التہذیب ج ۳ص ۱۳۔ ۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۸۳۔

۵ شذرات الذہب ج ۱ص ۲۶۲۔

marfat.com

رقمطراز ہیں:

يعني كان يحفظ علمه[1]

''یعنی وہ قیس کے علم کے حافظ تھے''۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ قیس کی روایتوں سے انہوں نے جو مجموعہ تیار کیا تھا' وہ ضائع ہوگیا' تو وہ اپنے حافظہ سے روایت کرنے لگے۔

اس کی تفصیل سے بہرحال اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ حماد بن سلمہؒ نے جمع و تدوین کا کچھ نہ کچھ کام کیا تھا' لیکن مکمل تفصیات متداول تذکروں میں نہیں ملتیں[2]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۔

[2] ایضاً ص ۱۳۔

marfat.com

حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

حمزہ' نام ابو عمارہ کنیت تھی' والد کا اسم گرامی حبیب اور جد امجد کا عمارہ تھا[1] کوفہ کے خاندان آل عکرمہ بن ربعی کے غلام تھے جو مشہور قبیلہ تیم اللہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی نسبت سے تیمی کہے جاتے ہیں[2] زیات لقب تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ ابن قتیبہ رقمطراز ہیں:

كان يجلب الزيت من الكوفة الى حلوان ويجلب الجبن و الجوز الى الكوفة.[3]

''وہ کوفہ سے زیتون لے کر حلوان میں فروخت کرتے تھے اور وہاں سے پنیر و اخروٹ کوفہ لایا کرتا تھا''۔

پیدائش اور وطن:

خلیفہ عبدالملک کے عہد حکومت میں ۸۰ھ میں ولادت ہوئی[4] اسی سال امام اعظم ابو حنیفہ کی ولادت بھی ہوئی' شیخ زیارت کا آبائی وطن کوفہ ہے اور وہیں تاحیات درس وافادہ میں مصروف رہے۔

فضل وکمال:

وہ علم وفضل کے بلند ترین مقام پر فائز تھے' قرآن وحدیث' ادب اور فرائض وغیرہ علوم میں کامل دستگاہ حاصل تھی' بالخصوص علوم قرآن اور فرائض میں ان کی مہارت اور دقیقہ رسی پر علماء کا اتفاق ہے' جن سات ائمہ نے فن قرأت میں نام پیدا کیا اور لائق تقلید قرار پائے ان میں حمزہ بن ابی حبیب الزیات کا نام بہت ممتاز ہے۔

---

[1] المعارف لابن قتیبہ ص ۲۳۰۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۴۰ وکتاب الانساب ورق ۱۱۳ ومرأۃ الجنان ج ۱ ص ۳۳۲۔ [3] المعارف ص ۲۳۰۔ [4] میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۲۸۴۔

marfat.com

کوفہ میں عاصم واعمش کے بعد قرأت میں انہی کو منصب امامت حاصل ہے۔ حافظ ذہبی انہیں شیخ القراء ۃ السبعة لکھتے ہیں۔[1] ان کے شیخ امام اعمش جو بلند مرتبہ تابعی اور خود قرآن کے ایک بڑے قاری تھے، جب بھی ابن حبیب کو دیکھتے فرماتے: انت عالم القران۔[2]

قرآن:

قرآن کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا' چنانچہ وقت کے بہت سے اکابر قراء کی خدمت میں حاضر ہو کر اس فن کی تحصیل کی اور اس میں اتنا کمال پیدا کیا کہ خود ان کی ذات مرجع انام بن گئی' علامہ یافعی رقمطراز ہیں کہ:

کان رأسًا فی القران فی الفرائض۔[3]

''وہ علوم قرآن اور فرائض (قانون وراثت) میں بہت ماہر تھے''۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

قرأ علی التابعین وتصعد للاقرأ علیه جل اهل الکوفة۔[4]

''انہوں نے تابعین سے قرأت کی تعلیم حاصل کی اور اس کے صدر نشین قرار پائے پھر اکثر اہل کوفہ نے ان سے اس فن کو حاصل کیا''۔

جن ماہرین قراء سے انہوں نے نکات فن کو حاصل کیا ان میں سلیمان بن مہران الاعمش' حمران بن اعین' محمد بن ابی لیلیٰ اور ابوعبداللہ جعفر الصادق کے نام قابل ذکر ہیں۔[5] ان چاروں علمائے وقت کی سند قرآن علی الترتیب عبداللہ بن مسعود' حضرت عثمان' حضرت ابی بن کعب' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تک پہنچتی ہے' جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زبان گوہر فشاں سے قرآن کو پڑھا تھا۔

بعض علماء نے قراء سبعہ میں ابن حبیب کی قرأت کو ناپسند کیا ہے' لیکن حافظ ابن حجر نے ان پر کیے گئے نقد و جرح کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ماہرین فن علماء کی اکثریت نے حمزہ کی قرأت قبول کرنے پر اتفاق رائے کیا اور ناقدین کے کلام کو بے وزن قرار دیا ہے''۔

---

1 میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۸۴۔ 2 ایضاً۔ 3 العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۲۶۔ 4 مرأۃ الجنان للیافعی ج ۱ ص ۳۳۲۔ 5 کتاب الانساب للسمعانی ورق ۱۱۳۔

marfat.com

قد انعقد الاجماع علی تلقی قراءة حمزة بالقبول والانکار علی من تکلم فیھا۔[1]

''حمزہ بن حبیب الزیات کی قرأت کو قبول کرنے پر علماء کا اجماع ہے۔ اور جنہوں نے اس سلسلہ میں کلام کیا ہے وہ پسندیدہ نہیں ہے''۔

علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ حمزہ کی جلالت فنی کا اندازہ لگانے کے لیے امام سفیان ثوری کی یہ شہادت کافی ہے کہ ''قرأ حمزة حرفاً الا باثر''[2] شعیب بن حرب ان کی قرأت کو ہمیشہ درآبدار کہہ کر بیان فرمایا کرتے تھے[3] امام ثوری کا بیان ہے کہ:

یا ابن عمارة اما القرأة والفرائض فلا نعرض لک فیھا۔[4]

''اے ابن عمارہ قرأت اور علم فرائض کے لیے ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے''۔

ان کی قرأت کے راوی بکثرت ہیں لیکن خلف وخلاد زیادہ مشہور ومعروف ہیں۔

علم فرائض:

فرائض کے علم میں بھی وہ یدطولیٰ رکھتے تھے' بلکہ درحقیقت قرآن اور فرائض ہی ان کی شہرت اور عظمت کی اصل وبنیاد ہیں' محدث کی حیثیت سے ان کو کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں ہوسکا' امام اعظم بایں ہمہ بلندی شان اور فضل وکمال فرمایا کرتے تھے ''غلب حمزة الناس''[5] حمزہ قرآن اور فرائض میں لوگوں پر غالب تھے۔

علم فرائض میں غیر معمولی مہارت کی وجہ سے ان کو فرضی بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث:

حدیث نبوی ﷺ سے بھی بہرہ وافر رکھتے تھے' اس کی تحصیل انہوں نے ابن عیینہ' حبیب بن ابی ثابت' عمرو بن مرہ' طلحہ بن مصرف' عدی بن ثابت' حماد بن اعین' ابواسحاق السبیعی' ابو اسحاق الشیبانی' اعمش اور منصور بن المعتمر سے کی تھی' اور ان کے تلامذہ ـ

---

[1] میزان الاعتدال ج ا ص ۲۸۴۔ [2] ایضاً۔ [3] شذرات الذہب ج ا ص ۲۴۰۔

[4] میزان الاعتدال ج ا ص ۲۸۴۔ [5] خلاصہ تذہیب' مرآۃ الجنان للیافعی ج ا ص ۳۳۲۔

maarfat.com

میں عبداللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبداللہ بن صالح العجلی، سلیم بن عیسیٰ، محمد بن فضل، عیسیٰ بن یونس، امام وکیع اور قبیصہ کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں[1]

جرح وتعدیل:

ان کی ثقاہت کے متعلق علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

''وہ محدث، صدوق اور متبع سنت تھے''۔[2]

عبادت:

کثرت عبادت وریاضت میں وہ صلحائے امت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، رات کا بیشتر حصہ عبادت کرتے گزرتا تھا، اور بہت کم سوتے تھے، امام سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ جنہیں ان کے تلمذ خاص کا افتخار حاصل ہے، بیان کرتے ہیں کہ ابن حبیب الزیات کو جب بھی کوئی دیکھتا یا درس دیتے ملتے یا نماز پڑھتے ہوئے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ ظہر وعصر اور مغرب وعشا کے درمیان بھی نوافل پڑھتے رہتے، اسی طرح درس کے خاتمہ پر پابندی سے چار رکعت نفل ادا فرمایا کرتے تھے۔ ہر ماہ ترتیل کے ساتھ کم از کم پچیس قرآن ختم کیا کرتے، علامہ سمعانی ان کی کثرت عبادت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

کان من رجل عباداللہ عبادۃ وفضلا وسکا[3]

''وہ عبادت وفضیلت اور دنیا سے بےتعلقی میں خدا کے جلیل القدر بندے تھے''۔

ابن فضل کا قول ہے کہ حمزہ کے تدین، جلالت علم اور عبادت گزاری سے کوفہ کی بلا دور ہوتی ہے[4]

زہد واتقاء:

ورع وتقویٰ اور خشیت الٰہی علماء کبار کا وصف مشترک ہے، ابن حبیب الزیات اس میں خاص امتیاز رکھتے تھے، حافظ ذہبی رقمطراز ہیں کہ صدق اور ورع وتقویٰ وغیرہ اوصاف ان کی ذات پر ختم ہوگئے تھے[5] ابن عماد حنبلی انہیں ورع کے اعتبار سے نمونہ عمل

---

[1] خلاصہ تذہیب مرأۃ الجنان للیافعی ج ۱ ص ۳۳۲۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ [3] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۱۱۳۔ [4] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۸۴۔ [5] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۸۴۔

marfat.com

اور راہ دلیل بنائے جانے کے مستحق قرار دیتے ہیں[1]

مناقب:

ان تمام کمالات کے علاوہ حمزہ کی ذات میں اور بہت سی خوبیاں مجتمع تھیں جو انسان کے باطن کو ہر قسم کی آلائشوں سے صاف کر کے اسے مثل آئینہ مجلی کر دیتی ہیں۔

ابن حبیب الزیات بایں ہمہ علم و فضل کسی سے خدمت لینا گوارا نہیں کرتے تھے' شدید ترین گرمی کے موسم میں اثناء درس کبھی پیاس محسوس ہوتی تو اپنے کسی شاگرد سے پانی مانگنا گوارا نہ کرتے بلکہ خود اٹھ کر تشنگی فرو کرتے[2] قرآن کی تعلیم پر تاحیات اجرت نہیں لی' ذریعہ معاش تجارت کو بنا رکھا تھا' جیسا اوپر مذکور ہوا کہ کوفہ سے زیتون لے جا کر حلوان میں فروخت کرتے اور وہاں سے پنیر و اخروٹ لا کر کوفہ میں بیچتے تھے' لیکن یہ شغل بھی بقدر کفاف ہی کرتے' جس سے محض روح و جسم کا رشتہ باقی رہ سکے۔ ورنہ زیادہ تر وقت درس و عبادت میں گزرتا تھا۔

وفات:

باختلاف روایت ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ میں بمقام حلوان وفات پائی۔ اس وقت ابو جعفر منصور تخت خلافت پر متمکن تھا[3]

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۴۰۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۸۔

[3] المعارف ص ۲۳۰ وطبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۸ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۲۶' مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۲۲۔

marfat.com

خالد بن الحارث ہجیمی رحمۃ اللہ علیہ

حسب ونسب:

خالد نام' ابوعثمان کنیت اورنسب نامہ یہ ہے: خالد بن الحارث بن سلیمان بن عبید بن سفیان [1]

ہجیم بصرہ کا ایک محلّہ ہے جہاں قبیلہ تمیم کی ایک شاخ بنوہجیم آ کر آباد ہوگئی تھی اور انہیں کے نام سے وہاں یہ مقام موسوم ہوگیا' خالد کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ اسی لیے ہجیمی اور بصری کی نسبتوں سے مشہور ہوئے [2]

ولادت اوروطن

بصرہ کے رہنے والے تھے' وہیں باختلاف روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے [3]

علم وکمال:

علمی اعتبار سے وہ کافی بلند مرتبہ تھے' حفاظ حدیث میں ان کی نظیر کم از کم بصرہ میں مفقود تھی' یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے کہ ''ما رایت خیرًا منہ'' [4] محمد بن المثنی کہتے ہیں:

ما بالبصرة مثل خالد بن الحارث وما بالكوفة مثل عبدالله ابن ادريس [5]

''بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس کی مثال مفقود تھی''۔

علامہ ذہبی ''الحافظ الحجة'' لکھتے ہیں۔

---

1 طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۶۔ 2 اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ ص ۲۸۵۔

3 تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۸۲۔ 4 خلاصہ تذہیب ص ۱۰۰۔

5 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۲۔

marfat.com

شیوخ وتلامذہ:

جن چشموں سے انہوں نے اپنی علمی تشنگی فرو کی ان میں بکثرت جلیل القدر علماء کے نام شامل ہیں' چند لائق ذکر یہ ہیں' ابوایوب السختیانی' حمید الطویل' ہشام بن عمرو' سعید بن ابی عروبہ' عبدالملک بن ابی سلیمان' ہشام بن حسان۔

اور خود ان سے سماعت حدیث کی سعادت حاصل کرنے والوں میں امام احمد' اسحاق بن راہویہ' علی بن المدینی' حسن بن عرفہ' مسدد' عبیداللہ بن معاذ' یحییٰ بن حبیب' نصر بن علی الجہضمی' عارم' عبداللہ بن عبدالوہاب جیسے فضلاء روزگار شامل ہیں[1]

پایہ ثقاہت:

علمائے جرح و تعدیل نے باتفاق رائے ان کی ثقاہت و عدالت اور تثبت و اتقان کو مسلم قرار دیا ہے' ایسے محدثین کی تعداد کم ہے جن کی ذات نقد و جرح سے مامون ہو' امام احمد فرماتے ہیں کہ بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم ہے ''الیہ المنتھی فی التثبت بالبصرۃ''۔ ابوحاتم انہیں ''ثقۃ امام'' ترمذی ''ثقۃ مامون'' اور نسائی ''ثقۃ ثبت'' کہتے ہیں[2]

ابن ناصر الدین لکھتے ہیں:

کان من الحفاظ الثقات المامونین۔[3]

''وہ ثقہ اور مامون حفاظ حدیث میں تھے''۔

معاویہ بن صالح کا بیان ہے:

قلت لیحییٰ بن معین من اثبت شیوخ البصریین قال خالد بن الحارث مع جماعۃ مما ھم۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۸۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۲۔

[2] خلاصہ تذہیب ص ۱۰۰' طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۴۷' تذکرہ ج ۱ ص ۲۸۲۔

[3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۹۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۸۳۔

marfat.com

''میں نے یحییٰ بن معین سے شیوخ بصرہ میں سب سے زیادہ تثبت رکھنے والے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کچھ لوگوں کے ساتھ خالد بن الحارث کا نام بھی لیا''۔

علاوہ ازیں ابوزرعہ، ابن حبان اور ابن شاہین وغیرہ نے بھی ان کا شمار ثقات محدثین میں کیا ہے۔

عقل وفرزانگی:

علامہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے تثبت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اعلیٰ پایہ کے زیرک اور فہیم انسان تھے، کان من عقلاء الناس وذھانھم۔[1]

وفات:

ہارون الرشید کے ایام خلافت ۱۸۶ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔[2]

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۸۳۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۶ وشذرات ج ۱ ص ۳۰۹۔

marfat.com

ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ

سرزمین ہند میں جن اکابر اسلام نے علم وعمل کی قندیلیں فروزاں کیں ان میں زمرہ اتباع تابعین کی بھی دو ممتاز شخصیتوں کے نام ملتے ہیں انہیں ہندوستان سے خصوصی ربط وتعلق تھا' اورانہوں نے اپنے فیوض وبرکات اور علمی وعملی سرگرمیوں کا جولانگاہ بنایا' ان میں سے ایک ربیع بن صبیح بصری اور دوسرے اسرائیل بن موسیٰ ہندی ہیں حسن اتفاق سے یہ دونوں بزرگ بصرہ کے رہنے والے اور شہرہ آفاق تابعی امام حسن بصری کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ موخر الذکر کی آمد ورفت ہندوستان میں تجارت کی غرض سے ہوئی تھی' اور اول الذکر ایک اسلامی فوج کے ہمراہ بحیثیت مجاہد وارد ہوئے اور ایک وبائی مرض میں مبتلا ہوکر یہیں کی خاک کا پیوند بنے۔

گوکہ ہندوستان میں مذکورہ بالا دونوں اکابر کے علمی افادہ اور درس حدیث کا کوئی ظاہری ثبوت فراہم نہیں ہوتا' تاہم اس عہد زریں کے عام معمول کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ ان متحرک علمی درس گاہوں کے فیوض وبرکات سے سرزمین ہند محروم رہی ہو' ان دونوں محدثین کے حالات تاریخوں میں کم ملتے ہیں' اس بناپر ان کی تاریخ زندگی کے بہت سے اوراق نظر سے اوجھل ہیں' امام موسیٰ اور اسرائیل کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں ذیل میں ابوحفص ربیع بن صبیح کے جو سوانح وحالات' طبقات وتراجم کی متعدد کتابوں کی ورق گردانی کے بعد مل سکے ہیں' پیش خدمت کیے جاتے ہیں۔

نام ونسب:

نام ربیع اور والد کا نام صبیح تھا' کنیت ابوبکر اور ابوحفص تھی' مگر زیادہ شہرت ابوحفص کو حاصل ہے' قبیلہ بنوسعد بن زید کے آزاد کردہ غلام تھے' اسی لیے ان کی طرف منسوب ہوکر سعدی بھی کہلاتے ہیں[1] مزید سلسلہ نسب کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷۔

marfat.com

وطن اور ابتدائی حالات:

ربیع بن صبیح کا اصلی وطن بصرہ تھا' انہوں نے جس عہد میں اپنے ہوش وخرد کی آنکھیں کھولیں وہ اسلامی شان وشوکت اور علوم وفنون کی کثرت واشاعت کے اعتبار سے تاریخ کا عہد زریں کہلائے جانے کا مستحق ہے' اس وقت ہر بستی اور ہر قریہ علماء وصلحاء سے معمور اور ان کی نواسنجیوں سے پرشور تھا۔ ہر استاد اور شیخ اپنی ذات سے ایک دار العلوم بنا ہوا تھا' جہاں شمع علم کے پروانے ہر چہار سمت سے آ کر اکٹھا ہو جاتے تھے۔

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مرکز اسلام بصرہ کی سب سے بزرگ اور پرکشش شخصیت امام حسن بصری کی تھی' جنہوں نے عثمان وعلی' ابن عباس وابن عمر' انس بن مالک' جابر بن معاویہ' ابوموسیٰ اشعری' معقل بن یسار' عمران بن حصین اور ابی بکرہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ اور اساطین علوم نبوی ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا' تاہم امام حسن بصری نہ صرف علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے' بلکہ شجاعت وشہامت میں بھی یگانۂ زمن تھے اور ربیع بن صبیح ان دونوں کمالات میں اپنے بصری شیخ کا نقش ثانی تھے۔

اساتذہ:

ربیع بن صبیح نے امام حسن بصریؒ سے خصوصی تلمذ رکھنے کے ساتھ دوسرے نادرہ عصر شیوخ سے بھی استفادہ کیا تھا' ان کے اساتذہ کی طویل فہرست میں کبار تابعین کے نام بھی شامل ہیں' کچھ ممتاز اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حسن بصری' ابن سیرین' مجاہد بن جبیر' عطا بن ابی رباح[1] حمید الطویل' ابو الزبیر' ابو غالب' ثابت البنانی'[2] یزید رقاشی' قیس بن سعد[3]

تلامذہ:

خود امام ربیع کے چشمۂ علم سے جو تشنگان علوم سیراب ہوئے ان میں اس عہد کے ہر علم وفن کے مشاہیر ائمہ شامل ہیں' جن میں سے کچھ یہ ہیں:

---

[1] خلاصہ تہذیب الکمال خزرجی ص ۱۱۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷۔

[3] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۴۔

marfat.com

''عبدالرحمٰن بن مہدی بھی امام ربیع بن صبیح سے روایت حدیث کرتے ہیں''۔

علامہ ذہبی نے میزان میں ان سے روایت کی ہے۔

جرح:

ثقاہت کے بارے میں مذکور بالا تمام شہادتوں کے باوجود بعض علماء نے ان کے بارے میں نقد و جرح کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں' اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی آخری زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں اور غایت درجہ زہد و تقویٰ میں گزری اور انہوں نے بغیر تحقیق محض حسن ظن کی بنا پر ہر مرتبہ کے راویوں کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا' اس کی بنا پر محدثین نے اصول روایت و درایت اور جرح و تعدیل کی رو سے ان میں کچھ کمی محسوس کی اور انہیں ربیع بن صبیح کے بارے میں تعدیل کے ساتھ جرح کی بھی گنجائش مل گئی۔

چنانچہ یحیٰی ابن معین فرماتے ہیں:

هو عندنا صالح و ليس بالقوى.

''وہ ہمارے نزدیک نیک آدمی تھے مگر قوی نہیں تھے''۔

امام شافعی کا بیان ہے:

كان الربيع بن صبيح رجلا غزا واذا مدح الرجل بغير ضاعته فقد وهض يعني دق[1]

''ربیع بہت بڑے غازی تھے اور جب وہ فن حدیث سے غیر متعلق شخص کی تعریف کرتے تو اسے ختم ہی کر دیتے تھے''۔

ابن حبان کے زہد و تقویٰ کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

ان الحديث لم يكن من ضاعته و كان يهم فيها يروى كثيراً حتىٰ وقع في حديثه المناكير من حيث لا يشعر لا يعجبني الاحتجاج به اذا تفرد[2]

''بلاشبہ حدیث ان کا فن نہ تھا' انہیں روایت حدیث میں وہم بہت زیادہ ہوتا تھا

---

1. کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۵۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸۔

marfat.com

حتیٰ کہ غیر شعوری طور پر ان کی حدیث منکر ہو جاتی تھی، میں ان کے ان کے منفرد ہونے کی حالت میں ان کی روایت کو دلیل بنانا پسند نہیں کرتا''۔

حاکم کا قول ہے "لیس بالمتین عندھم"[1] ''وہ محققین کے نزدیک قوی نہیں تھے''۔

ان کے علاوہ اور بھی دوسرے ائمہ نے ربیع پر جرح ونقد کیا ہے، لیکن یہ سب کچھ ان کے فضل و کمال اور ثقاہت و عدالت کو تسلیم کرنے کے بعد ہے، اور جیسا کہ مذکور ہوا، روایت میں یہ تمام ضعف ربیع بن صبیح کے آخری عمر کے بعض مخصوص حالات کا نتیجہ تھا۔

عبادت گزاری اور زہد وورع:

کثرت عبادت، زہد و ورع اور تضرع والحاح میں بھی ربیع منفرد حیثیت رکھتے تھے، ابن حبان نے لکھا ہے کہ:

کان من عباد اھل البصرة و زھادھم و کان یشبه بیته باللیل ببیت النحل من کثرة التھجد[2]

''ربیع بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور صاحب ورع تھے، کثرت تہجد کی بنا پر ان کا گھر شب میں شہد کی مکھی کا چھتہ بن جاتا تھا''۔

عقیلی کہتے ہیں کہ ''بصری سید من سادات المسلمین'' امام احمد، ابن شبہ اور ابو حاتم انہیں ''رجل صالح'' کہتے ہیں، ابن خداش کا یہ قول اوپر گزر چکا ہے کہ:

هو فی هدیه رجل صالح ''ربیع اپنی سیرت میں نیک آدمی تھا''۔

بصرہ کے پہلے مصنف:

اسلامی علوم وفنون کو جن ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا ان میں ربیع بن صبیح کو شرف اولیت حاصل ہے، بعض محققین نے انہیں اسلام کی پہلی صاحب تصنیف شخصیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ کاتب چلپی رقمطراز ہے:

هو اول من صنف فی الاسلام[3]

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۲۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸۔

[3] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۲۳۔

marfat.com

''وہ اسلام میں پہلے مصنف ہیں''۔

مگر بعض دوسرے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے، صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق اسلام میں سب سے پہلی تصنیف کتاب ابن جریج ہے اور ایک دوسرے قول میں موطا امام مالک کو اس شرف کا حامل قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہوا کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں علوم اسلامیہ کی تدوین کا کام شروع ہوا اور ہر مقام کے ائمہ فن اور اساتذہ علم نے حدیث وغیرہ علوم کو کتابی شکل میں مرتب کیا اور اس طرح سرزمین بصرہ میں یہ شرف سب سے پہلے ربیع بن صبیح کو حاصل ہوا[1] علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:

قال الرامهرمزی اول من صنف وبوب بالبصرة الربيع بن صبيح ثم سعيد بن ابی عروبه وعاصم بن علی[2]

''رامہرمزی کا قول ہے کہ بصرہ میں جس نے سب سے پہلے تصنیف وتالیف کا کام کیا وہ ربیع بن صبیح ہیں اس کے بعد سعید بن ابی عروبہ اور پھر عاصم بن علی''۔

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی لکھا ہے، اور خلیفہ چلپی نے بھی تدوین حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اسی کی تائید کی ہے، نیز حاجی خلیفہ کے بیان سے یہ بات بھی منکشف ہوجاتی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی تصنیف تو کتاب ابن جریج یا مؤطا امام مالک ہے، لیکن بصرہ میں سب سے پہلے مصنف ربیع بن صبیح ہیں چنانچہ کشف الظنون میں ہے:

وقيل اول من صنف وبوب الربيع بن صبيح بالبصرة ثم انتشر جمع الحديث وتدوينه وتسطيره فی الاجزاء والكتب[3]

''کہا جاتا ہے بصرہ میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح نے تصنیف وتبویب کا کام کیا پھر احادیث کی تدوین اور کتابوں کی شکل میں ان کی اشاعت عام ہوگئی''۔

---

1 تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۴۸۔ 2 میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳۴۔

3 کشف الظنون ج ۱ ص ۶۳۳۔

marfat.com

شجاعت و بہادری:

ربیع بن صبیح اپنے لائق فخر استاد امام حسن بصری کی طرح علم و فضل کے ساتھ شجاعت، مجاہدہ اور اسلامی حمیت میں بھی مفقود النظیر تھے، بصرہ کے قریب اباداں نامی ایک مقام ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز تھا، جہاں اس زمانہ میں اولیاء اللہ کی ایک بڑی جماعت عملی دنیا آباد کئے ہوئے تھی، ربیع بن صبیح کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعی کی یہ شہادت گزر چکی کہ:

كان ربيع بن صبيح رجلا غزا.[1]

''ربیع بن صبیح بہت بڑے غازی تھے''۔

علاوہ ازیں امام شعبہ نے شجاعت میں ان کے مرتبہ کو احنف بن قیس سے بھی بلند قرار دیا ہے، حضرت احنف بن قیس کی شخصیت وہ ہے جو اپنے زمانے میں بہادری اور جوانمردی کے لیے ضرب المثل بن چکی تھی، انہوں نے اپنی شجاعت کے بہت سے نمایاں ثبوت دیئے تھے، ان کی اس جلالت مرتبت کے باوجود امام شعبہ کا قول ہے کہ:

لقد بلغ الربيع مالم يبلغ لاحنف بن قيس يعنى فى الارتفاع.[2]

''ربیع کا مرتبہ احنف بن قیس سے بلند تر تھا''۔

علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ ربیع بصرہ کے عوام سے چندہ وصول کرتے اور پھر رضا کاروں کو لے کر اباداں میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت انجام دیا کرتے تھے''۔

جمع مالا من اهل البصرة فحصن به عبادان ورابط فيها.[3]

''ربیع نے اہل بصرہ سے چندہ کر کے عباداں کی قلعہ بندی کی اور اس کی مرابطت کی خدمت انجام دی''۔

جنگ ہندوستان میں شرکت:

عہد بنی عباس میں جب مہدی اورنگ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عرب تاجروں کی شکایت پر ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اس جنگ کی تفصیلات طبری اور

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۵۔ [2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۴۔ [3] فتوح البلدان ص ۳۶۲

ابن کثیر وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں دی ہیں۔

خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کی قیادت میں ایک جنگی بیڑا آلات حرب اور اسلحوں سے لیس کر کے ہندوستان روانہ کیا جو ۱۶۰ھ میں باربد (جو بھاڑ بھڑوت کی تعریب ہے) پہنچا' بھاڑ بھڑوت صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک پکی بندرگاہ تھی' اس فوج میں ایک ہزار سے زائد رضا کار بھی شوق جہاد میں شریک تھے' محققین کے بیان کے مطابق والنفیر س کی اس کثیر جماعت کے افسر اعلیٰ ربیع بن صبیح تھے۔

بہرحال اس فوج نے بھاڑ بھڑوت پہنچنے کے دوسرے ہی دن جنگ شروع کر دی' گجراتیوں نے شہر میں گھس کر پھاٹک بند کر لیے' اسلامی فوج نے اس سختی سے شہر کا محاصرہ کر لیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے' مجاہدین اسلام نے بزور شہر میں داخل ہو کر گجراتیوں سے دو بدو شدید جنگ کی اور بالآخر انہیں فتح ونصیب ہوئی' دشمنوں کے تمام آدمی کام آئے اور مجاہدین میں سے بیس سے کچھ زائد نے جام شہادت نوش کیا[1]

اس جنگ میں ربیع بن صبیح نے اپنے زیر قیادت رضا کاروں میں جہاد کا جوش اور ولولہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا' اسی جوش اور جذبہ شہادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کے سیل رواں اور ان کے پرجوش حملوں کے سامنے آنے والی طاقت چور چور ہو گئی۔

وفات:

بھاڑ بھڑوت کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے واپسی کے لیے رخت سفر باندھا لیکن اسی زمانہ میں سمندر میں طغیانی آ گئی' اس لیے مجاہدین کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی اور انہیں سمندر پرسکون ہونے تک مجبوراً وہیں قیام کرنا پڑا' سوء اتفاق سے عین اسی وقت ''حمام قر'' نام کی ایک وبا پھوٹ پڑی' یہ مہلک مرض منہ میں ہوتا اور ایسا زہریلا تھا کہ جلد ہی موت کے آغوش میں پہنچا دیتا' چنانچہ اس بیماری سے ایک ہزار مجاہدین لقمۂ اجل بن گئے۔ عام محققین کے بیان کے مطابق انہی شہید ہونے والوں میں ربیع بن صبیح بھی تھے۔[2]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۲۵۳ وابن اثیر ج ۲ ص ۳۱۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۳۲۔

marfat.com

مؤرخین نے بالاتفاق اس وبا کے پھیلنے اور اس سے مرنے والوں کا ذکر ۱۶۰ھ کے واقعات میں کیا ہے' علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ربیع بن صبیح کی تدفین جزائر بحرالہند میں سے کسی جزیرہ میں ہوئی' چنانچہ طبقات میں ہے:

خرج غازیًا الی الهند فمات فدفن فی جزیرة من الجزائر بسنة ۱۶۰ فی اول خلافة من اهل البصرة کان معه[1]

''وہ ہندوستان غازی کی حیثیت سے آئے اور وہیں انتقال فرما کر ۱۶۰ھ میں کسی جزیرہ میں مدفون ہوئے۔ وہ مہدی کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا' یہ تفصیل مجھے بصرہ کے ایک شخص نے بتلائی جو جنگ میں ان کے ساتھ شریک تھا''۔

اس روایت کا پایہ استناد اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن سعد نے اسے بصرہ کے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جو جنگ بھاڑ بھڑوت میں ربیع کے دوش بدوش شریک تھا' اس نے اپنا چشم دید بیان دیا ہے' اسی بنا پر علامہ بلاذری نے بھی ابن سعد کے مذکورہ بالا بیان کی تائید کی ہے' وہ لکھتے ہیں:

وکان خرج غازیًا الی الهند فی البحر فمات فدفن فی جزیرة من الجزائر فی سنة ستین ومائه[2]

''سمندری راستے سے وہ جہاد کرنے ہندوستان آئے اور وہیں ۱۶۰ھ میں انتقال کر کے کسی جزیرہ میں دفن ہوئے''۔

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ربیع کی وفات بھاڑ بھڑوت میں نہیں ہوئی' بلکہ وبا کے پھیلنے کے بعد وہ قریب کے کسی جزیرہ میں چلے گئے[3] اور وہیں وفات وتدفین ہوئی' گو کہ ربیع کے جائے وفات اور مدفن کی تعیین میں اختلاف ہے تاہم یہ بات

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۶

[2] فتوح البلدان ص ۳۶۲۔

[3] بعض لوگوں نے ربیع کا مدفن ضلع تھانہ (بمبئی) قرار دیا ہے۔

marfat.com

بہرحال مسلم ہے کہ ان کی وفات ۱۶۰ھ میں ہندوستان میں ہوئی اور یہیں کہیں مدفون بھی ہوئے' والعلم عنداللہ۔ ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وقوفی فی غزوۃ الھند فی الرجعۃ بالبحر الربیع بن صبیح البصری[1]

''جنگ میں بحری راستے سے واپسی کے وقت (۱۶۰ھ میں) ربیع کا انتقال ہوا''۔

اولاد:

ربیع کی جسمانی یادگار میں دو صاحبزادوں اور لڑکی کا ذکر ملتا ہے' لڑکوں کے نام عبدہ بن ربیع بن صبیح اور سلیمان بن ربیع ہندی ہیں جو علم و فضل میں خود بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے[2] صاحبزادی کا نام نہیں معلوم' لیکن ابو حاتم نے محدث اسحاق بن عباد کو ربیع کا نواسہ بتلایا ہے اور انہیں ابن ابنۃ ربیع لکھا ہے جس سے علم ہوتا ہے کہ ربیع کی ایک لڑکی بھی تھی''۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۹۔

[2] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۷۹۔

marfat.com

روح بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

روح نام اور ابومحمد کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے، روح بن عبادہ بن العلاء بن حسان بن عمرو[1] بنوقیس بن ثعلبہ سے خاندانی نسبت حاصل تھی، اسی لیے ثعلبی مشہور ہوئے۔[2]

فضل وکمال:

ابن عبادہ حدیث نبوی ﷺ کے مشہور وممتاز حفاظ میں شمار کیے جاتے ہیں، نامور تابعین اور اتباع تابعین کے فیضان صحبت سے بہرہ ور ہو کر خود بھی علم وفضل کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے۔ بدوشعور سے لے کر تانفس واپسیں حدیث کے درس اور اس کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی میں مصروف رہے، ابن المدینی فرماتے ہیں:

لم یزل روح فی الحدیث منذ نشاء[3]

''وہ پیدائش سے لے کر برابر حدیث میں مشغول رہے''

ہزاروں حدیثیں ان کے حافظہ کے خزانہ میں محفوظ تھیں، حافظ ذہبی نے علی بن المدینی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ''روح بن عبادہ نے ایک لاکھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ میں ان میں سے صرف دس ہزار احادیث کی کتابت کر سکا[4]

ابن ابی شیبہ کا قول ہے:

کان روح ابن عبادۃ کثیر الحدیث جدا.

''روح بن عبادہ بہت کثیر الحدیث تھے''۔[5]

---

[1] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ ص ۱۱۶۔ [2] ابن سعد ج ۷ ص ۵۰۔ [3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۴۳۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۰۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۱۔

marfat.com

علامہ ذہبی ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہوئے میزان الاعتدال میں رقمطراز ہیں:

ثقة مشهور حافظ من علماء اهل البصرة.[1]

''وہ علماء اہل بصرہ میں بہت مشہور ثقہ حافظ تھے''۔

علی بن عبداللہ بیان کرتے ہیں:

من المحدثين قوم لم يزالو فى الحديث لم يشغلوا عنه نشاء وافطلبوا ثم صنفوا ثم حدثوا منهم روح عبادة.[2]

''محدثین میں کچھ ایسے بھی گزرے ہیں جو برابر حدیث میں منہمک رہے، نشوونما پانے کے بعد حدیث حاصل کی، اس میں تصنیف وتالیف کی، پھر درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا، انہیں میں روح بن عبادہ بھی تھے''۔

شیوخ وتلامذہ:

امام روح بن عبادہ نے ابن عون، سعید بن عروبہ، اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، حسین المعلم، ایمن بن نابل، ابن جریج، ابن ابی ذئب اور حجاج بن ابی سفیان جیسے ائمہ حدیث سے اکتساب فیض کیا اور خود ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، بشر بن موسیٰ، ابوخیثمہ، ابو قدامہ، بندار، ابن نمیر، عبداللہ المسندی، احمد بن منیع، حارث بن اسامہ وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔[3]

مرویات کا پایہ:

فن حدیث کے ماہر اور رجال وانساب کے نکتہ شناس علماء کی غالب تعداد امام روح کی ثقاہت وصداقت کی معترف ہے یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر محدث کا قول ہے کہ:

ليس به باس صدوق حديثه يدل على صدقه.

''(ان کی روایت قبول کرنے میں) کوئی حرج نہیں وہ صدوق ہیں اور ان کی

---

1. میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۴۳۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۹۳۔
3. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۰ وتہذیب ج ۳ ص ۲۹۳۔

marfat.com

روایت ان کی صداقت پر دال ہے''۔

محمد بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے ایک بار کہا' عام خیال ہے کہ ابن سعید القطان نے امام روح کی ثقاہت کے بارے میں کلام کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ یہ صریح بہتان ہے' ابن قطان نے قطعی کلام نہیں کیا' روح بن عبادہ بلاشبہ صادق ہیں[1]

اسی طرح خطیب ابن ابی حاتم' ابن ابی خیثمہ' ابو عاصم' امام دارمی اور ابن سعد نے بھی ان کی مرویات کو بلند پایہ اور قابل حجت قرار دیا ہے' امام ابوبکر البزار اپنی مسند میں رقمطراز ہیں' ''روح بن عبادة ثقة مامون'' ابن ناصر الدین فرماتے ہیں:

ابو محمد روح بن عبادة ثقة مكثر مفسر[2]

''ابومحمد روح بن عبادہ ثقہ' کثیر الحدیث اور مفسر تھے''۔

بعض علماء نے ان کی ثقاہت کے بارے میں کلام کیا ہے' حافظ ذہبی کی رائے ہے کہ ان کا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے[3]

تصنیف:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام روح نے تفسیر و حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔

صنف الكتب في السنن والاحكام والتفسير.[4]

''سنن' احکام اور تفسیر میں انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں''۔

لیکن اس سلسلہ میں مزید کوئی وضاحت نہیں ملتی' اور نہ ان کی کسی تالیف کے مخطوطہ کا پتہ چلتا ہے۔

وفات:

باختلاف روایت جمادی الاولیٰ ۲۰۵ھ یا ۲۰۷ھ میں رحلت فرمائی' حافظ ابن حجر نے اول الذکر کو اصح قرار دیا ہے۔[5] ۹۰ سال کے قریب عمر پائی۔

---

[1] تہذیب ج ۳ ص ۲۹۳۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۳۔ [3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۱۸۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۹۵۔ [5] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۷۔

maktabah.org

زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام زکریا اور ابو یحییٰ کنیت تھی، پورا نسب نامہ یہ ہے، زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز، ایک دوسرے قول کے مطابق ان کے والد کا نام ہبیرہ تھا، عمرو بن عبداللہ الوداعی سے نسبت ولاء رکھتے تھے، وادعہ قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے اسی بنا پر زکریا بن ابی زائدہ الوداعی اور الہمدانی کہے جاتے ہیں[1] علامہ ابن سعد نے ابی زائدہ کو عمرو بن عبداللہ کے بجائے محمد بن المنتشر ہمدانی کا غلام بتایا ہے[2]

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے وہ زمرہ اتباع تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں ان کی جلالت مرتبت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ان کے صاحبزادے یحییٰ بن زکریا بھی اپنے والد کے فیض صحبت سے بہرہ ور ہو کر خود بھی اتباع تابعین میں بلند مرتبہ ہوئے، حدیث وفقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حدیث:

حافظ ابن حجرؒ نے ان کا شمار طبقہ سادسہ کے محدثین میں کیا ہے اور اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اخیار وصلحاء امت کا یہ وہ طبقہ ہے، جنہوں نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام کے چراغوں سے اپنے دلوں کی دنیا منور کی تھی، انہوں نے اپنے گردوپیش کی پوری فضا کو قال اللہ وقال الرسول کے سرمدی نغموں سے گونجتا پایا تھا، چنانچہ یحییٰ بھی اس معدن علم سے کندن بن کر نکلے، انہوں نے اس علمی ماحول سے پوری طرح استفادہ کیا تھا اور سرمدآ رائے روزگار ائمہ سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی تھی۔

---

1. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۹۔ 2. طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۷۔

marfat.com

زکریا کو مشہور تابعی ابو اسحاق سبیعی سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا' ان کے علاوہ جن علماء سے انہوں نے اپنی علم تشنگی فرو کی ان میں عامر الشعبی 'فراس' سماک بن حرب' سعد بن ابراہیم' خالد بن سلمہ' مصعب بن شعبہ' عبدالملک بن عمیر کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں[1]

تلامذہ:

خود زکریا بن ابی زائدہ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یحییٰ کے علاوہ سفیان ثوری' شعبہ' عبداللہ بن مبارک' عیسیٰ بن یونس' یحییٰ بن سعید القطان' وکیع بن الجراح' ابو اسامہ' ابو نعیم جیسے اکابر شامل ہیں۔

ثقاہت اور تدلیس:

ان کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں محققین مختلف الرائے ہیں[2] تاہم انہیں ضعیف کسی نے بھی قرار نہیں دیا' زیادہ سے زیادہ بعض علماء نے ان کی طرف تدلیس کی نسبت کی ہے' یعنی اپنے شیخ کا ذکر کیے بغیر براہ راست اوپر کے راوی سے حدیث بیان کردیتے تھے۔

ناقدین فن کے نزدیک یہ چیز ایک عیب تصور کی جاتی ہے' لیکن احناف کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں' جیسا کہ زکریا کی ثقاہت مسلم ہے۔

علماء کی ایک بڑی تعداد نے انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ''کان ثقۃ کثیر الحدیث''[3] حافظ ذہبی انہیں صدوق مشہور حافظ کہتے ہیں[4]

امام احمد ابو داؤد نے بھی تصدیق کی ہے۔[5] امام نسائی' یعقوب بن سفیان اور ابوبکر البزار بھی ان کی ثقاہت کے معترف ہیں'[6] مزید برآں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا بہت نمایاں ذکر کیا ہے[7]

---

[1] خلاصہ تذہیب وتہذیب الکمال [2] میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۳۴۹ وتہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۹۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۷۔ [4] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۴۹۔
[5] خلاصہ تذہیب الکمال۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳۰۔ [7] ایضاً۔

marfat.com

افتاء وقضاءت:

فقہ وحدیث میں عبور کلی کے ساتھ افتاء وقضاءت پر بھی کامل قدرت حاصل تھی، اس بنا پر کوفہ کی مسند قضا کی بھی زینت بنے، ابن قانع کا بیان ہے:

کان قاضیًا بالکوفة[1]

علماء کی رائے:

زکریا کی جلالت شان کا اعتراف ان کے معاصر اور بعد کے علماء دونوں نے کیا ہے، امام احمد کا قول ہے کہ جب ابو اسحاق سبیعی کی کسی روایت کے بارے میں ان کے شاگردان رشید زکریا اور اسرائیل میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو میرے نزدیک زکریا کا قول مرجح ہوگا، ابن معین کہتے ہیں کہ زکریا مجھے ہر چیز میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، عجلی کا بیان ہے کہ وہ ثقہ تھے، لیکن انہوں نے ابو اسحاق سبیعی سے ان کی آخری زندگی میں سماعت کی تھی، جبکہ انسان کے دماغ و ذہنی قوی انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں، اس لیے محدثین اس زمانہ حیات کی روایتوں کو بلند درجہ نہیں دیتے، چنانچہ ائمہ فن نے زکریا کی ثقاہت کا اعتراف کرنے کے باوصف ان کی ان روایات کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے[2]

وفات:

باختلاف روایت ۱۴۸ھ یا ۱۴۹ھ میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی[3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳۰۔

[2] یہ تمام اقوال حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۳۰ سے ماخوذ ہیں۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۷۔

marfat.com

زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

زائدہ نام ابو الصلت کنیت اور باپ کا نام قدامہ تھا۔[1] اس کے بعد سلسلہ نسب نامعلوم ہے، بنو ثقیف سے نسبت ولاء رکھنے کی بنا پر ثقفی اور اپنے مولد وموطن کوفہ کی طرف منسوب ہو کر کوفی کہلاتے ہیں۔

علم وفضل:

علمی حیثیت سے بلند پایہ اتباع تابعین کی جماعت میں کئی حیثیتوں سے بہت ممتاز تھے، علامہ خزرجی احد الاعلام، اور حافظ ذہبی امام وحجت کے الفاظ سے ان کا ذکر کیا کرتے ہیں۔[2]

حدیث میں ان کے تبحر اور کمال کا یہ عالم تھا کہ امام احمد فرماتے ہیں۔ ''اگر تم زائدہ سے مروی کوئی حدیث سن لو تو پھر اس کی کوئی پرواہ اور غم نہ کرو کہ تمہیں کسی دوسرے راوی سے سماع حاصل نہیں، یعنی زائدہ کی روایت ہی مستند ترین اور کافی ہے۔

حدیث:

زائدہ نے اپنے وقت کے بہت سے نادرۂ روزگار ائمہ وشیوخ سے حدیث کی تحصیل اور اور اس میں مہارت حاصل کی تھی، انہیں جن فضلائے زمن سے فیض صحبت اور اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں ابو اسحاق سبیعی، عبدالملک بن عمیر، سلیمان التیمی، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل السدی، حمید الطویل، زیاد بن علاقہ، سماک بن حرب، شعیب بن غرقد، ہشام بن عروہ، اعمش اور ہشام بن حسان جیسے نامور علماء شامل ہیں۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۲۱ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴
[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۶۔

marfat.com

تلامذہ:

ان کے خوشہ چینیوں کی تعداد بھی کثیر ہے، جن میں سے مشہور وممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، عبداللہ بن مبارک، حسین بن علی الجعفی، عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان بن عیینہ ابواسحاق الفزاری، طلق بن غنام، معاویہ بن عمر، ابونعیم، احمد بن یونس[1]

روایت میں احتیاط:

حدیث میں بایں ہمہ تبحر وکمال کے زائدہ بن قدامہ روایت کرنے میں غایت درجہ محتاط تھے، وہ رواۃ حدیث کی ثقاہت وعدالت اور دوسرے احوال زندگی کی تحقیق وتفتیش میں بڑی ژرف نگاہی کا ثبوت دیتے اور چھان بین کے بعد جب راوی کی زندگی مثل آئینہ بے داغ اور شفاف نظر آتی جب ہی اس کی روایت کو شرف قبول بخشتے تھے، اس خصوصیت کی بنا پر ان کی تمام مرویات اعلیٰ درجہ کی ہیں امام ابوداؤد طیالسی روایت حدیث میں ان کی اس فرط احتیاط کی نسبت خامہ ریز ہیں کہ:

كان لا يحدث صاحب بدعة[2]

''وہ کسی اہل بدعت سے روایت نہیں کرتے تھے''۔

علاوہ ازیں ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

حدثنا زائدة بن قدامة و كان لا يحدث قدريًا ولا صاحب بدعة.[3]

''زائدہ بن قدامہ نے ہم سے حدیث روایت کی ہے اور وہ کسی قدری یا بدعتی سے روایت نہیں کرتے تھے''۔

تثبت واتقان:

کسی حدیث کی صحت اور علو کے لیے راوی کا متقن اور ثبت ہونا بھی ضروری ہے، زائدہ اس صفت سے بھی بدرجۂ اتم متصف تھے، علامہ ذہبی اتقان میں انہیں امام شعبہ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۶۔ [2] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۳۶۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۶۔

marfat.com

کان من نظراء شعبة فی الاتقان[1]

''وہ اتقان میں امام شعبہ کی نظیر تھے''۔

امام احمد کا قول ہے:

المثبتون فی الحدیث اربعة سفیان و شعبة و زهیر و زائدة[2]

''حدیث میں چار اشخاص بہت بلند مرتبہ تھے سفیان' شعبہ' زہیر اور زائدہ بن قدامہ''۔

صداقت وعدالت اور ائمہ کا اعتراف:

تمام ائمہ و علماء اور ماہرین فن نے بالاتفاق زائدہ کی ثقاہت' عدالت اور صداقت کا اعتراف کیا ہے' چنانچہ ابوزرعہ کا بیان ہے کہ صدوق من اھل العلم[3] ابوحاتم کہتے ہیں:

کان ثقة صاحب سنة وهو احب الی من ابی عوانة[4]

''وہ ثقہ محدث تھے اور میرے نزدیک ابوعوانہ سے زیادہ پسندیدہ تھے''۔

ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة مامونا صاحب سنة و جماعة[5]

''وہ ثقہ مامون اور صاحب سنت تھے''۔

ابواسامہ جنہیں زائدہ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا' اپنے شیخ کی صداقت اور صالحیت کے متعلق بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے اور نیک انسان تھے' کان من اصدق الناس و ابرھم[6]

علاوہ ازیں ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کان من الحفاظ المتقنین' امام دارقطنی' نسائی اور ابوداؤد الطیالسی نے بھی ان کو ثقہ

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۹۴۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۶۔ 3. ایضاً۔ 4. العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۳۶ و خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۳۱۔ 5. طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳۔
6. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۹۴۔

marfat.com

اور صدوق تسلیم کیا ہے۔

وفات:

باختلاف روایت ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں انتقال فرمایا' محمد بن عبداللہ الحضرمی کا بیان ہے کہ ان کی وفات سرزمین روم میں کسی جہاد کے دوران ہوئی [1] اس کی تائید علامہ ابن سعد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

توفی زائدۃ بارض الروم عام غز الحسن بن قحطبة الصائفة سنة ستين او احدی وستين ومائة۔ [2]

''زائدہ کی وفات ارض روم میں اس سال ہوئی جب صائفہ نے جنگ کی تھی' وہ ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ تھا۔

علامہ خزرجی نے مطین کا یہ قول نقل کیا ہے:

مات زائدة غازیًا بارض الروم سنة اثنتين وستين ومائة۔ [3]

''زائدہ کی وفات ارض روم میں ۱۶۲ھ میں جنگ کرتے ہوئے ہوئی''۔

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۷۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۶۳۔

[3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۳۱۔

marfat.com

زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام زہیر کنیت ابوخیثمہ تھی[1] نسب نامہ یہ ہے، زہیر بن معاویہ بن خدیج بن الرحیل بن زہیر بن خیثمہ بن ابی حمران الحارث بن معاویہ بن الحارث بن مالک بن عوف بن سعد بن حریم بن جعفی بن سعد العشیر بن مذحج[2]

ولادت اور وطن:

زہیر کی پیدائش کوفہ میں ۱۰۰ھ میں ہوئی[3] عمر کے بیشتر حصہ میں وہیں علم وعمل کی روشنی پھیلائی، لیکن پھر ایک زمانہ کے بعد ۱۶۴ھ میں جزیرہ منتقل ہو کر سکونت اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی[4]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ کوفہ اور جزیرہ کے ممتاز علماء میں شمار کیے جاتے تھے، تثبت واتقان اور حفظ وثقاہت میں نہایت بلند مرتبہ تھے، علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی انہیں کان احد الحفاظ الاعلام کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں[5] سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے۔

علیک بزهیر بن معاویة فما بالکوفة مثله[6]

''زہیر بن معاویہ کی صحبت اختیار کرو کوفہ میں ان کی مثال نہیں''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

---

[1] کتاب الکنی والاسماء للدولابی ج ۱ ص ۱۶۶۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۲۔ [3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۴۳۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۱۔ [5] العبر ج ۱ ص ۲۶۳، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۲۳۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۱۔

marfat.com

زهير من معادن العلم[1]

''زہیر علم کی کانوں میں سے ایک ہیں''۔

حدیث:

علم حدیث ہی زہیر بن معاویہ کا اصلی جولانگاہ تھا' وہ ان ممتاز حفاظ حدیث میں تھے جنہوں نے اپنی پوری حیات مستعار اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی تھی' اسی بنا پر انہیں حدیث کی صحت وضعف اور رجال کی جانچ پڑتال پر کامل عبور حاصل تھا۔

انہیں جن مشاہیر محدثین اور نادرۂ روزگار علماء سے اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی تھی' ان میں ابواسحاق سبیعی' سلیمان التیمی' عاصم الاحول' اسود بن قیس' سلیمان الاعمش' سماک بن حرب' میمون بن مہران' موسیٰ بن عقبہ' ہشام بن عروہ' یحییٰ بن سعید الانصاری' زیاد بن علاقہ' عبدالکریم الجزری اور زید بن جبیر کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح ان سے مستفید ہونے والوں میں عبدالرحمن بن مہدی' یحییٰ بن سعید القطان' ابوداؤد الطیالسی' یحییٰ بن آدم' ابونعیم' احمد بن یونس' یحییٰ بن یحییٰ التیمی' عمرو بن خالد اطرافی' عمرو بن عثمان الرقی' ہیثم بن جمیل الانطاکی' ہاشم بن القاسم جیسے علماء وائمہ شامل ہیں[2]

تثبت واتقان:

ان کے صحیفہ کمال کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی اعلیٰ پایہ کی ثقاہت و عدالت اور تثبت واتقان ہے اور یہ ثمرہ تھا' حدیث میں ان کی طویل العمر ریاضت و جانکاہی کا' اس کمال میں ان کے ہم پلہ علماء کم ہی نظر آتے ہیں' معاذ بن معاذ حلفیہ کہا کرتے تھے۔

والله ما كان سفيان باثبت من زهير فاذاسمعت الحديث من زهير فلا ابالي ان لا اسمعه من سفيان[3]

''بخدا سفیان زہیر بن معاویہ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے جب زہیر سے کوئی حدیث سنتا تو پھر مجھے اس کی قطعی پرواہ نہ ہوتی کہ میں اسے سفیان سے نہیں سن سکا''۔

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۱۱۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۱۔ 3. تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۱۱۔

marfat.com

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے علم وفضل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

کان حافظًا متقنًا وکان اهل العراق یقولون فی ایام الثوری اذا مات الثوری ففی زهیر خلف وکانوا یقدمونه فی الاتقان علیٰ غیره[1]

''وہ حافظ متقن تھے' اہل عراق سفیان ثوری کے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ اگر ثوری کا انتقال ہوگیا تو زہیر بن معاویہ کی شکل میں ہمیں ان کا جانشین مل گیا' اہل عراق انہیں دوسروں پر اتقان میں ترجیح دیتے تھے''۔

ابن سعد رقمطراز ہیں:

وکان ثقة تثبت کثیر الحدیث[2]

''وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے''۔

اسی طرح دوسرے بہت سے علماء اور ماہرین جرح وتعدیل نے بلند آواز کے ساتھ ان کی توثیق کی ہے' ابو حاتم کہتے ہیں کہ زہیر بن معاویہ میرے نزدیک اسرائیل بن یونس سے بھی ہر چیز میں فائق و برتر ہیں سوائے ابو اسحاق سبیعی کی روایات کے' اس میں اسرائیل کا مرتبہ یقیناً بلند ہے' کیونکہ زہیر نے ابو اسحاق سبیعی سے سماع اس وقت حاصل کیا تھا' جب کبر سنی کی بنا پر سبیعی کا حافظہ مختلط ہوگیا تھا۔

لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اولاً تو نفس بات ہی صحیح نہیں ہے کہ ابو اسحاق سبیعی کا حافظہ آخر عمر میں کمزور ہوگیا تھا' مااختلط ابو اسحاق ابدا' یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ حیات کے سماع کا درجہ نسبۃً فروتر ہوتا ہے۔

وفات:

١٧٢ھ میں زہیر فالج کا شکار ہوئے اور اس کے ایک ہی سال بعد رجب ١٧٣ھ میں ان کا رشتہ حیات منقطع ہوگیا' اس وقت خلیفہ ہارون الرشید داد فرمانروائی دے رہا تھا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ٣ ص ٣٥١ ۔ [2] طبقات ابن سعد ج ٦ ص ٢٦٢ ۔

marfat.com

سعید بن عبدالعزیز ؒ

نام ونسب:

سعید نام اور ابومحمد یا عبدالعزیز کنیت ہے' نسب نامہ یہ ہے:

سعید بن عبدالعزیز بن ابی یحییٰ[1] 'تنوخی خاندانی نسبت ہے تنوخ ان قبائل کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں بحرین میں آباد ہو گئے تھے' اور باہمی تعاون کا حلف لے رکھا تھا' تنوخ کے لغوی معنی اقامت کے ہیں[2]

ولادت اور وطن:

۹۰ھ میں پیدا ہوئے' اصلاً بحرین کے رہنے والے تھے لیکن بدوشعور کے بعد عمر بھر شام کے پایہ تخت دمشق میں سکونت پذیر رہے اس لیے دمشقی بھی کہلاتے ہیں۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ شام کے بلند ترین فقہاء ومحدثین میں تھے' اجلہ تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت نصیب ہوئی' قرآن' حدیث اور فقہ جملہ علوم کے جامع تھے' عبادت وریاضت اور خوف وخشیت ان کی زندگی کے روشن ابواب ہیں' حاکم کہتے ہیں کہ ثقہ ودیانت اور علم وفضل کے اعتبار سے سعید بن عبدالعزیز کو شام میں وہی مقام حاصل تھا جو امام مالک کو اہل مدینہ میں'[3] امام اوزاعی فقہ وافتاء کے مشہور زمانہ امام تھے' ان سے اگر کوئی شخص ابن عبدالعزیز کی موجودگی میں استفتاء کرتا تو فوراً فرماتے سلوا ابا محمد[4]

شیوخ:

ان کے اساتذہ شیوخ میں ہرفن کے ماہرین کی کافی تعداد ملتی ہے۔ ممتاز مشہور ائمہ میں مکحول دمشقی' نافع مولی ابن عمر' قتادہ' زہری' ربیعہ بن یزید الدمشقی' بلال بن سعد

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ص ۱۷۱۔ [2] اللباب فی تہذیب الانساب ج اص ۱۸۳۔

[3] شذرات الذہب ج اص ۲۶۳۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۹۸۔

marfat.com

سلیمان بن موسیٰ، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن عبید اللہ، عطیہ بن قیس، یونس بن میسرہ اور ابوالزبیر کے نام شامل ہیں۔

تلامذہ:

اسی طرح ان کے تلامذہ اور منتسبین کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، جن میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، حجاج بن محمد، یزید بن یحییٰ، ابوحیوہ، شریح بن یزید، محمد شعیب بن شابور، مروان بن محمد، وکیع بن الجراح، ولید بن مسلمہ، یحییٰ بن اسحاق، مسکین بن بکیر، عبدالملک بن محمد الصنعانی، یحییٰ بن سعید القطان، ابومسہر، یحییٰ بن بشر، ابونصر، محمد بن عثمان التنوخی جیسے اکابر اہل علم فضلاء شامل ہیں، علاوہ ازیں ان کے معاصرین میں سفیان ثوری اور امام شعبہ نے بایں ہمہ جلالت علم ان سے روایت کی ہے[1]

قرآن:

علوم قرآن میں انہیں کافی دسترس اور قدرت حاصل تھی، اس کی تحصیل انہوں نے علی بن عامر اور یزید بن ابی مالک سے کی تھی۔

حدیث:

گو حدیث میں انہیں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہ تھا، تاہم شامی شیوخ کی جس قدر بھی مرویات کا سماع انہوں نے کیا تھا، اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں ملتا۔

امام احمد کا ارشاد ہے:

لیس بالشام اصح حدیثا منہ[2]

''شام میں ان سے زیادہ صحیح الحدیث کوئی نہ تھا''۔

عمر بن علی کہتے ہیں کہ شامیوں کی حدیثیں بالعموم ضعیف ہوتی ہیں، لیکن اس کلیہ سے دو علماء مستثنیٰ قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں، ایک امام اوزاعی اور دوسرے سعید بن عبدالعزیز[3]

فقہ:

سعید بن عبدالعزیز کے صحیفہ کمال کا درخشاں ترین ورق فقہ میں ان کی غیر معمولی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۵۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۸۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۶۰

marfat.com

مہارت ہے، امام اوزاعی کے بعد شام میں اس فن کا ان سے بڑا عالم کوئی نہ ہوا۔ بلکہ ابومسہر تو فقہی کمال میں انہیں امام اوزاعی پر بھی فوقیت دیتے ہیں، ابوحاتم کا بیان ہے کہ:

لا اقدم باشام بعد الاوزاعی علی سعید احدا۔[1]

''میں شام میں اوزاعی کے بعد فقہ میں سعید بن عبدالعزیز پر کسی کو فوقیت نہیں دیتا''۔

اسی کے باعث زبان خلق نے انہیں ''فقیہ الشام بعد الاوزاعی'' اور مفتی دمشق کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ثقاہت:

ائمہ جرح و تعدیل نے بالاتفاق ان کی عدالت، ثقاہت اور صداقت کو تسلیم کیا ہے، ابن معین نے انہیں حجۃ اور امام نسائی ثقہ ثبت قرار دیتے ہیں، مزید براں ابوحاتم عجلی اور محمد بن اسحاق وغیرہ صراحت کے ساتھ ان کی توثیق کرتے ہیں[2] ابن حبان کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کان من عباد اهل الشام و فقهائهم ومتقنيهم فی الرواية۔[3]

''وہ شام کے عباد، فقہا اور صاحب اتقان علماء میں تھے''۔

قوت حافظہ:

انہوں نے حفظ و ذہانت سے بھی حصہ وافر پایا تھا، خود ہی فرمایا کرتے تھے، میں نے حدیث کبھی نہیں لکھی، یعنی شیوخ سے روایات سن کر اپنے حافظہ کے خزانے میں محفوظ کر لیتے تھے۔ لیکن ان کے بعد تلامذہ کا خیال ہے کہ آخر زمانہ میں بتقاضائے عمر سوء حافظہ اور فتور عقل میں مبتلا ہو گئے تھے[4]

خشیت الٰہی:

وہ علم کے ساتھ ساتھ علم کا بھی پیکر مجسم تھے، نہایت عبادت گزار تھے، لیکن بایں ہمہ خوف و خشیت الٰہی سے ہر آن لرزاں رہتے۔ رات بھر نماز پڑھتے اور ساتھ آنسوؤں کا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۶۰۔ [2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸۶۔

[3] تہذیب الاعتدال ج ۴ ص ۶۰۔ [4] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸۶۔

marfat.com

سیل رواں رہتا۔ ابوالفراء الضرابیسی چشم دید راوی ہیں کہ میں نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھا' ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ کر چٹائی پر گر رہے تھے' محمد بن مبارک الصوری کا بیان ہے' جب بھی سعید بن عبدالعزیز کی کوئی نماز یا جماعت فوت ہو جاتی تو بے تحاشا روتے تھے[1]

خشوع وخضوع:

اسی کے ساتھ ان کی عبادت میں خشوع بدرجہ اتم موجود ہوتا۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو جہنم متشکل ہو کر سامنے آتی اور وہ دنیا و مافیہا سے کٹ کر پروردگار کے حضور میں اپنی عبودیت کا نذرانہ پیش کرتے خود بیان کرتے ہیں کہ ''ما قمت الیٰ صلوۃ الامثلت لی جھنم'' [2] یعنی جب میں نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو جہنم اصل روپ میں میرے سامنے آتی ہے۔

اقوال زریں:

آپ کے جن بعض ملفوظات کا ذکر کتب طبقات میں ملتا ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلند پایہ عالم' فقیہ اور محدث ہونے کے ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ بھی تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں استفسار کرتا تو جواب دینے سے قبل یہ ضروری فرماتے ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ ھذا رأی والرأی یخطی ویصیب'' ایک بار کسی نے قدر کفاف (یعنی جتنا رزق زندگی اور موت کا رشتہ قائم رکھنے کو کافی ہو) کی توضیح چاہی تو فرمایا جوع یوم وشبع یوم یعنی ایک فاقہ کرو اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤ۔ ایک مرتبہ اثنا گفتگو میں کسی شخص کی زبان سے اطال اللہ بقاء ک نکل گیا' فوراً فرمایا

لا بل عجل اللہ بی الیٰ رحمتہ

وفات:

مہدی کے ایام خلافت ۱۶۷ھ میں بمقام دمشق رحلت فرمائی' وفات کے وقت ۸۰ سال کے قریب عمر تھی۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۸۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۶۳۔

marfat.com

سلیمان بن بلال رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سلیمان نام اور ابو محمد اور ابو ایوب کنیت اور والد کا نام بلال تھا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کے غلام تھے' جونسبا تیم قریش سے تعلق رکھتے تھے' اسی طرف منسوب ہو کر سلیمان بھی تیمی اور قریشی مشہور ہوئے[1]

وطن:

مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے' پوری زندگی اسی کی جاروب کشی میں گزاری۔

فضل وکمال:

علم و دانش اور فضل و کمال میں یکتائے عصر تھے' بالخصوص فقہ میں ان کا تبحر وتفوق مسلم تھا' حدیث کے بھی ممتاز حافظ تھے' ماہر نقد وجرح عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) تاحیات اس بات پر کف افسوس ملتے رہے' کہ وہ سلیمان سے زیادہ احادیث کا سماع حاصل نہیں کر سکے[2] علامہ ذہبی انہیں الحافظ المفتی لکھتے ہیں[3] ابن سعد رقمطراز' کان ثقۃ کثیر الحدیث[4] ذہلی کا بیان ہے کہ مدنی شیوخ کی مرویات میں انہیں خاص تبحر حاصل تھا[5]

شیوخ واساتذہ:

انہیں جن علماء کبار سے روایت حدیث کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان میں عبداللہ بن دینار، زید بن اسلم، خثیم بن عراک' ابوحازم الاعرج، ربیعۃ الرائے' اسماعیل بن ابی صالح' ابن عجلان' موسیٰ بن انس' موسیٰ بن عقبہ' ہشام بن عروہ' یحییٰ بن سعید' یزید بن نصیفہ' ثور بن زید الدیلی' جعفر الصادق' سہیل بن ابی صالح' عتبہ بن مسلم' اور یونس بن یزید لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے فضل وکمال سے مستفید ہونے والوں میں مشاہیر فن علماء کے نام شامل ہیں' چند

---

1. طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۱۱ واللباب فی الانساب ج ا ص ۱۹۰۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۶۔
3. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۱۱۔ 4. طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۱۱۔ 5. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۶۔

marfat.com

یہ ہیں: عبداللہ بن مبارک، خالد بن مخلد، یحییٰ بن یحییٰ النیسا پوری، محمد بن سلیمان لوین، سعید بن ابی مریم، عبدالعزیز بن ابی اویس، سعید بن عفیر، عبداللہ بن وہب، ابوسلمہ الخزاعی، بشر بن عمر الزاہرانی، قعنبی، سب سے آخری راوی لوین ہیں [1]

فقہ وافتاء:

کمال تفقہ کے باعث مدینہ منورہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز ومرجع بن گئی تھی، یہاں تک کہ ''مفتی مدنیہ'' ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

وصولی خراج کی افسری:

اس کی دیانت وتقویٰ عوام وخواص میں اس درجہ مسلم تھا کہ اپنے شہر مدینہ کے تمام خراج کے ذمہ دار افسر بھی مقرر کیے گئے [2]

ثقاہت:

ان کی عدالت وثقاہت پر تمام ائمہ فن متفق ہیں، یحییٰ بن معین خلیلی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن عدی، ابن حبان اور ابن شاہین، سب برملا ان کو ثقہ اور صالح الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں ''کان من الثقات الاثبات'' [3] یعنی وہ ثقہ اور ثبت علماء میں تھے، علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھ کر ان کے علم وفضل کو سراہتے ہیں [4]، سلیمان کی ثقاہت کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ نے بھی ان سے روایت کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فاکہی کی کتاب مکہ میں امام صاحب کی اس روایت کو خود دیکھ کر اس کی شہادت دی ہے [5]

وفات:

۱۷۳ھ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائے عالم جاوداں ہوئے [6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۱۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۱۱۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۸۱۔
[4] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۱۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۶۔ [6] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۶۱ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲ وشذرات الذہب ج ۱ ص ۲۸۱۔

marfat.com

سلیمان بن المغیرہ القیسی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام سلیمان ابو سعید کنیت اور باپ کا نام مغیرہ تھا[1] قیس بن ثعلبہ ساکن بصرہ کے غلام تھے اور بصرہ ان کا وطن مالوف بھی تھا' اس لیے القیسی اور البصری کی نسبتوں سے شہرت عام حاصل کی[2]

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے بہت جلیل المرتبت تھے' متعدد تابعین کرام کے پیکر نور سے اپنی دیدہ شوق کو روشن کیا' اور ان کے دامان فیض سے پوری طرح مستفید ہوئے' حفظ واتقان اور تثبت وثقاہت میں اپنے زمانے کے رئیس المحدثین تھے' شعبہ جیسے مایہ صد فخر استاذ الکل کا ارشاد ہے:

هو سيد اهل البصرة.[3] ''وہ اہل بصرہ کے سردار تھے''

خریبی بیان کرتے ہیں:

ما رأيت بصريًا افضل منه.[4]

''میں نے ان سے افضل کوئی بصری نہیں دیکھا''۔

سلیمان کے ممتاز استاد اور مشہور تابعی ایوب السختیانی لوگوں سے فرمایا کرتے تھے:

خذوا عن سليمان بن المغيرة ليس احد احفظ لحديث حميد من سليمان بن المغيرة[5]

''سلیمان بن المغیرہ سے حدیث حاصل کرو کیونکہ حمید الطویل کی مرویات کو ان سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں''۔

حافظ ذہبی انہیں ''عالم اهل البصرة فی وقته'' اور ''الامام الحافظ الثبت'' لکھتے ہیں[6]

---

[1] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۵۴ [2] کتاب الانساب ورق ۴۶۸۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۹۹
[4] العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۴۵۔ [5] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۸۔ [6] العبر ج ا ص ۲۴۵۔

marfat.com

حدیث:

انہوں نے جن شیوخ سے حدیث کا سماع کیا' ان میں محمد بن سیرین' ایوب السختیانی' حسن البصری' حمید' ہلال اور ثابت البنانی جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔ اورخود ان سے اکتساب علم کرنے والوں میں عبداللہ بن مبارک' یحییٰ بن سعید القطان' عبدالرحمٰن بن مہدی' سفیان ثوری' شعبہ' بہز بن اسد' حبان بن ہلال' ابوداؤد الطیالسی' زید بن حباب' شبابہ بن سوار' معتمر بن سلیمان' وکیع بن الجراح' یحییٰ بن آدم' یزید بن ہارون' عفان' آدم بن ابی ایاس' ابوالولید الطیالسی' عاصم بن علی' سلیمان بن حرب' مسلم بن ابراہیم' ابونعیم' موسیٰ بن اسماعیل' اسد بن موسیٰ' قعنبی' شیبان بن فروخ اور ہدبہ بن خالد کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں[1]

مرویات کا پایہ:

ان کی روایت کا پایہ اپنی صحت وتثبت کے لحاظ سے بہت بلند تھا' علی بن المدینی کہتے ہیں کہ ثابت البنانی کے تلامذہ میں حماد بن سلمہ کے تثبت فی الحدیث میں سب سے بلند مقام سلیمان بن المغیرہ کو حاصل تھا[2] امام احمد بہت پرزور الفاظ میں ان کی ثقاہت کا اعتراف کرتے ہیں[3] علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: ''کان ثقة ثبتا''[4] بزار کا بیان ہے:

کان من ثقات اهل البصرة[5] ''وہ بصرہ کے ثقات ائمہ میں سے تھے''۔

علاوہ ازیں یحییٰ بن معین' امام نسائی' سلیمان بن حرب' ابن شاہین' ابن حبان اور عجلی وغیرہ نے بصراحت انہیں ثقہ' مامون اور صدوق قرار دیا ہے[6] نیز امام بخاری نے بھی ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔[7]

وفات:

۱۶۵ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی[8]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۱۹۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج۴ص۲۲۰۔ [3] العبر ج۱ص۲۴۵۔

[4] طبقات ابن سعد ج۷ص۳۸۔ [5] تہذیب التہذیب ج۴ص۲۲۱۔ [6] ایضاً ج۴ص۲۲۰۔

[7] تقریب التہذیب ص۹۷۔ [8] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص۱۵۴۔

marfat.com

شجاع بن ولید ؒ

نام ونسب:

شجاع نام' ابو بدر کنیت' والد کا اسم گرامی ولید اور جد امجد کا نام قیس تھا[1] کوفہ کے خاندان بنو کندہ کی ایک شاخ سکون بن اشرس سے نسبی تعلق رکھتے تھے' اسی باعث سکونی اور کوفی کی نسبتوں سے شہرت پائی[2]

وطن:

ان کا آبائی وطن کوفہ تھا اور وہیں پیدا بھی ہوئے' لیکن پھر بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی[3]

فضل وکمال:

شیخ شجاع کو نہ صرف دنیائے علم وفن ہی میں ممتاز مقام حاصل تھا بلکہ وہ عبادت و ریاضت اور تقویٰ وصالحیت میں بھی بلند مرتبہ تھے' ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ:

کان ثقة ورعًا عابدًا متقنًا[4]

''وہ ثقہ' متقی اور عابد تھے''۔

حافظ ذہبی رقمطراز ہیں:

کان من صلحاء المحدثین وعلمائهم.[5]

''وہ صلحاء محدثین اور علماء میں تھے''۔

شیوخ وتلامذہ:

انہوں نے جن شیوخ سے استفادہ کیا ان میں اسماعیل بن ابی خالد' یحییٰ بن سعید الانصاری' سلیمان بن مہران الاعمش' موسیٰ بن عقبہ' ہاشم بن ہاشم بن عتبہ' عمر بن محمد' ابو خالد الدولابی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۵۷۔ [2] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ ص ۵۵۰۔
[3] تاریخ بغداد ۹ ص ۲۴۸۔ [4] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۲۔ [5] العبر ج ۱ ص ۳۴۶۔

marfat.com

زیاد بن خیثمہ زہیر بن معاویہ لیث بن سعد مغیرہ بن مقسم عطا بن السائب عبید اللہ بن معاویہ کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں [1] اور ان کے صاحبزادے ولید کے علاوہ مسلم بن ابراہیم یحییٰ بن ایوب یحییٰ بن معین احمد بن حنبل ابوعبید قاسم بن سلام زہیر بن حرب علی بن المدینی محمد بن اسحاق الصاغانی محمد بن عبیداللہ عبداللہ بن محمد بن ایوب المخرمی سعدان بن بصر اسحاق بن راہویہ ان کے نامور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں [2]

پایہ مرویات:

امام شجاع کی مرویات کے بارے میں علماء کافی اختلافات رکھتے ہیں لیکن ان کے صلاح وتقویٰ پر تقریباً سب کو تفاق ہے مروزی کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کیا ابوبدر شجاع ثقہ ہیں؟ انہوں نے فرمایا:

ارجوا ان یکون صدوقا حابس الصالحین [3]

''مجھے امید ہے کہ وہ صدوق ہوں گے اس لیے کہ انہوں نے صلحاء کی صحبت اٹھائی ہے''۔

امام احمد کا ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ:

كان شيخًا صالحًا صدوقًا [4]

''شیخ شجاع صالح اور صدوق تھے''۔

علاوہ ازیں ابن معین ابوزرعہ اور عجلی بھی ان کی روایات کو قابل حجت اور ثقہ قرار دیتے تھے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے لیکن محدث ابوحاتم وغیرہ کی رائے ہے کہ وہ قبول روایت کے معاملہ میں غیر محتاط تھے۔ اس لیے ان کی مرویات کو حجت بنانا صحیح نہیں مگر بایں ہمہ ابوحاتم معترف ہیں کہ:

عنده عن محمد بن عمر احاديث صحاح [5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۱۲۔ [2] تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۴۷۔ [3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۲۔ [4] خلاصہ تذہیب ص ۱۶۳۔ [5] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۲۔

marfat.com

''ان کے پاس محمد بن عمر کی بہت سی صحیح احادیث کا ذخیرہ تھا''۔

کثرت عبادت:

ان کی عبادت و ریاضت کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ امام سفیان ثوری جیسے ثقہ بزرگ بھی ان الفاظ میں اس کی شہادت دیتے ہیں۔

لیس بالکوفة اعبد منه[1]

''کوفہ میں کوئی ان سے بڑا عابد نہ تھا''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں کہ وہ ورع و تقویٰ میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ اور کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے[2]

وفات:

ماہ رمضان المبارک ۲۰۴ھ میں بایام خلافت مامون الرشید وفات پائی[3]

۱ شذرات ج ۲ ص ۱۲۔

۲ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۱۴۔

۳ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۶۔

marfat.com

شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:

شریک نام اور عبداللہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے، شریک بن عبداللہ بن ابی شریک، حارث بن اوس بن الحارث بن الاذہل بن وہیل بن سعد بن مالک بن النخع بن جسر بن عمرو بن علہ بن خالد بن مالک اود بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان[1] یمن کے قبیلہ بنو مدحج کی ایک بڑی شاخ بنوالنخع سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث نخعی کہلاتے ہیں۔

ولادت، وطن اور خاندان:

ان کی ولادت خراسان کے مشہور مردم خیز شہر بخارا میں ۹۵ھ میں ہوئی[2] بنوالنخع طلوع اسلام کے بعد یمن سے نقل مکان کر کے کوفہ آباد ہو گئے تھے، اس لیے قاضی شریک بھی تاحیات کوفہ ہی میں سکونت اختیار کیے رہے، یہاں تک کہ نسباً نخعی کے ساتھ وطناً وہ کوفی ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے، ان کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند و ممتاز مقام رکھتا ہے، امام ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر تابعی اس گلستان فضل و دانش کے ایک گل سرسبد تھے، قاضی شریک کے جد امجد حارث بن اوس نے جنگ قادسیہ میں شریک ہو کر دادا شجاعت دی تھی[3]

علوئے مرتبت:

قاضی شریک کو فضل و کمال خاندانی ورثہ میں ملا تھا، فقہ و حدیث میں ان کی مہارت مسلم تھی، علاوہ فہم و دانش، ذہانت و فطانت سے بھی بہرہ وافر پایا تھا، سلاطین وقت ان کے اکرام و تعظیم میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتے تھے، کوفی علماء حدیث کی مرویات کا ان

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳ و ابن خلکان ج ۱ ص ۴ و ۴۰۲ و اللباب ج ۳ ص ۱۱۶۔

[2] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۰　[3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳۔

marfat.com

سے بڑا واقف کار اس وقت کوئی نہ تھا۔[1]

امام احمد کا بیان ہے:

كان عاقلا صدوقا محدثا كان شديدًا على اهل الريب والبدع[2]

''وہ عاقل، صدوق اور محدث تھے اہل ریب و بدعت کے بارے میں بہت سخت تھے''۔

ابن خلکان نے لکھا ہے، وہ عالم، فقیہ، ذی فہم، ذہین اور فطین تھے[3] علامہ ذہبی نے بھی انہیں کثیر الروایت اور بلند پایہ محدث قرار دیا ہے۔[4]

عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں:

مارأيت احدًا اورع فى عمله من شريك[5]

''میں نے علم میں شریک سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں دیکھا''۔

حدیث:

حدیث میں ان کی بلندی شان کا اندازہ صرف اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ اسحاق ازرق نے ان سے نو ہزار حدیثوں کا سماع حاصل کیا تھا، ابن مبارک کا یہ قول گزر چکا ہے کہ وہ شیوخ کوفہ کی حدیثوں کے سفیان سے بھی بڑے عالم تھے۔[6]

فقہ:

فقہ میں بھی غیر معمولی کمال حاصل تھا، اور اسی باعث وہ ایک طویل زمانہ تک واسط، اہواز اور کوفہ میں مسند عدل و انصاف کی زینت بنے رہے، علماء نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے کمال تفقہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

شیوخ:

قاضی شریک کے اساتذہ و شیوخ کی طویل فہرست میں بلند پایہ تابعین کافی تعداد میں شامل ہیں، جن میں کچھ نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں، ابو اسحاق سبیعی، ہشام بن عروہ، سلیمان بن مہران الاعمش، عطا بن السائب، منصور بن زاذان، ابراہیم بن جریر العجلی،

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۶۔ [2] ایضاً [3] ابن خلکان ج ۱ ص ۴۰۲۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۰۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۵۔ [6] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷۰۔

marfat.com

اسماعیل بن ابی خالد' راشد بن کیسان' عاصم بن سلمان الاحول' سماک بن حرب' عاصم بن بہدلہ' عاصم بن کلی' عبدالعزیز بن رفیع' مقدام بن شریح۔

تلامذہ:

ان کے آفتاب فیض کی شعاؤں سے کسب نور کرنے والوں کا حلقہ بھی اسی نسبت سے بہت وسیع ہے' فن جرح و تعدیل کے مسلم الثبوت امام عبدالرحمٰن بن مہدی' حافظ وکیع اور امام یحییٰ بن آدم جیسے فخر زمانہ علماء انہی کے خرمن علم کے خوشہ چین ہیں' ان کے علاوہ مشاہیر ائمہ میں فضل بن موسیٰ السینانی' زید بن ہارون' ابونعیم علی بن حجر' ہیثم بن بشر اسحاق الارزق' اسود بن عامر شاذان' حسین بن محمد المروزی' اسحاق بن عیسیٰ' حاتم بن اسماعیل' یعقوب بن ابراہیم' قتیبہ بن سعید' عبدالرحمٰن بن شریک کے نام ان کے تلامذہ میں ملتے ہیں' سب سے آخری شاگرد عباد بن یعقوب کو بتایا جاتا ہے[1]

پایہ ثقاہت:

ماہرین فن کی ایک کثیر تعداد ان کی عدالت و ثقاہت کی معترف ہے علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة مامون کثیر الحدیث[2]

''وہ ثقہ' مامون اور کثیر الحدیث ہیں''۔

عجلی اعتراف کرتے ہیں:

کوفی ثقة مامونا کثیر الحدیث و کان اروی الناس عنه اسحاق الارزق[3]

''وہ کوفی' ثقہ اور حسن الحدیث تھے' ان سے سب سے زیادہ روایتیں اسحاق الارزق نے کی ہیں''۔

ابو حاتم اور امام نسائی نے بھی ان کی روایات کو قابل قبول قرار دیا ہے[4] ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے' مزید برآں ان کی ثقاہت کا ایک بڑا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۳' ۳۴ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۴۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۵۔ [4] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۷۰ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۵۔

marfat.com

ثبوت یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے انہیں لائق حجت قرار دیا' اور امام مسلم نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے[1]

تثبت واتقان:

اسی طرح وہ تثبت واتقان میں بھی بلند پایہ تھے' امام احمد فرماتے ہیں کہ شریک نے ابواسحاق سبیعی سے ''قدیم'' سماع حاصل کیا تھا' جس کا مستند ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے' اسی وجہ سے شریک کا مرتبہ مرویات سبیعی کے باب میں زہیر بن معاویہ' اسرائیل بن یونس اور زکریا بن ابی زائدہ سے بھی بلند تر ہے[2] علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ قاضی شریک اتقان وتثبت میں حماد بن زید کے ہم پلہ تھے[3]

عہدہ قضا:

فقہ وافتا میں ان کے کمال وتبحر کے باعث مختلف سلاطین نے انہیں قضا کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا' سب سے پہلے منصور نے ۱۵۳ھ میں انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد معزول کر دیا' اس کے بعد جب مہدی اورنگ خلافت پر رونق افروز ہوا تو اس نے قاضی شریک کو دوبارہ اس منصب پر مامور کیا۔[4] لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبان کی روایت سے نقل کیا ہے کہ شریک ۱۵۵ھ میں واسط کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے بعد کوفہ کے مسند قضا پر رونق افروز ہوئے۔[5]

اول الذکر بیان ہی اصح معلوم ہوتا ہے' کیونکہ اس کی تائید دوسرے مآخذوں سے بھی ہوتی ہے' مورخ ابن خلکان نے اہواز کے قاضی ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔[6]

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قاضی شریک نے اس آزمائش سے محفوظ رہنے کی حتی الامکان پوری جدوجہد کی' جب بھی حاکم وقت نے ان کو بلا کر اس عہدہ کی پیش کش کی' انہوں نے برملا اس سے اپنے آپ کو نااہل بتا کر معذوری ظاہر کردی' چنانچہ منصور عباسی نے ان سے کہا ''قد ولیتك قضاء الکوفة'' یعنی میں نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو

---

[1] شذرات الذہب ج۱ص ۲۸۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج۴ص۳۳۴۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۱۰۔ [4] الاعلام ج۳ص۲۱۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج۴ص ۳۳۶۔ [6] ابن خلکان ج۱ص۲۰۳

marfat.com

فوراً عاجزی سے فرمایا:

یاامیر المومنین انی انما انظر فی الصلوۃ و الصوم فاما القضاء فلا احسنہ۔

''اے امیر المومنین میں تو صرف نماز روزہ ہی کے امور سے واقفیت رکھتا ہوں قضا کی ذمہ داریوں سے باحسن عہدہ برآ نہ ہوسکوں گا''۔

اسی طرح جب مہدی نے انہیں یہ منصب تفویض کرنے کے لیے بلایا تو فرمایا لا اصلح لذالک 'یعنی مجھ میں اس کی صلاحیت نہیں' لیکن بالآخر جب حکمرانوں نے جبروزبردستی کی حدتک اصرار کیا تو وہ بادلِ نخواستہ اس کو قبول کرنے پر تیار ہوئے[1]

عدل پروری:

قاضی شریک کی کتاب زندگی کا سب سے درخشاں باب ان کا زمانہ قضا کا کردار وعمل ہے۔ وہ اس عظیم آزمائش سے بڑی حسن وخوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے' اس پوری مدت میں عدل پروری' انصاف پسندی اور غیر جانبداری ان کا خاص شیوہ رہا' حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں: کان مشکورافی حکمہ و تنفیذ الاحکام[4] علامہ ذہبی لکھتے ہیں'' کان عادلًا فی قضاءۃ''[5] محمد بن خلف وکیع نے عدالتی فیصلے نافذ کرنے میں قاضی شریک کی زیرکی وہوش مندی کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں' یہاں خود قاضی صاحب کے بیان کردہ صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:''جب منصور نے مجھے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو میں وہاں گیا۔ والی کوفہ محمد بن سلیمان کا کاتب حماد بن موسیٰ کسی قضیہ میں ماخوذ ہوکر میرے سامنے پیش ہوا میں نے دلائل وشواہد کی بنیاد پر فیصلہ صادر کرکے جیل بھیل دیا' ایک دن مجھے ناگاہ خبر ملی کہ حاکم نے اسے رہا کردیا ہے میں نے سوچا کہ یہ پہلا موقع ہے' اگر اس بار ہی میں نے کمزوری کا ثبوت دیا تو پھر حالات پر قابو حاصل کرنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ میں فوراً محمد بن سلیمان کے پاس پہنچا اور نہایت درشت لب ولہجہ میں کہا کہ تمہیں تو میرے فیصلوں کے نفاذ میں مددومعاون بننا چاہیے تھا نہ کہ مخالف۔ تم نے قی

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۰و۱۸۴' ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۳۔ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۷۱۔
[3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۵۔ [4] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۱۔

marfat.com

سے ایک مجرم کو رہا کر کے توہین عدالت کا ارتکاب کیا ہے بخدا اگر تم نے اسے دوبارہ قید میں نہ پہنچایا تو میں امیر المومنین کے سامنے تمہاری حقیقت کی پول کھول کر رکھ دوں گا' یہ رنگ دیکھ کر حاکم مذکور نے فوراً اپنے کاتب کو قید خانہ میں واپس کر دیا''۔[1]

ایک لائق ذکر معمول:

پورے زمانہ قضا میں ان کا یہ مستقل معمول رہا کہ مجلس عدل منعقد کرنے سے قبل دوپہر کا کھانا تناول فرماتے' پھر اپنے موزے میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے بغور دیکھتے' اس کے بعد مقدمات کی پیش کا حکم دیتے' ان کے بعض احباب کو تجسس پیدا ہوا کہ آخر اس کاغذ میں کیا لکھا ہے' جسے روزانہ اتنی پابندی سے دیکھنے کا معمول ہے۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا تو اس میں تحریر تھا۔

یا شریک بن عبدالله اذکر الصراط وحدته یاشریک بن عبدالله اذکر الموقف بین ید الله عزوجل[2]

''اے شریک بن عبداللہ! پل صراط اور اس کی باریکی کو یاد رکھو' اے شریک اس دن کو یاد رکھو' جب تم خداوند قدوس کے روبرو کھڑے ہو گے''۔

یہ درحقیقت اللہ جل شانہ کے سامنے ایک حلف نامہ تھا' تاکہ عدالت کی کاروائی کے ہر ہر موڑ پر اس ذات کبریا کے حاضر و ناضر ہونے کا یقین دل کی گہرائی میں جاگزیں رہے اور کہیں لغزش و زیادتی نہ ہونے پائے۔

عبادت:

نہایت عبادت گزار تھے' محمد بن عیسیٰ عینی شاہد ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی پیشانی پر سجدہ کے واضح نشانات دیکھے۔[3]

عقل وفطانت:

ان کی فہم و دانش اور ذہانت و فطانت کا ایک ثبوت اوپر مذکور ہوا۔ عمار بن زریق

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۱۔ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۵۱۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶

marfat.com

کہتے ہیں کہ ایک بار میں امام مغیرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا' اسی اثنا میں سامنے سے قاضی شریک' سفیان ثوری' حسن بن صالح اور قیس بن الربیع ساتھ ساتھ نظر آئے' امام مغیرہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا:

ما من ھولاء احداً اعقل من شریک[1]

''ان سب میں شریک سے زیادہ فرزانہ کوئی نہیں ہے''۔

بدیہہ گوئی:

اسی عقل وذہانت کا ثمرہ تھا کہ وہ حاضر جوابی اور بدیہہ گوئی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے' سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ حاضر جواب تھے ''کان احضر الناس جوابًا'' منصور بن ابی مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے قاضی شریک کی زبان شیوا بیان سے خود فرماتے سنا۔ ''ترک الجواب فی موضعہ اذابۃ القلب''۔ یعنی موقع پر جواب سے چوک جانا دل کی پژمردگی کی دلیل ہے۔[2]

بعض اعتراضات اور ان کے جوابات:

ان کے فضل وکمال اور علم ودانش کا اعتراف کرنے کے ساتھ بعض علماء نے ان پر جرح بھی کی ہے' ان پر دو اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ سوء حافظہ میں مبتلا تھے' جس کے نتیجہ میں روایات میں کبھی تخلیط اور تدلیس واقع ہو جاتا کرتی تھی' ابراہیم بن سعد کا بیان ہے کہ شریک نے چار سو حدیثوں میں غلطی کی ہے' دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کی متفرد روایات قابل قبول نہیں ہیں۔[3]

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان میں تشیع تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے خلفائے راشدین وانبیائے کرام سے افضل اور خیر البشر قرار دیتے تھے' چنانچہ ابوداؤد الرہاوی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قاضی شریک کو خود کہتے سنا کہ:

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶۔ [3] میزان الاعتدال ج ا ص ۴۴۵۔

marfat.com

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر البشر تھے، پس جو اس کا انکار کرے، وہ کافر ہے''۔

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی اعتراضات یکسر بے بنیاد ہیں، ائمہ سلف کی ایک اچھی خاصی تعداد کو اس الزام سے متہم کیا گیا، جس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس عہد میں اہل بیت کرام سے عقیدت ومحبت کے غلو کو تشیع کی طرف رجحان سمجھا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا الزامات میں سے پہلے کا جواب یہ ہے کہ آخر عمر میں قاضی شریک کا حافظہ کمزور ضرور ہو گیا تھا، اس لیے اس زمانہ کی مرویات کا پایہ اتنا بلند نہیں رہا جتنا اس سے قبل کی روایات کا تھا لیکن یہ ضعف ان کی ساری روایات پر اثر انداز نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حقیقت کو بہت واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ متقدمین کا سماع بالکل بے داغ ہے، جن متاخرین نے کوفہ کا قاضی ہونے کے بعد ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان میں وہم واضطراب کا شبہ ہے، اس لیے کہ اس زمانہ میں قاضی شریک کا حافظہ کبرسنی کے باعث درست نہیں رہا تھا، عجلی کا بیان ہے کہ:

من سمع منه قديمًا فحديثه صحيح ومن سمع منه بعد ما ولى القضاء ففى سماعه بعض الاختلاط[2]

''جس نے ان سے قدیم سماع حاصل کیا اس کی روایات درست ہیں اور جس نے ان کے قاضی ہونے کے بعد سماعت کی اس کی مرویات میں کچھ اختلاط ہے''۔

صالح جزرہ کہتے ہیں کہ:

صدوق ولما ولى القضا اضطرب حفظه[3]

''یوں تو وہ صدوق ہیں لیکن منصب قضا پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا''۔

اسی طرح ثانی الذکر الزام کی تردید تو ایک سے زائد بار خود قاضی شریک نے کردی تھی، ایک مرتبہ کسی مفسد نے خلیفہ مہدی سے شکایت کردی کہ شریک بن عبداللہ

---

1 میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۴۵۔ 2 تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۳۶۔ 3 ایضاً۔

marfat.com

رافضی ہیں، مہدی نے نہیں بلا بھیجا، انہوں نے آ کر خلیفہ کو سلام کیا۔ اس نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر جواب سے اعراض کیا، قاضی صاحب نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو وہ نہایت خشمگیں لب و لہجہ میں گویا ہوا کہ "تم ملعون رافضی ہو"، قاضی صاحب نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ، علی، حسن، حسین رضی اللہ عنہم سے محبت ہی کا نام رفض ہے تو میں خدا اور تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں رافضی ہوں[1] علاوہ ازیں خلفائے راشدین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کا الزام بھی صرف ایک بہتان ہے، قاضی شریک کی زندگی میں ان کے سامنے جب تفضیلیت کا مسئلہ اٹھایا گیا، ہمیشہ یہی فرمایا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہی شخص افضل قرار دے سکتا ہے، جس کی عقل ماری گئی ہو، یہ دونوں شیوخ (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر امت تھے۔[2]

قاضی شریک کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیر البشر قرار دینے کی مذکورہ بالا روایت کو لے کر جن لوگوں نے انہیں اتہام کا نشانہ بنایا ہے، ان پر علامہ ذہبی نے شدید ترین نقد کا ہے رقمطراز ہیں:

ان شريكًا لا يعتقد قطعًا ان عليا خير من الانبياء ما بقى الا انه اراد خير البشر فى وقته وبلا شك هو خير البشر فى ايام خلافته۔[3]

"قاضی شریک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قطعًا انبیائے کرام سے افضل نہیں سمجھتے تھے، درحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ علی اپنے وقت میں خیر البشر تھے اور بلا شبہ وہ اپنے دور خلافت کے بہترین انسان تھے"۔

احترام علم:

علم و علماء کی بے حرمتی و بے توقیری برداشت نہ کرتے تھے، اس سلسلہ کا ایک

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۵۶ (تشیع کے الزام میں یہ جواب متعدد علماء سے مذکور ملتا ہے)

[2] ایضاً ج ۳ ص ۱۶۰۔ [3] میزان الاعتدال ج ا ص ۴۴۵۔

marfat.com

واقعہ لائق ذکر ہے، ہمدان بن الاصبہانی کہتے ہیں کہ ایک دن قاضی شریک کی خدمت میں حاضر تھا کہ خلیفہ مہدی کا کوئی لڑکا ان کے پاس آیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، پھر قاضی صاحب سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کوئی التفات نہ کیا کئی بار کے بعد اس لڑکے نے شاہانہ نخوت سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت کی اولاد کی تذلیل کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں "لکن العلم ازین عند اهله من ان يضيعوا" راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر فوراً وہ لڑکا دوزانو بیٹھ گیا، اور پھر سوال کیا، قاضی صاحب نے فرمایا: "هكذا يطلب العلم"[1]

بھوک کا فائدہ:

قاضی شریک کا یہ گرانقدر مقولہ بہت مشہور ہے کہ بھوک بیماری کو چوس لیتی ہے[2]

وفات:

یکم ذی القعدہ ۱۷۷ھ کو بمقام کوفہ علم و فضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہوگیا[3]

حسن بن حماد کہتے ہیں کہ ۱۷۷ھ میں جب قاضی شریک کا انتقال ہوا تو میں کوفہ میں موجود تھا[4] موسیٰ بن عیسیٰ والی کوفہ نے نماز جنازہ پڑھائی، خلیفہ وقت ہارون الرشید اس وقت حیرہ میں تھا، خبر ملتے ہی بعجلت تمام نماز میں شرکت کے لیے کوفہ آیا، لیکن راستہ ہی سے واپس ہوگیا، کیونکہ اسے تدفین سے فراغت کی اطلاع مل گئی تھی،[5] وفات کے وقت قاضی صاحب ۸۲ سال کے تھے[6]

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۶۱۔ [2] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۶۵۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۳۔

[4] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۶۸۔ [5] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۳۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۰۔

marfat.com

ضحاک بن مخلد النبیل ؒ

نام ونسب:

ضحاک نام' ابو عاصم کنیت اور نبیل لقب تھا' نسب نامہ یہ ہے' ضحاک بن مخلد بن الضحاک بن مسلم بن الضحاک' شیبانی اور بصری کی نسبتوں سے شہرت پائی' بعض علماء کا خیال ہے کہ بنوشیبان کے غلام تھے' لیکن بعض کی رائے کے مطابق بنوشیبان سے خاندانی نسبت حاصل تھی۔[1]

مولد:

۱۲۲ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے'[2] حافظ ابن حجر عسقلانی کا خیال ہے کہ امام ابو عاصم اصلاً مکی تھے' بعد میں بصرہ منتقل ہو گئے تھے۔[3]

لقب کی وجہ تسمیہ:

ان کے نبیل کے لقب سے مشہور ہو جانے کے بارے میں مختلف باتیں کی جاتی ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک بار بصرہ میں اتفاق سے ہاتھی آ گیا' جو وہاں کے لوگوں کے لیے ایک اعجوبہ تھا' اس لیے اس کو دیکھنے کے لیے سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ امام ابو عاصم اس وقت ابن جریج کے حلقہ درس میں تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں ابن جریج نے ان سے کہا کہ تم ہاتھی دیکھنے نہیں گئے' فرمایا' ہاتھی تو کبھی پھر دیکھ سکتا ہوں لیکن آپ کے اس درس کا بدل کہاں ملے گا' اس جواب سے خوش ہو کر ابن جریج نے فرمایا ''انت النبیل'' اس روایت کی صحت مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسی قسم کی ایک نہایت مستند روایت یحییٰ مصمودی اور امام مالک کے بارے میں بھی منقول ہے' قیاس ہے کہ غلط فہمی سے اس کا انتساب زیر نظر واقعہ میں ہو گیا' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام ابو عاصم کے عمدہ کپڑے تن کرنے کے باعث انہیں نبیل کا لقب ملا' اسی طرح روایت بھی ملتی ہے کہ بڑی اور لمبی ناک

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۰۔ [2] خلاصہ تذہیب ص ۱۷۷۔ [3] تہذیب ج ۴ ص ۴۵۳۔

marfat.com

ہونے کے باعث نبیل کہا جانے لگا[1]

راقم سطور کے خیال میں مذکورہ بالا وجوہ کے مقابلہ میں علامہ ذہبی کی یہ رائے زیادہ وزن رکھتی ہے کہ امام عاصم اپنی شرافت' نیکی اور صالحیت کے باعث نبیل کے لقب سے ملقب ہوئے[2]

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام حاصل تھا' حدیث وفقہ دونوں پر یکساں عبور رکھتے تھے' وسعت علم اور قوت حافظہ میں ان کا ثانی کم ہی مل سکے گا' اہل تذکرہ شیخ الاسلام اور الحافظ کے القاب سے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ابن عماد الحنبلی لکھتے ہیں:

كان واسع العلم و لم ير فى يده كتاب قط.

''وہ بہت وسیع العلم تھے' ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی''۔

شیوخ وتلامذہ:

جن نامور حفاظ حدیث کے خرمن علم سے انہیں خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی' ان میں کبار اتباع تابعین کے علاوہ اجلہ تابعین کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں' کچھ نمایاں نام یہ ہیں:

امام مالک بن انس' ہشام بن حسان' سلیمان التیمی' ابن عجلان' ابن ابی ذئب' ابن جریج' امام اوزاعی' سعید بن عبدالعزیز' حیوۃ بن شریح' زکریا بن اسحاق' سفیان ثوری' امام شعبہ' سعید بن ابی عروبہ' عبدالحمید بن جعفر' عمر بن سعید' قرہ بن خالد۔

خود امام عاصم سے حدیث کی روایت اور سماعت کرنے والے نامور علما میں امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' علی بن المدینی' بندار' ابوخیثمہ' یعقوب الدورقی' حارث بن اسامہ' محمد بن حبان وغیرہ شامل ہیں۔[3] مزید برآں ان کے شیوخ میں سے جریر ابن حازم اور معاصر علماء میں امام اصمعی نے بھی ان سے بعض روایتیں کی ہیں جو بجائے خود ابوعاصم

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۲۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۶۔
[3] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۲۸۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۱۔

marfat.com

کے علم و فضل پر شاہد عدل ہے۔

قوت حافظہ:

انہوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا' اسی وجہ سے ان کا دماغ ہزاروں حدیثوں اور مسائل فقہیہ کا مخزن بن گیا تھا' درس ہمیشہ زبانی ہی دیا کرتے تھے' علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ:

لم یحدیث قط الا من حفظه[1] ''انہوں نے ہمیشہ حافظہ سے حدیثیں روایت کیں''۔

ابوداؤد شہادت دیتے ہیں کہ امام ابو عاصم کو ایک ہزار حدیثیں زبانی از بر تھیں[2]

ابن خراش کا بیان ہے کہ:

لم یر فی یده کتاب قط.[3]

''ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی گئی''۔

تعدیل وتوثیق:

امام ابو عاصم کی عدالت وثقاہت' تثبت واتقان اور صداقت پر تمام علماء و محققین بیک زبان متفق ہیں[4] علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

کان ابو عاصم ثقة فقیهاً.[5] ''ابو عاصم ثقہ اور فقیہ تھے''۔ عجلی کا بیان ہے:

کان ثقة کثیر الحدیث و کان له فقه. ''وہ ثقہ کثیر الحدیث اور فقیہ تھے''۔

محمد بن عیسیٰ الزجاج کہتے ہیں:

قالی لی ابو عاصم کل شي حدثتک حدثونی به لانی مادلست قط.[6]

''مجھ سے ابو عاصم نے خود کہا کہ میں نے جو کچھ حدیثیں تم سے بیان کی ہیں' وہ فی الواقع اسی طرح میرے شیوخ نے مجھ سے بیان کی ہیں' کبھی تدلیس کا مرتکب نہیں ہوا''۔

علاوہ ازیں ابن قانع' ابن معین اور ابن حبان نے بھی بصراحت انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ا ص ۳۳۶۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب ج ۴ ص ۴۵۱۔ [4] میزان الاعتدال ج ا ص ۴۷۱
[5] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۹۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۱۔

marfat.com

اعتراف علماء:

ان کے گوناگوں کمالات کی وجہ سے معاصر علماء ان کا بڑا احترام کرتے تھے اوران کے علم وفضل کو سراہتے تھے' عمر بن شیبہ فرماتے ہیں کہ بخدا میں نے ان کا ثانی اور مثل نہیں دیکھا واللہ ما رأیت مثلہ[1]، حمدان بن علی الوراق بیان کرتے ہیں کہ ۲۱۲ھ میں ہم لوگ امام احمد کے پاس گئے' اوران سے حدیث روایت کرنے کی درخواست کی' امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

تسمعون منی وابوعاصم فی الحیوٰۃ اذھبوا الیہ[2]۔

''تم لوگ مجھ سے سماعت کرتے ہو' حالانکہ ابوعاصم باحیات ہیں ان کے پاس جاؤ''۔

فضائل اخلاق:

امام ابو عاصم کو علم کے ساتھ عملی دنیا میں بھی ایک امتیاری مقام حاصل تھا' تاحیات کسی کی غیبت سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کیا' امام بخاری فرماتے ہیں:

سمعت ابا عاصم یقول ما اغتبت احدًا منذعقلت ان الغیبۃ حرام[3]

''میں نے ابو عاصم کو کہتے سنا کہ جب سے مجھے علم ہوا کہ غیبت حرام ہے' میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی''۔

اکثر فرماتے تھے کہ جو شخص علم حدیث حاصل کرتا ہے' وہ گویا دنیا کی بیش بہا دولت جمع کرتا ہے اوروہ روئے زمین کے انسانوں میں سب سے افضل و برتر ہے' اس لیے کہ ہر شخص کو ایسا ہی ''خیر الناس'' بننا چاہیے[4]۔

وفات:

۱۴ ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو بمقام بصرہ رحلت فرمائی۔[5] انتقال کے وقت ۹۰ سال سے چند ماہ زائد عمر تھی۔[6] سال وفات کے بارے میں اکثر علماء نے یہی سنہ اختیار کیا ہے' ورنہ ۲۱۱ھ' ۲۱۳ھ اور ۲۱۴ھ کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

---

[1] میزان الاعتدال ج ا ص ۴۷۱۔ [2] تہذیب ج ۴ ص ۲۵۲۔ [3] العبر ج ا ص ۳۶۲۔ [4] خلاصہ تذہیب ص ۱۷۷۔ [5] ابن سعد ۷ ص ۴۹۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۳۶۔ [7] تہذیب ج ۴ ص ۴۵۲۔

marfat.com

عبدالاعلیٰ بن مسہر ؒ

نام ونسب:

نام عبدالاعلیٰ، ابومسہر کنیت اور لقب ابن ابی دارمہ تھا، نسب نامہ یہ ہے:

عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبدالاعلیٰ بن مسلم[1] اصل نام کی بجائے کنیت ہی کو زیادہ شہرت حاصل تھی، اسی لیے ابن سعد اور بعض دوسرے اہل طبقات ان کا تذکرہ ان ائمہ کے ساتھ کرتے ہیں، جو اپنی کنیتوں سے معروف آفاق ہوئے، مشہور قبیلہ ازد کی ایک بڑی شاخ غسان سے تعلق رکھنے کے باعث غسانی کہلائے[2]

ولادت اور وطن:

باتفاق روایت ان کی ولادت ۱۴۰ھ میں بمقام دمشق[3] ہوئی۔

فضل وکمال:

امام ابومسہر اپنے زمانہ کے منتخب علماء میں شمار کیے جاتے ہیں، مختلف علوم وفنون کی جامعیت اور مہارت میں ان کی نظیر اتباع تابعین میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے، حدیث، فقہ، علم رجال وانساب اور فن مغازی میں اس وقت شام میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، تثبت واتقان، فصاحت و بلاغت اور عدالت میں بھی نہایت بلند پایہ تھے۔ ابوحاتم فرماتے ہیں:

مارأیت ممن کتبنا عنه افصح من ابی مسهر[4]

''میں نے اپنے شیوخ میں ابومسہر سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا''۔

علامہ ابن اثیر رقمطراز ہیں:

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۳۴۹۔ [2] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ص ۱۷۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۶ص ۱۰۰۔ [4] خلاصہ تذہیب ص ۲۲۱۔

marfat.com

کان اعلم الناس بالمغازی وایام الناس[1]

''وہ مغازی اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے''۔

ابن حماد حنبلی ان کو ''عالم اھل الشام'' کا خطاب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کان علامۃ بالمغازی والاثر کثیر العلم رفیع الذکر[2]

''وہ فن مغازی اور حدیث کے زبردست عالم اور جلیل المرتبت انسان تھے''۔

حافظ ذہبی ''شیخ اھل الشام و عالمھم'' کے الفاظ سے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہیں۔[3]

شیوخ وتلامذہ:

انہوں نے جن نامور ائمہ سے حدیث کی روایت اور دوسرے علوم کی تحصیل کی ان میں سے کچھ یہ ہیں:

امام مالک بن انس، اسماعیل بن عیاش، سفیان بن عیینہ، سعید بن عبدالعزیز، صدقہ بن خالد، یحییٰ بن حمزہ الحضرمی، محمد بن حرب، ہقل بن زیاد، خالد بن یزید، محمد بن مسلم الطائفی۔ ان کے شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے، چند ممتاز نام حسب ذیل ہیں:

امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہلی، احمد بن صالح، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوحاتم، ابوزرعہ، محمد بن اسحاق الصنعانی، محمد بن ابوالولید الدمشقی، محمد بن الحسین السمنانی، عمرو بن منصور النسائی، عباس بن الولید الخلال، مروان بن محمد الطاطری، سلیمان بن عبدالرحمن دمشقی، احمد بن الحواری۔[4]

مرویات کا پایہ:

حفاظ حدیث کی طویل فہرست میں ایسے خوش نصیب خال خال ہی ملتے ہیں جو ماہرین جرح کی گرفت سے محفوظ رہے ہوں۔ امام مسہر کا شمار ایسے ہی خوش قسمتوں میں ہے، ان کی ثقاہت وعدالت، حفظ وضبط اور تثبت واتقان پر اتفاق ہے، امام احمد جنہیں ابومسہر

---

[1] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ ص ۱۷۲۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۴۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۹۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۹۸، ۹۹۔

marfat.com

سے سعادت تلمذ بھی حاصل ہے، فرماتے ہیں:

رحم الله ابا مسهر ما كان اثبته[1]

''خدا ابو مسہر پر رحم فرمائے وہ بڑے مثبت تھے''۔

ابوداؤد کا بیان ہے:

كان ابا مسهر من ثقات الناس.

''ابو مسہر ثقہ لوگوں میں تھے''۔

ابن حبان شہادت دیتے ہیں:

كان امام اهل الشام فى الحفظ والاتقان.

''امام ابو مسہر حفظ واتقان میں اہل شام کے امام تھے''۔

جلیل المرتبت تبع تابعی یحییٰ بن معین کا قول ہے:

كان من الحفاظ المتقنين واهل الورع فى الدين.[2]

''وہ حفاظ، متقنین اور اہل زہد وورع لوگوں میں تھے''۔

خلیلی کہتے ہیں:

ثقة حافظ امام متفق عليه.

''وہ متفقہ طور پر حافظ اور ثقہ امام تھے''۔

علاوہ ازیں ابو حاتم، عجلی، ابوزرعہ، مروان بن محمد، ابن حبان، ابن وضاح اور حاکم جیسے بحر حدیث کے شناوران کی ثقاہت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

اعتراف علماء:

امام ابو مسہر کی تبحر وجلالت علم کا اعتراف اہل علم و دانش معاصرین کی ایک بڑی جماعت نے کیا ہے، چنانچہ یحییٰ بن معین کا ارشاد ہے:

---

1. خلاصہ تذہیب ص ۲۲۱۔
2. تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۹۹۔۱۰۱۔

marfat.com

منذ خرجت من بغداد الیٰ ان رجعت لم أرمثل ابی مسهر[1]

''میں نے بغداد اور اس کے باہر کسی کو ابومسہر کا ثانی نہیں دیکھا''۔

ابوحاتم فرماتے ہیں:

مارأیت احدا فی کورة من الکور اعظم قدرًا اجل عند اهل العلم من ابی مسهر بدمشق اذا خرج اصطف الناس یقبلون یده[2]

''میں نے اطراف ملک میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو دمشق کے اہل علم کے نزدیک ابومسہر سے زیادہ جلالت مرتبت اور بلندی شان رکھتا ہو جب وہ نکلتے تو لوگ ان کی دست بوسی کے لیے دورویہ قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے''۔

امام احمد معترف ہیں:

کان عندکم ثلاثة اصحاب حدیث مروان والولید وابومسهر.

''تمہارے پاس تین محدث ہیں' مروان' ولید اور ابومسہر''۔

محمد بن عثمان التنوخی کا بیان ہے:

ما بالشام مثل ابی مسهر کان من احفظ الناس.

''شام میں ابومسہر کی نظیر نہ تھی' وہ لوگوں میں سب سے بڑے حافظ تھے''۔

ابن حبان حفظ واتقان میں انہیں امام اہل شام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

کان ممن عنی بانساب اهل بلده وابنانهم والیه کان یرجع اهل الشام فی الحرج والعدالة شیوخهم.[3]

''وہ اہل شام کے انساب کے سب سے بڑے واقف کار تھے' اور شام کے علماء جرح وتعدیل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے''۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۹۹۔۱۰۱۔

[2] شذرات ج ۲ ص ۱۴۴۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۹۹۔۱۰۰۔

marfat.com

فتنہ خلق قرآن:

اگر چہ حاکم بغداد مامون الرشید کے درباری اور اہل منصب معتزلہ نے اپنے اثر ورسوخ کی بنا پر عقیدہ خلق قرآن کا اعلان خلیفہ سے ۲۱۲ھ میں کرا دیا تھا' لیکن اس فتنہ کو عروج ۲۱۸ھ میں حاصل ہوا' جب اپنی عمر کے آخری سال میں مامون نے یہ طے کر لیا کہ حکومت کے جبر وقہر سے کام لے کر لوگوں سے خلق قرآن کا عقیدہ کا اقرار کرایا جائے چنانچہ اس نے سنہ مذکور میں پہلی بار رقہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک فرمان بھیجا کہ ''خلق قرآن کے مسئلہ میں محدثین اور فقہاء پر سختی کرنے میں تامل نہ کرو ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا فوراً اقرار لو''۔

چنانچہ اس فرمان کے مطابق اسحاق نے تمام محدثین وقضاۃ کو اپنے دربار میں بلایا' اس جماعت میں ابوحسان زیادی' بشر بن ولید' علی بن مقاتل' فضل بن غانم' امام احمد بن حنبل' سجادہ' قواریری' محمد بن نوح' ابن علیہ' علی بن عاصم کے علاوہ چودہ دوسرے جلیل القدر علماء شامل تھے' نائب حاکم بغداد نے ان سب کا امتحان لیا' پہلی بار سب نے خلق قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا اقرار کیا' لیکن جب اسحاق نے زجر وتوبیخ' اور مامون کی طرف سے سخت ترین سزا دینے کی دھمکی دی تو تقریباً سب نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے اس باطل عقیدہ کا اقرار کر لیا[1]۔

ابومسہر کی آزمائش:

لیکن اللہ نے جن لوگوں کو ثبات قلب کی نعمت عطا کی تھی وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہے' ان میں امام احمد بن حنبلؒ نے جو رتبہ عالیہ حاصل کیا اس کی نظیر سے پوری اسلامی تاریخ خالی ہے ۔

یہ رتبۂ بلند ملا جسے مل گیا ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۷۵۔

marfat.com

اسی طرح امام ابومسہر کا نام بھی دعوت وعزیمت کی تاریخ میں روشن رہے گا۔

علامہ ابن سعد نے ان کی ابتلاء کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

''جب بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم نے عقیدہ خلق قرآن کے منکر علماء کو بابجولاں مامون الرشید کے پاس رقہ بھیجا (جہاں اس وقت وہ مقیم تھا) تو امام ابومسہر کو بھی اسی طرح روانہ کیا' خلیفہ نے ان سے اس بحث کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

''ھو کلام اللّٰہ غیر مخلوق''۔

مامون نے یہ استقامت دیکھ کر تلوار اور چرمی کوڑا طلب کیا تاکہ امام صاحب کی تعذیب کے بعد ان کا سر قلم کردے' اس حالت میں اقرار کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا' لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ قتل کے خوف سے اس عقیدہ کا اظہار کر رہا ہوں' اس کے بعد خلیفہ نے ان کو عمر قید کی سزا کا حکم دیا اور ربیع الآخر ۲۱۸ھ میں انہیں رقہ سے بغداد لاکر جیل میں ڈال دیا گیا۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان بھی اہم ہے' انہوں نے ابوداؤد کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابومسہرؒ نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار آخر تک نہیں کیا اور ان کی استقامت کو دیکھ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا گیا[1]

وفات:

عمر قید کی سزا کو دو ہی ماہ گزرے تھے کہ یکم رجب ۲۱۸ھ کو ۷۹ سال کی عمر میں طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب ان کی جسد خالی کو تدفین کے لیے زنداں سے نکالا گیا تو جنازہ میں شرکت کے لیے بغداد کی ایک خلقت پڑی' ہر طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی[2]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۰۰۔

[2] ابن سعد ج ۷ ص ۱۷۴۔

marfat.com

عبدالرحمن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبدالرحمن نام، ابوعبداللہ کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمن بن القاسم خالد بن جنادہ[1]، زبید بن الحارث العتقی کے غلام تھے، اس لیے عتقی کی نسبت سے مشہور ہیں[2]۔

ولادت اور وطن:

مصر کے رہنے والے تھے، ان کے سال پیدائش کے سلسلہ میں علماء کا بہت اختلاف ہے، ۱۲۹ھ، ۱۳۱ھ اور ۱۳۲ھ تینوں منقول ہیں لیکن امام ابن القاسم کے تلمیذ رشید سحنون کے بیان کو اس بارے میں معتبر ترین قرار دیا جائے گا، کیونکہ وہ "صاحب البیت ادری بما فیہ" کے پورے مصداق تھے، اس کے مطابق ۱۲۸ھ میں شیخ کی ولادت ہوئی[3]۔

طالب علم:

انہیں طلب علم کا بے انتہا شوق تھا، جس کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس راہ میں جسمانی صعوبتوں کو انگیز کرنے کے علاوہ خطیر مال و دولت کو بھی قربان کیا، چنانچہ ابن عماد لکھتے ہیں:

انفق مالًا كثيرًا في طلب العلم.[4]

"انہوں نے تحصیل علم میں بکثرت مال خرچ کیا"۔

امام مالکؒ کے منبع علم سے خصوصی استفادہ کیا، خود بیان کرتے ہیں کہ ایک شب

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۲۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۹۳۔

[3] الدیباج المذہب ص ۱۴۷۔ [4] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۹۔

marfat.com

عالم رویا میں مجھے خبر دی گئی کہ تمہیں علم سے اس قدر شغف وانہماک ہے تو ''عالم آفاق'' کی صحبت اختیار کرو، میں نے پوچھا وہ عالم آفاق کون ہے؟ بتلایا گیا 'امام مالکؒ چنانچہ اس غیبی اشارہ کے بعد وہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کامل بیس سال تک اپنے سینہ کو مالکی علوم کا گنجینہ بنانے میں مصروف رہے، امام صاحب سے انہوں نے ۲۰ کتابوں کا سماع حاصل کیا تھا۔[1]

تبحر وجامعیت:

فضل وکمال کے اعتبار سے وہ یگانہ روزگار فقیہ اور حافظ حدیث تھے، تبع تابعین کی جماعت میں ایسی جامع الکمالات شخصیتیں بہت کم ملتی ہیں، خصوصاً فقہ مالکی کی مہارت میں تو ان کا ثانی ملنا مشکل ہے میدان علم کے شہسوار ہونے کے ساتھ زہد واتقا اور شجاعت و سماحت میں بھی ممتاز تھے، روم، بربر اور زنج کے جہاد میں عمر کا چوتھائی حصہ صرف کیا تھا۔[2]

ابن حبان کا بیان ہے:

کان حبرًا فاضلا تفقه علی مذهب مالک وفرع علی اصوله۔[3]

''علم وفضل میں بلند پایہ تھے، فقہ مالکی کے متبع اور اس کے اصول سے فروع کا استنباط کرنے والے تھے''۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں ''الامام فقیه الدیار المصریه''۔[4]

شیوخ وتلامذہ:

امام مالک سے خصوصی تلمذ کے علاوہ جن ممتاز علماء کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے، ان میں کچھ نام یہ ہیں، عبدالرحمٰن بن شریح، بکر بن مضر، نافع بن ابی نعیم، یزید بن عبدالملک اور سفیان بن عیینہ، اسی طرح خود ان کے تلامذہ میں سعید بن عیسیٰ، محمد بن مسلمہ، حارث بن مسکین، سحنون بن سعید، عبدالرحمٰن بن ابی الغمر، محمد بن عبداللہ اور عیسیٰ بن حماد کے اسماء لائق ذکر ہیں۔[5]

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۴۹۴۔ [2] الدیباج المذہب ص ۱۴۷۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۲۹۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۶۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۳۔

marfat.com

فقہ:

فقہ میں غیر معمولی مہارت ان کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے۔ امام مالکؒ کی طویل ترین ہم نشینی نے انہیں فقہ مالکی کا منبع بنا دیا تھا' مالکی مذہب کی پہلی تدوین ان ہی سے شروع ہوتی ہے' امام مالکؒ کے فتاویٰ و مسائل کی تقریباً تین سو جدیں ان کے پاس تھیں[1]

ایک بار امام مالکؒ سے ابن وہب اور ابن القاسم کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا ابن وہب عالم ہیں اور ابن قاسم فقیہ[2] ابن حبان رقمطراز ہیں:

کان حبرًا فاضلا ممن تفقه علی مالک وفرع علی اصوله وذب عنها ونصر من انتحلها.[3]

''وہ بڑے عالم و فاضل تھے اور ان علماء میں سے تھے جو فقہ مالکی کے پیرو تھے اور جنہوں نے اس مذہب کے فروع متعین کیے اور اس کی طرف ہمیشہ دفاع اور اس کے متبعین کی حمایت کرتے رہے''۔

ان کے ہم پایہ معاصر عبداللہ بن وہب کا قول ہے۔ ''اگر فقہ مالکی میں مہارت پیدا کرنا چاہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ اس میں منفرد اور یکتا ہیں''[4]

موطا کی روایت:

موطا امام مالکؒ کے رواۃ کی تعداد بہت زیادہ ہے' مختلف زمانوں میں علماء نے امام صاحب سے اس کی تحصیل کی ہے' اس اختلاف زمانی کے نتیجہ میں موطا میں مختلف طریقوں سے مروی ہے جن میں صرف ۱۶ روایتیں مشہور و معتبر ہیں' انہیں خوش بختوں میں ابن القاسم بھی ہیں' نسائی کا بیان ہے:

لم یرواحد للموطا عن مالک اثبت من ابن القاسم ولیس احد من اصحاب مالک عندی مثله.[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۳۔ [2] الدیباج المذہب ص ۱۴۷۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۵۳۔ [4] الدیباج المذہب ص ۱۴۷۔ [5] الدیباج المذہب ۱۴۷۔

marfat.com

''عبدالرحمٰن بن القاسم سے زیادہ ثبت کسی شخص نے امام مالکؒ سے مؤطا کی روایت کی نہیں کی، اور نہ اصحاب مالکؒ میں ابن القاسم کے پایہ کا کوئی تھا''۔

خلیلی کہتے ہیں کہ:

هو اول من حمل المؤطا الى المصر[1]

''وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مؤطا مصر میں پہنچائی''۔

مدونہ کی تالیف:

فقہ مالکی کی مشہور ترین ضخیم کتاب 'المدونۃ الکبری ''انہیں کی تالیف ہے، جو ان کے لائق شاگرد سحنون کے واسطہ سے مروی ہے، اس کتاب کے متعلق زرکلی کا بیان ہے۔

هو من اجل المالكية[2]

''یہ مذہب مالک کی عظیم ترین کتابوں میں ہے''۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ خود ابن القاسم نے امام مالک کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آ کر اپنے شیخ کے مجتہدات وفقیہات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا، یحییٰ مصمودی، مدونہ کا سماع حاصل کرنے ابن القاسم کی خدمت میں مصر سے حاضر ہوئے تھے، لیکن اس وقت وہ بستر علالت پر تھے، یہ کتاب مصر کے طبع بولاق سے طبع ہو کر ہر جگہ دستیاب ہے۔

ثقاہت:

علماء ان کی ثقاہت پر متفق ہیں، نسائی: ''ثقة مامون ''ابوزرعہ: ''ثقة رجل صالح'' اور حاکم ''ثقة مامون '' کہتے ہیں، علاوہ ازیں خطیب، ابن حبان اور یحییٰ بن معین نے بھی ان کی توثیق کردی ہے، امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔[3]

---

1 تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۴۔

2 الاعلام ج ۲ ص ۵۰۴۔

3 الدیباج المذہب ص ۱۴۶۔

زہد وورع:

ان کمالات کے ساتھ ساتھ وہ نہایت بلند مرتبہ زاہد و متقی بھی تھے، حرث بن مسکین بیان کرتے ہیں کہ اس صفت میں وہ عجیب وغریب حیثیت رکھتے تھے، فرط تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ سلاطین وقت کے نذر و تحائف کو بھی قبول نہیں کرتے تھے۔

اقوال زریں:

ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اکثر دعا فرمایا کرتے:

''اے اللہ! تو دنیا کو مجھ سے اور مجھے دنیا دور رکھ''۔

فرمایا:

''حکمرانوں سے تقرب اختیار کرنے میں کوئی بھلائی نہیں''۔

فرمایا:

''زیادہ دوست بنانے سے بچو کیونکہ یہ آزاد لوگوں کو غلام بنانے کے مانند ہے''[1]

وفات:

۷ رصفر شب جمعہ کو بمقام مصر انتقال فرمایا، باب القرافۃ الصغری کے باہر ان کا مزار ہے۔ وفات کے وقت حسب اختلاف روایت ۵۸، ۶۰ اور ۶۳ سال کی عمر تھی۔

[1] الدیباج المذہب ص ۱۴۷۔

[2] ابن خلکان ج ۱ ص ۴۹۴۔

marfat.com

عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ

اتباع تابعین کے زمرہ میں جن علماء نے درس وافادہ کی مجلسیں گرم کرنے کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں عبدالرزاق ابن ہمام کا اسم گرامی بہت ممتاز ہے' حدیث میں ان کی شہرآفاق ''مصنف'' نہایت بلند و اعلیٰ مقام کی حامل ہے' قدامت واہلیت کے لحاظ سے اس کا پایہ ''مصنف ابن ابی شیبہ سے بھی اونچا ہے۔

نام ونسب:

عبدالرزاق نام اورابوبکر کنیت ہے' سلسلہ نسب یہ ہے:

عبدالرزاق ابن ہمام بن نافع' ان کے والد ہمام کا شمار ثقات تابعین میں ہوتا ہے[1]

ولادت اوروطن:

۱۲۶ھ میں یمن کے دارالحکومت اور مشہور ترین شہر صنعاء میں ان کی ولادت ہوئی[2]' اس مردم خیز سرزمین کو لاتعداد شیوخ وائمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل رہا ہے[3]

طلب علم:

انہوں نے بدوشعوری ہی سے اپنے والد اور دوسرے مقامی علماء سے تحصیل علم شروع کردی تھی' اوربیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں دسترس پیدا کرلی تھی' مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ علم میں کامل سات سال گزرے تھے' اس خصوصی صحبت اور زریں موقعہ سے وہ پورے طور پر بہرہ یاب ہوئے تھے' چنانچہ ان کے عہد میں مرویات ابن

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج۱ص۵۴۳۔ [2] مرأۃ الجنان ج۲ص۱۲۶۔ [3] اللباب فی تہذیب الانساب ج۲ص۶۱' ملک شام میں بھی دمشق کے قریب صنعا نام کا ایک گاؤں ہے اس کی طرف بھی علماء اعلام کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے جیسے ابوالاشعث شراحیل بن کلیب الصنعانی اور حنش بن عبداللہ الصنعانی وغیرہ لیکن اکثر وبیشتر صنعانی کی نسبت صنعاء یمن ہی کی طرف ہوتی ہے۔

marfat.com

راشد کا ان سے بڑا عالم و حافظ کوئی نہ تھا' یمن سے باہر ان کی رحلت علمی کا بصراحت ثبوت فراہم نہیں ہوتا' لیکن وہ اکثر بغرض تجارت شام وغیرہ ممالک کا سفر کیا کرتے تھے' یقیناً ان کا شغف علم انہیں وہاں کے مشاہیر شیوخ کی خدمت میں لے جاتا ہوگا' حافظ ذہبی رقمطراز ہیں:

رحل فی تجارة الی الشام ولقی الكبار[1]

''وہ تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کرتے اور وہاں کے کبار علماء سے شرف نیاز حاصل کرتے تھے''۔

شیوخ:

ان کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں والد بزرگوار ہمام اور عم محترم وہب کے علاوہ معمر بن راشد' عبیداللہ بن عمر' ایمن بن نابل' ابن جریج' اوزاعی' مالک بن انس' سفیان بن عیینہ' سفیان ثوری' زکریا بن اسحاق' اسماعیل بن عیاش' ثور بن یزید' ہیثم بن بشیر' ابومعشر نجیح' عبدالعزیز بن زیاد کے نام لائق ذکر ہیں۔[2]

خصوصی فیض معمر بن راشد سے حاصل کیا تھا' خود بیان کرتے ہیں کہ:

جالست معمرا سبع سنين.[3]

''میں نے سات سال تک معمر کی ہم نشینی کی ہے''۔

تلامذہ:

ان کے فضل وکرم کا سن کر اقصائے عالم سے تشنگان علم کا ہجوم ایک سیل رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا' ائمہ اسلام کی ایک بڑی جمعیت ان کے دامان فیض سے وابستہ رہی' لائق ذکر مشاہیر میں امام احمد' اسحاق بن راہویہ' علی بن مدینی' یحییٰ بن معین' محمود بن غیلان' ابوخیثمہ' احمد بن صالح' ابراہیم بن موسیٰ' عبدالرحمٰن بن بشر الحکم' عبد بن حمید' محمد بن رافع' محمد بن غیلان' محمد بن یحییٰ الذھلی کے نام خصوصیت سے نمایاں ہیں' ان کے علاوہ معاصرین میں امام وکیع' ابواسامہ' حماد بن سلمہ اور شیوخ میں سفیان بن عیینہ و معتمر بن سلیمان نے بھی ان سے روایت کی ہے۔[4]

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۴۔ 2 تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۱ و ابن خلکان ج ۱ ص ۵۴۳۔

3 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۳۔ 4 مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۵۳ و تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۱۔

maarfat.com

فضل و کمال:

ابن ہمام چمنستان علم وفن کے گل تازہ تھے، تبحر علمی، مہارت فنی اور قوت حافظہ میں ان کا مقام نہایت بلند تھا، خیر الدین زرکلی انہیں '' من حفاظ الحدیث الثقات ''۔ علامہ یافعی '' الحافظ العلامہ '' اور حافظ ذہبی '' احد الاعلام الثقات '' لکھتے ہیں، مزید برآں علامہ شمس الدین ذہبی رقمطراز ہیں کہ:

'' اگر ابن ہمام کے سوانح و کمالات کا استقصاء کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے [1] ہشام بن یوسف کہتے ہیں کہ عبدالرزاق ہم سب میں بڑے حافظ و عالم تھے '' [2]

قوت حافظہ:

ان کے حفظ وضبط کی قوت نہایت حیرت انگیز تھی، ابراہیم بن عباد الدبری کا بیان ہے کہ ستر ہزار حدیثیں ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں [3]

مرجعیت:

اسی فضل وکمال کا نتیجہ تھا کہ دور دراز گوشوں سے طالبان علم اس شمع دین و دانش کی طرف پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور صنعا کا شہر قال اللہ وقال الرسول ؐ کے نغموں سے معمور ہوگیا۔

ان کے شیخ معمر نے اپنے لائق شاگرد کے بارے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کر کے اس کے گرد ہجوم کریں گے [4] چنانچہ وقت نے ثابت کیا کہ یہ پیش بینی حرف بحرف حقیقت بن کر رہی۔

مؤرخین بالاتفاق اعتراف کرتے ہیں کہ عہد رسالت کے بعد کوئی شخصیت اتنی زبردست مرجوعہ خلائق اور پر کشش ثابت نہ ہوسکی، ممکن ہے اس رائے میں کسی حد تک مبالغہ ہو لیکن یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ ائمہ وعلماء جوق در جوق آ کر علم کے اس چشمہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۲۔ [3] الاعلام ج ۴ ص ۵۱۹۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۲۔

marfat.com

صافی سے سیراب ہوئے' علامہ یافعی انہیں ''المرتحل الیہ من الآفاق'' لکھتے ہیں۔ مورخ ابن اثیر رقمطراز ہیں:

مارحل الناس الیٰ احد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما رحلوا الیہ[1]

''رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے جتنے امام ابن ہمام کے پاس آئے''۔

ثقاہت وعدالت:

ماہرین فن **ان** کی صداقت وعدالت پر متفق ہیں' علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن ہمام کی ثقاہت پر علماء یک زبان ہیں' ان کے عدول وصدوق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ائمہ صحاح نے ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے[2] امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ معمر سے ابن ہمام کی روایت میرے نزدیک تمام بصری علماء سے زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہے' انہی کا بیان ہے کہ ابن جریج کے تلامذہ میں عبدالرزاق ''اثبت'' ہیں۔

علاوہ ازیں یحیٰ بن معین' علی بن المدینی' یعقوب بن شیبہ' ابوداؤد الفریابی اور عجلی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ ذہلی اور بزار بیان کرتے ہیں:

کان عبدالرزاق ایقظھم فی الحدیث وکان یحفظ[3]

''عبدالرزاق بن ہمام تمام محدثین میں سب سے زیادہ حاضر دماغ وبیدار مغز محدث اور بڑے حافظ تھے''۔

بعض شکوک وشبہات کا ازالہ:

اس تمام تحسین وستائش کے باوصف بعض علما نے ان کونقد وجرح کا نشانہ بھی بنایا ہے' لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرح کی بنیاد تمام تر شک وشبہ اور سوء تفاہم پر قائم ہے۔

ابن ہمام پر پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ رفض وتشیع کی طرف مائل تھے' ابن عماد

---

[1] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ ص ۶۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۳۳۴۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۴۔

marfat.com

حنبلی، حافظ ذہبی اور علامہ ابن حجرؒ نے اس طرح کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن تحقیق کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس نقد کی حقیقت پر کاہ سے زیادہ نہیں۔

امام احمد سے ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا کہ:

هل كان عبدالرزاق يتشيع ويفرط في التشيع؟

''کیا عبدالرزاق غالی شیعہ تھے؟

امام موصوف نے جو ابن ہمام کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے، فرمایا:

لم اسمع في هذا شيئاً[1]

''میں نے تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں سنا''۔

اغلب ہے کہ رفض و شیعیت کا شبہ لوگوں کو اس لیے ہوا کہ ابن ہمام اہل بیت کو بہت محبوب اور حضرت علیؓ کے قاتل کو مبغوض رکھتے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کے قائل تھے، لیکن لوگوں کو سوء تفاہم ہوا حالانکہ خود ابن ہمام نے نہایت دوٹوک الفاظ میں اس شبہ کا پردہ چاک کر دیا تھا کہ:

واللہ ماانشرح صدری قط ان افضل علیا علی ابی بکر وعمر رحم اللہ علی ابی بکر و عمر من لم یحبھم فما ھو مؤمن واوثق اعمالی حبی ایاھم[2]

''بخدا اس بات پر مجھے کبھی شرح صدر نہ ہوا کہ میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دوں، اللہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر رحمت نازل فرمائے جو شخص ان سے محبت نہ کرے وہ مومن کامل نہیں اوران بزرگوں سے میری محبت حاصل اعمال ہے''۔

ایک بار کسی نے شیخ ابن ہمام سے دریافت کیا کہ'' آپ کے نزدیک کیا حضرت علی نزاعی جنگوں میں جادۂ حق پر قائم تھے، فرمایا بخدا نہیں! بلکہ خود جناب امیر کا بھی خیال تھا کہ وہ ایک آزمائش میں مبتلا ہیں، اور میرا بھی یہی خیال ہے۔[3] حب آل رسول کی بنیاد پر امام شافعیؒ پر بھی جب تشیع کا الزام عائد کیا گیا تو امام صاحب نے برملا جواب دیا

---

[1] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۲۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۲۔ [3] ایضاً ص ۳۱۴۔

marfat.com

کہ اگر آلِ محمد ﷺ کی محبت ہی نام شیعیت ہے تو میں جن وانس کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً شیعہ ہوں۔

دوسرا شبہ ابن ہمام پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سوءِ حفظ اور فتورِ عقل میں مبتلا تھے' اور ضعیف ومنکر روایتیں بیان کیا کرتے تھے' یہ صحیح ہے کہ آخری عمر میں وہ ضعف بصر وغیرہ ایسے عوارض کا شکار ہو گئے تھے' جو جرح وتعدیل کے معیار میں خلل انداز ہوتے ہیں' لیکن اس سے ان کی پوری زندگی کی مرویات کو غیر معتبر قرار دینا درست نہیں ہے' ان کے عنفوانِ شباب کی حدیثوں پر کسی نے بھی نقد وجرح کی جرأت نہیں کی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے اس حقیقت کو بصراحت بیان کیا ہے کہ ۲۰۰ھ تک ان کی بصارت بالکل درست تھی' اس کے بعد کے گیارہ سال کی روایات ضعیف ہیں۔ جن علماء نے اس سے قبل ان سے سماعت حدیث کی ہے وہ معتبر ومستند ہے۔

اتینا عبدالرزاق قبل المأتین وھو صحیح البصر ومن سمع منہ بعد ما ذھب بصرہ فھو ضعیف السماع[1]

''عبدالرزاق آئے' تو ان کی بصارت قائم تھی۔ پس جس نے ان کی بینائی زائل ہونے کے بعد ان سے حدیثیں سنی ہیں اس کا سماع ضعیف ہے''۔

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ تمام حفاظ اور ائمہ حدیث نے ابن ہمام کی روایات کو حجت قرار دیا ہے۔

ان کے بعض اور بھی اعتراضات ابن ہمام پر وارد کیے گئے ہیں' لیکن علامہ ابن حجر اور حافظ ذہبی نے انہیں لچر' مہمل اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔

وفات:

۱۵ شوال ۲۱۱ھ کو یمن میں وفات پائی[2] اس وقت ۸۵ سال کی عمر تھی[3]

---

1. میزان الاعتدال' ج ۲ ص ۱۲۷۔ 2. طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۸۔
3. ابن خلکان ج ۱ ص ۵۴۳ ومرأۃ الجنان ج ۲ ص ۵۲۔

marfat.com

تصنیف:

انہوں نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑیں' لیکن اکثر معدوم ہیں۔
خیر الدین زرکلی اور ابن ندیم نے ان کی جن کتابوں کے نام دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1. جامع یا سنن عبدالرزاق
2. تفسیر میں ایک کتاب
3. کتاب السنن فی الفقہ
4. مصنف عبدالرزاق

ان میں مؤخر الذکر کتاب ابن ہمام کی مشہور ترین تصنیف ہے' ابو بکر بن ابی شیبہ کی مصنف گو مجموعی حیثیت سے اس سے زیادہ اہم اور وقیع ہے' لیکن قدامت کے اعتبار سے وہ بھی اس سے کم پایہ ہے۔ یہ کتاب فقہی ابواب کے مطابق مرتب کی گئی ہے' اس کی لائق ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں' بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' یہ عجیب بات ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف کو شمائل پر ختم کیا ہے اور شمائل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے ذکر پر تمام کیا ہے' چنانچہ اس کے آخر میں یہ حدیث ہے:

حدثنا معمر عن ثابت عن انس قال كان شعر النبی الی انصاف اذنیه[1]

''مجھ سے معمر نے عن ثابت عن انس بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک آپ کے کانوں کے نصف حصہ تک تھے''۔

یہ مصنف تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی' مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔

---

[1] بستان المحدثین ص ۴۸۔

marfat.com

عبدالعزیز بن عبداللہ ماجشون رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبدالعزیز نام اورابو عبداللہ یا ابوالاصبح کنیت تھی، دادا تک سلسلہ نسب یہ ہے:
عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ المیمون [1]

ان کے دادا قبیلہ آل حدیر کے غلام تھے، جن کی کنیت ابوسلمہ تھی، غالباً یہ نسلاً ایرانی تھے، میمون کے زمانہ ہی سے یہ خانوادہ مدنیہ منورہ میں آباد ہوگیا تھا، اور عبدالعزیز بن عبداللہ کی پیدائش جوار نبوی ﷺ ہی میں ہوئی۔ اسی بنا پر عام اہل تذکرہ انہیں "من اهل المدينه" لکھتے ہیں، ان کے دادا ابوسلمہ قابل ذکر لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ احمد بن زہیر کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ شیخ عبدالعزیز کے دادا کا نام میمون تھا؟ فرمایا ہاں میمون تھا! ان ہی کی اولاد میں تو متعدد علماء اورمحدث پیدا ہوئے ہیں۔

ماجشون کی وجہ تسمیہ:

شیخ عبدالعزیز کے نام کا ایک جز ماجشون بھی ہے، مشہور مؤرخ خطیب بغدادی اس کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

انما سمى الماجشون لان وجنتيه كانتا حمراوين [2]

"ماجشون کہلائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے رخسارے شراب کی طرح سرخ تھے"۔

یعنی وہ بہت ہی حسین وجمیل تھے، چنانچہ اہل فارس انہیں مے گوں کہنے لگے اور پھر اسی کو معرب کر کے اہل مدینہ نے ماجشون کر دیا، یہ خطیب کی تحقیق ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ماہ گون (چاند سا) کا معروف ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ گل

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۴۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۶

marfat.com

گوں کا معرب ہے[1]

بہر حال تمام روایات کا قدر مشترک یہی ہے کہ عبدالعزیز حسن و جمال کی دولت سے انتہائی مالا مال تھے' حتیٰ کہ ان کا ظاہری حسن ان کے نام کا لازمی جزو بن گیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض تذکرہ نویسوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ ماجشون' زیر تذکرہ شیخ عبدالعزیز کا لقب ہے' چنانچہ خطیب نے یہی لکھا ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ شیخ کا نہیں بلکہ ان کے چچا یعقوب بن ابی سلمہ کا لقب تھا۔ اس کی وجہ خواہ وہ مے گوں کا معرب ہو یا ماہ گوں کا' مگر ان کے چچا کے وقت ہی سے ان کا خاندانی لقب ہو گیا تھا۔

مؤرخ ابن خلکان نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے چچا کو حضرت حسین ؓ کی صاحبزادی حضرت سکینہ نے عطا کیا تھا' چنانچہ ابن خلکان کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

ولقبته سكينة بنت الحسين بن علي بن ابی طالب رضی الله عنهم و جری هذا اللقب اهل بيته من بنيه وبنی اخيه.[2]

''اور ان کو یہ لقب سکینہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب نے عطا کیا اور یہ لقب ان کے خاندان میں ان کے لڑکوں اور بھتیجوں میں جاری رہا''۔

ابن قتیبہ دینوری یعقوب بن ابی سلمہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں'

هو الماجشون بن ابی سلمه واسمه يعقوب ينسب الى ذالک ولده وبنو عمه فقيل لهم بنو الماجشون.[3]

''ماجشون بن ابی سلمہ کا نام یعقوب تھا' اسی نسب سے ان کے اور ان کے چچا زاد بھائیوں کے لڑکے منسوب کر کے ماجشون پکارے جاتے ہیں''۔

حافظ ابن حجر کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایں خانہ تمام آفتاب است:

شیخ عبدالعزیز کا پورا خانوادہ علم وفضل اور صلاح وتقویٰ میں ممتاز تھا۔ ان کے

1 تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۴۔ 2 ابن خلکان ج ۱ ص ۵۱۴۔ 3 المعارف لابن قتیبہ ص ۲۰۳۔

marfat.com

چچا کا ذکر اوپر مذکورہ ہوا۔ خود ان کے صاحبزادے اہل علم ہوئے ہیں' شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے عبدالملک تو اپنے وقت کے مسلم ادیب اور ممتاز صاحب علم وفضل سمجھے جاتے تھے' حافظ ابن حجر شیخ یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے ماجشون کی نسبت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

هو الماجشون سمی بذالک هو وولده وکان فیهم رجال لهم فقه وروایة للحدیث والعلم[1]

''یعقوب ہی کو ماجشون کہا جاتا ہے یہ اور ان کی اولاد بھی اس نسبت سے پکارے جاتے ہیں اور ان کے خانوادہ میں بہت سے محدث فقیہ اور عالم گزرے ہیں''

ولادت اور تعلیم:

شیخ عبدالعزیز کے سنہ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں مگر حالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی' ان کا نسبی تعلق اصبہان (ایران) سے تھا' غالباً ان کے دادا کے وقت ہی یہ لوگ مدینہ میں آباد ہو گئے تھے' حتیٰ کہ مدینہ میں ایک گلی کا نام الماجشون پڑ گیا تھا۔

ابتدائی تعلیم کے بارے میں کوئی خاص معلومات تذکروں میں نہیں ملتیں' ان کے شیوخ کی فہرست اور مدینہ منورہ سے ان کے باہر جانے کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانہ یہیں گزرا' اسی بنا پر ان کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی ہوگی' ان کے والد اور چچا دونوں صاحب علم وفضل تھے' ان سے اور محمد بن المنکدر سے استفادہ کا ذکر تمام اہل تذکرہ نے کیا ہے[2] تعلیم کے بعد یہیں ان کا حلقہ درس وافتاء قائم ہوا۔

شیوخ:

ان کے ممتاز شیوخ کے نام درج ذیل ہیں' ان میں کبار تابعین' اور اتباع تابعین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج۱۱ ص ۳۸۸۔ [2] ایضاً ج ۶ ص ۳۴۳۔

marfat.com

امام زہری، محمد بن المنکدرؒ عبداللہ بن دینار، ابو حازم سلمہ بن دینار، سعد بن ابراہیم، حمید الطویل، عمرو بن ابی عمر، صالح بن کیسان، ہشام بن عروہ، عبداللہ بن الفضل، عبداللہ ابن عمر، یحییٰ بن سعید الانصاری، سہیل بن ابی صالح، ایوب السختیانی، قدامہ بن موسیٰ۔

ان کے علاوہ بے شمار محدثین وفقہاء سے انہوں نے استفادہ کیا تھا، امام زہری سے کسب فیض اس وقت ایک امتیاز سمجھا جاتا تھا، اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ''معناہ انہ عرض''، یعنی شیخ ماجشون نے ان سے سماعاً نہیں بلکہ عرضاً استفادہ کیا، ابتدا میں کچھ علم کلام اور قدر کی طرف بھی میلان تھا۔[1]

حلقہ درس:

تحصیل علم کے بعد مدینہ منورہ میں انہوں نے اپنا ایک الگ حلقہ درس قائم کیا۔[2] اور غالباً ۱۴۸ھ تک وہ یہیں رہے اور پھر اس کے بعد بغداد منتقل ہوگئے، عبداللہ بن وہب کا بیان ہے کہ میں نے ۱۴۸ھ میں حج کیا تو ایک منادی یہ اعلان کررہا تھا کہ:

لا یفتی الناس الا مالک وعبدالعزیز ابی سلمة.[3]

''امام مالکؒ اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عمر کے آخری حصہ میں بغداد گئے۔

مدینہ منورہ میں ان کا درس غالباً فقہ تک محدود تھا، تحدیث روایت کرنے میں وہ احتیاط کرتے تھے، مگر بغداد پہنچ کر پھر ان کو مسند حدیث سنبھالنی پڑی، مدنیہ منورہ میں اس وقت امام مالک کے علاوہ بھی متعدد شیوخ حدیث وفقہ موجود تھے، اس لیے انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ انہیں فقہ کے درس کی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی، مگر عراق میں فقہ کا عام چرچا تھا، اس لیے غالباً ان کو مسند حدیث سنبھالنی پڑی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۴۳۶۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۳۔

[3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۴۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۱۔

marfat.com

ولم یکن من شانہ الحدیث فلما قدم بغداد کتبوا عنہ فکان یقول جعلنی اھل بغداد محدثا[1]

''حدیث ان کا فن نہیں تھا' مگر جب بغداد آئے تو لوگوں نے ان سے (اہل مدینہ کی) روایتیں لکھنا شروع کر دیں اس طرح ان کو حدیث کی روایت کرنی پڑی چنانچہ بعد میں خود کہتے ہیں کہ مجھے اہل بغداد نے محدث بنا دیا''۔

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے کچھ ممتاز ائمہ فقہ حدیث کے نام یہ ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی' ابونعیم' علی بن الجعد' یحییٰ بن بکیر' احمد بن یونس[2]' زہیر بن معاویہ' لیث بن سعد' عبداللہ بن وہب' وکیع بن الجراح' ابو داؤد الطیالسی' عبداللہ بن صالح العجلی[3]' بشر بن المفضل' یزید بن ہارون' منصور بن سلمہ[4] وغیرہ۔

ان میں سے بالخصوص امام ابوداؤد طیالسی نے متعدد جگہ اپنی کتاب میں ان سے روایتیں کی ہیں' ذیل میں کچھ روایتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

❶ حضرت حمزہ کی شہادت کے واقعہ کی شہادت کے واقعہ کو خود وحشی کی زبانی شیخ ماجشون ہی نے بیان کیا ہے۔ مسند ابن حنبل اور صحیح بخاری میں بھی یہ روایت تھوڑے اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔[5]

❷ دوسری روایت مرغ کو گالی دینے کی ممانعت میں ہے' اس کو شیخ امام عبدالعزیز نے دو واسطوں سے بیان کیا ہے دونوں واسطوں کے بیان کرنے کے بعد امام ابوداؤد دوسرے واسطے کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ: ''ھذا اثبت عندی'' یعنی واسطہ میرے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہے۔[6]

علم وفضل کے بارے میں معاصرین کی رائے:

شیخ عبدالعزیز علم وفضل کے لحاظ سے طبقہ اتباع تابعین کے ممتاز لوگوں میں شمار

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۴ و تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۱۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۴۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۶۔

[5] مسند طیالسی ج ۴ ص ۱۲۹۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۱ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۴۔

marfat.com

ہوتے تھے' حافظ ذہبی نے انہیں علم کا امام اور مفتی وفقیہ لکھا ہے[1] حافظ ابن حجر الفقیہ اور احد الاعلام لکھتے ہیں[2] ' ابن ناصر ین کہتے ہیں کہ ماجشون علمائے ربانیین اور فقہائے مصنفین میں سے ہیں[3]

حدیث:

ان کی عمر کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ میں گزرا جہاں قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے ہر گلی معمور تھی' بالخصوص امام مالک کا چشمہ فیض یہیں سے جاری تھا' ان کے علاوہ ابن ابی ذئب اور دوسرے بہت سے محدثین اپنا اپنا حلقہ درس حدیث قائم کیے ہوئے تھے' اس لیے جیسا کہ مذکور ہوا شیخ عبدالعزیز نے بھی اس فن سے حصہ وافر پایا' بعض محدثین نے ان پر تھوڑی جرح کی ہے' مگر امام ابوداؤد' نسائی' ابوزرعہ اور ابوحاتم ان کو صدوق اور ثقہ لکھتے ہیں۔

ابن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث یعنی ثقہ اور کثیر الحدیث تھے' لکھ کر پھر کہتے ہیں کہ اہل عراق نے دوسرے اہل مدینہ کے مقابلہ میں ان سے زیادہ روایتیں کی ہیں۔

ابن معین انہیں لیث بن سعد اور ابراہیم بن سور کے برابر سمجھتے تھے[4]

فقہ میں ان کا مسلک:

شیخ عبدالعزیز کی اصل خصوصیت روایت فی الحدیث نہیں بلکہ تفقہ فی الحدیث تھی' چنانچہ ان کے تفقہ کا ذکر تمام اہل تذکرہ نے کیا ہے' حتیٰ کہ بعض نے تو انہیں تفقہ میں امام مالک سے بھی بڑھا دیا ہے[5]

اسی کمال تفقہ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں صرف دو آدمیوں کو فتویٰ دینے کا حق تھا' اوپر ذکر آ چکا ہے کہ (غالباً حکومت کی طرف سے) یہ اعلان کرا دیا گیا تھا کہ:

''ابن الماجشون کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے''۔

اپنے مسلک میں یہ اہل حرمین کے پابند تھے' حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۸۔

[5] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۹۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۳۔

marfat.com

وكان فقيها ورعًا متابعًا لمذهب اهل الحرمين.

''وہ فقیہ اور متقی تھے اور اہل حرمین کے مذہب کے تابع''۔

مہدی سے تعلقات:

جب وہ مدینہ منورہ سے بغداد گئے' تو وہاں مہدی سے راہ و رسم ہوگئی' جو اس وقت شہزادہ تھا' مہدی پر شیخ عبدالعزیز کی فراست عقل کا بڑا اثر ہوا' اور وہ ان پر بڑا اعتماد کرنے لگا' چنانچہ ایک بار عباسی خلیفہ منصور حج کو جانے لگا تو مہدی دور تک اس کی مشایعت کو گیا' جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا بیٹے! میرے لیے حج میں اور دوسرے معاملات میں راہنمائی کرنے والا کوئی آدمی دے دو۔ مہدی نے کہا میں آپ کے ساتھ ایک نہایت عاقل و فرزانہ آدمی کو بھیجوں گا اور اس کے لیے اس نے عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون کا انتخاب کیا۔[1]

ان کی اسی عقل و فراست کی وجہ سے ان کے شاگرد ابوداؤد و ابوالولید کی یہ رائے نقل کرتے ہیں کہ:

كان يصلح اللوزارة.[2]

''وہ وزارت کی صلاحیت رکھتے تھے''۔

شاعری:

شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا' گو اسے پیشہ نہیں بنایا تھا' مگر کبھی کبھی اس کا اظہار ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ ابن الماجشون مہدی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مہدی نے پوچھا: ''آپ نے ان مرحوم دوستوں کے بارے میں بھی کچھ طبع آزمائی کی ہے' جو فقہائے روزگار تھے؟ ابن الماجشون بولے ہاں! پھر یہ اشعار سنائے:

ايــاك عــلــى احــبــابــه جــزعــا   قد كنت احذر ذا من قبل ان يقع

ان الــزمــان رای الف الســرور بــنــا   فدب بالهجر فيما بيننا وسعى

---

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۴۳۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۱۔

marfat.com

ما كان والله سوم الدهر يتركني　　فلا زيادة شي فوق ما صنعا [1]

ويصنع الدهر بى ما شاء مجتهدًا　　حتى يجرعني من غيضه جرعا

ترجمہ: ''اے دوستوں کی موت پر بے تحاشا رونے والے! میں بھی اس حادثہ کے نازل ہونے سے پہلے ڈرتا تھا' زمانہ نے جب دیکھا کہ ہم سب احباب ایک جگہ ہونے کی وجہ سے باہم بہت مانوس ہیں تو اس نے ہجر کو ہمارے درمیان دوڑایا اور اس میں اس نے بڑی دوڑ دھوپ کی' بخدا زمانہ کی بدنصیبیاں میرا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑیں گی جب کہ وہ اپنے غیض وغضب کو خوب اچھی طرح مجھ کو نہیں پلاوے گی۔ تو اب میں کہتا ہوں کہ اچھا زمانہ میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر گزرے۔ اس نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر کسی چیز کی کیا زیادتی ہو سکتی ہے''۔

مہدی نے ان اشعار کو سن کر کہا بخدا میں اب آپ کو مالدار بنادوں گا' چنانچہ اس نے انہیں دس ہزار دینار دیئے جانے کا حکم دیا' ابن الماجشون انہیں لے کر بغداد چلے آئے' لیکن انہوں نے اپنے والد کے اوصاف وخصائل دیکھ کر جود وعطا کی جو خو اپنے اندر پیدا کر لی تھی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے وہ سب دینار تقسیم کر کے خرچ کر دیئے۔[2]

زہد وورع:

علم وفضل کے ساتھ ان کے عملی کمالات بھی قابل ذکر ہیں' وہ نہایت متقی اور پرہیز گار تھے' احمد بن صالح کہتے ہیں ''کان نزها صاحب سنة ثقة'' علامہ ابن سعد انہیں ورع بتاتے ہیں۔[3]

تصنیفات:

شیخ عبدالعزیز بن الماجشون صاحب تصنیف بھی تھے لیکن افسوس ہے کہ ان کی تصنیفات کی کوئی تفصیل نہیں پائی جاتی' خطیب بغدادی نے صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ ''له كتب مصنفة في الحكام'' احکام میں ان کی چند کتابیں ہیں۔[4] اسی طرح

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۷۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۷۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۴۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۹۔

marfat.com

ذہبی احمد بن کامل کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

له كتب مصنفة رواها عنه ابن وهب[1]

''ان کی تصنیف کی ہوئی چند کتابیں بھی ہیں جن کو ابن وہب نے روایت کیا ہے''۔

وفات:

شیخ عبدالعزیز بن الماجشون کی وفات کے سلسلہ میں ان کے صاحبزادے ایک بہت عجیب وغریب واقعہ نقل کرتے ہیں' یہاں اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا' فرماتے ہیں کہ: ''میرے والد کی روح جسم سے پرواز کرگئی' ہم سب نے انہیں غسل کے لیے تخت پر لٹایا' اتفاق کی بات غسل دینے والا جب غسل دے رہا تھا' تو اس نے ان کے تلوے میں ایک رگ دیکھی جو پھڑک رہی تھی' اس نے یہ واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ سب کی یہ رائے ہوئی کہ اس وقت غسل دینا ملتوی کردیا جائے' دوسرے دن بھی جب غسل دینے کا اہتمام کیا گیا تو یہی صورت پیش آئی' غرض اسی طرح تین دن گزر گئے اس کے بعد ابن الماجشون یکایک اٹھ کر بیٹھ گئے اور لوگوں سے ستو طلب کیا' ارشاد کی فوراً تعمیل کی گئی' جب ستو پی چکے تو لوگوں نے دریافت کیا ''آپ پر ان تین دنوں میں جو کچھ واردات گزری ہے اس کی کچھ روداد ہم کو بھی سنائیے''۔ انہوں نے بطیب خاطر اس درخواست کو قبول کیا اور یوں واقعہ بیان کیا:

''میری روح کو فرشتہ لے کر روانہ ہوا' اس نے آسمان دنیا کو عبور کیا' اور اسی طرح گزرتا ہوا ساتویں آسمان تک پہنچ گیا' وہاں اس فرشتہ سے پوچھا گیا' تمہارے ساتھ کون ہے؟ فرشتہ نے جواب دیا' ابن الماجشون' کہا گیا ابھی تو ان کی عمر میں اتنے برس' اتنے مہینے اور اتنے گھنٹے باقی ہیں' تم ان کو ابھی کیوں لے آئے' اس پر فرشتے نے لے کر نیچے اترنا شروع کیا' یہاں تک کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ان کے دائیں جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بائیں جانب عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز آپ کے سامنے تشریف رکھتے تھے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج اص ۲۰۱۔

marfat.com

یہ دیکھ کر میں نے فرشتہ سے دریافت کیا کہ جو آنحضرت ﷺ کے روبرو بیٹھے ہیں کون ہیں؟ جواب ملا' عمر بن عبدالعزیز' میں نے کہا یہ تو سرورکونین ﷺ سے زیادہ قریب ہیں' فرشتہ نے کہا یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ظلم و جور کے زمانہ میں حق پر عمل کیا' اورحضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے حق کے زمانہ میں حق پر عمل کیا۔[1]

اس کے کچھ دنوں کے بعد بغداد میں ۱۶۴ھ میں علم وعمل کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔[2] ان کے جنازہ میں خلیفہ وقت مہدی خود شریک تھا' اوراسی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی' قریش کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔[3]

اولاد:

ابن ماجشون کے ایک نامور صاحبزادے عبدالملک کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے' حافظ ابن حجر اور ابن خلکان نے ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے۔ ذیل میں مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے:

عبدالملک نام اور ابومروان کنیت تھی' یہ خانوادہ مدینہ میں آباد تھا اس لیے مدنی بھی ان کے نام کا جزو ہوگیا۔

علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز تھے' حدیث میں تو کسی بلند مقام کے مالک نہیں تھے' مگر فقہ میں اپنے والد کے جانشین تھے' فقہ میں امام مالک رحمہ اللہ سے تلمذ رکھتے تھے اور انہیں کے مسلک کے پابند تھے۔ اسی بنا پر مالکی شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں:

تفقه علی الامام مالک۔[4]

''انہوں نے امام مالکؒ سے تفقہ حاصل کیا''۔

تفقہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فصیح وبلیغ تھے' حتیٰ کہ ان کی فصاحت لسانی ضرب المثل تھی۔ حافظ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ:

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۵۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۴ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۴ وشذرات الذہب ج ۱ ص ۲۵۹۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۹۔ [4] ابن خلکان ج ۱ ص ۵۱۴۔

marfat.com

کان فقیھًا فصیحًا دارت علیه الفتیا وعلی ابیه قبله وھو فقیه ان الفقیه[1]

''وہ فقیہ اور فصیح اللسان تھے' ان کے عہد کے فتوے کا مدار انہیں پر تھا اور ان سے پہلے ان کے والد پر تھا' وہ (بلاشبہ) فقیہ ابن فقیہ تھے''

قاضی یحییٰ بن اکثم فرمایا کرتے تھے:

عبدالملک ایک سمندر ہیں جس کو ڈول گندا نہیں کر سکتا[2]

مصعب الزبیری کہتے تھے کہ ''کان مفتی اھل المدینة فی زمانه''، یعنی عبدالملک اپنے زمانہ میں مدینہ کے مفتی تھے۔

امام شافعیؒ سے مذاکرہ ہونے لگتا تو دونوں کی نکتہ رسی اور فصاحت لسانی کی وجہ سے دوسرے لوگ ان کی اکثر بحثیں سمجھ نہیں پاتے تھے' مؤرخ ابن خلکان نے اس کی وجہ یہ لکھی کہ:

لان الشافعی تأدب بھذیل فی البادیة وعبدالملک تأدب فی خؤولته من کلیب بالبادیه[3]

''اس لیے کہ امام شافعی نے دیہات میں قبیلہ ہذیل کے پاس زبان سیکھی تھی اور عبدالملک نے اپنے ننہال قبیلہ کلیب کے یہاں دیہات میں رہ کر تربیت حاصل کی تھی''۔

ان کے شاگرد احمد بن حنبل معدل کہتے ہیں کہ عبدالملک کی موت کے بعد جب یہ ذکر آتا کہ ان کی زبان کو مٹی کھا رہی ہے تو:

صغرت الدنیا فی عینی.[4]

''دنیا میری نظروں میں حقیر ہو جاتی تھی''۔

۲۱۴ھ یا بروایت ۲۱۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۸۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۹۔

[3] ابن خلکان ج ا ص ۵۱۴۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۹۔

marfat.com

عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام اور ابو محمد کنیت تھی[1] نسب نامہ یہ ہے' عبداللہ ابن ادریس بن یزید بن عبدالرحمن[2] کوفہ کے قبیلہ اود کی ایک شاخ زعافر سے خاندانی نسبت رکھتے تھے' اس لیے کوفی' اودی اور زعافری کی تینوں نسبتوں سے مشہور ہوئے[3]

ولادت:

ان کے سن پیدائش کے بارے میں محققین بہت مختلف الرائے ہیں۔ حافظ ذہبی نے نشاندہی کی ہے کہ عبداللہ بن ادریس کی ولادت ۱۳۰ھ میں ہوئی[4] علامہ ابن سعد نے طبقات میں بروایت طلق بن غنم ۱۱۵ھ کو ان کا سن ولادت قرار دیا ہے[5] لیکن اس سلسلہ میں سب سے زیادہ معتبر و مستند خود ابن ادریس کا بیان ہے' جسے حافظ ابن حجر نے احمد بن جواس کی روایت سے نقل کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن ادریس کو کہتے سنا: ''ولدت فی سنة ۱۱۰ھ'' علامہ عسقلانی اس کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ''و کذا رواہ غیر واحد'' علاوہ ازیں صاحب تہذیب نے ۱۲۰ھ کے قول کو لفظ قیل سے ذکر کیا ہے' جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے[6]

فضل وکمال:

انہیں علم وفضل کی دولت بے بہا وراثۃً نصیب ہوئی تھی' ان کے دادا یزید جلیل المرتبت تابعی تھے' جنہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دامان فیض سے خوشہ چینی کی

[1] طبقات ابن سعد' ج ۶ ص ۲۷۱۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۹۔
[3] اللباب فی تہذیب الانساب ج اص ۵۰۱۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۵۸۔
[5] طبقات ابن سعد ج ۶' ص ۲۷۱۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۶۔

marfat.com

تھی' اسی طرح عبداللہ کے والد ادریس بھی وقت کے بلند پایہ عالم اور ماہر فن تھے' ان گوناگوں مناسبتوں سے عبداللہ بھی علم کی دولت سے مالا مال ہوئے' منتخب زمانہ تابعین سے اکتساب ضوء کیا اور پھر خود بھی افتاء واجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے' حافظ ذہبی انہیں الامام القدوة الحجة احد العلام اور الحافظ العابد لکھتے ہیں[1] ابو حاتم کا بیان ہے:

هو امام من ائمة المسلمين.

''وہ ائمہ اسلام میں سے ہیں''۔

حسن بن عرفہ کہتے ہیں:

مارأيت بالكوفة افضل منه[2]

''میں نے کوفہ میں ان سے بڑا افاضل نہیں دیکھا''۔

امام احمد بن حنبل ''كان عبدالله بن ادريس نسيج وحدة'' کے الفاظ سے رطب اللسان ہیں[3]

شیوخ:

انہوں نے بکثرت محدثین سے سماع حاصل کیا تھا' جن میں اجلۂ روزگار تابعین کی بھی خاصی تعداد شامل ہے' ممتاز اور لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں: امام اعمش' ابن جریج' امام شعبہ' سہیل بن ابی صالح' یحییٰ بن سعید الانصاری' داؤد بن ابی ہند' ہشام بن عروہ' حسن بن فرات' ابواسحاق الشیبانی[4]

تلامذہ:

خود امام زعافری کے آفتاب کمال کی کرنوں سے جن علماء کے دل منور ہوئے' ان میں امام مالک' امام احمد' عبداللہ بن مبارک' اسحاق بن راہویہ' عبداللہ بن ابی شیبہ' ابوخیثمہ' زیاد بن ایوب' یحییٰ بن آدم' ابوبکر بن ابی شیبہ' حسن بن ربیع اور حسن بن عرفہ جیسے

---

[1] العبر' ج ا ص ۳۰۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۵۸۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۴۔

[3] مرأۃ الجنان ج ا ص ۴۳۰۔ [4] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۱۹۱ و تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۴۔

marfat.com

یکتائے عصر ائمہ شامل ہیں[1]

مرویات کا پایہ:

حدیث ومتعلقات حدیث کی معرفت میں ابن ادریس کا پایہ نہایت بلند تھا' ابن مدینی کا بیان ہے کہ اس فن میں وہ اپنے والد بزرگوار پر بھی تفوق رکھتے تھے۔

عبدالله بن ادريس فوق ابيه في الحديث[2]

''عبداللہ بن ادریس کو حدیث میں اپنے والد پر بھی فوقیت حاصل تھی''۔

محققین علماء نے ان کی ثقاہت' حجیت' تثبت اور اتقان کو بصراحت تسلیم کیا ہے' ابن معین کہتے ہیں ثقة في كل شيء[3]

ابو حاتم کا بیان ہے:

هو حجة يحتج بها وهو امام من ائمة المسلمين ثقة.[4]

''وہ حجت' امام اور ثقہ ہیں''۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

وكان ثقة ما مونا كثير الحديث حجة صاحب سنه و جماعة[5]

''وہ ثقہ' مامون' کثیر الحدیث' حجت اور اہل سنت تھے''۔

علاوہ ازیں امام نسائی' عجلی اور امام احمد نے بھی انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

عبادت وصالحیت:

علم وفضل کے ساتھ ان کی دنیائے عمل بھی بہت روشن تھی' عبادت وریاضت اور تقویٰ وصالحیت میں وہ کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں شمار کیے جاتے تھے' بیان کیا جاتا ہے کہ کوفہ میں ان سے بڑا عابد کوئی نہ تھا۔ ''لم يكن عبد منه''[6] ابن عمار بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۴۔ [2] خلاصہ تذہیب ص ۱۹۱۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۷۱۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۵۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۴۵۔

[6] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۳۰۔

marfat.com

وہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے' جن کا نمایاں وصف نیکی و تقویٰ ہوتا ہے[1]

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: ''کان عابداً فاضلاً''[2]

مسلک:

اگر چہ وہ دوسری صدی کے دیگر ائمہ کی طرح منصب امامت و اجتہاد پر فائز تھے' لیکن اپنے فتاویٰ اور فقہی اقوال میں بیشتر مسلک اہل مدینہ کی اتباع کرتے تھے[3]

موطا امام مالک کی روایات:

امام مالک نے بایں ہمہ جلالت علم و تفوق زمانی ابن ادریس سے کافی سماع حاصل کیا تھا' اور ان دونوں میں بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے' بیان کیا جاتا ہے کہ مؤطا کی تمام روایات کا سماع امام مالک نے ابن ادریس سے حاصل کیا تھا۔

ان جمیع ما رواہ مالک فی المؤطا سمع من ابن ادریس[4]

''امام مالک نے مؤطا کی تمام روایت کی سماعت ابن ادریس سے کی تھی''۔

جاہ و منصب سے بے اعتنائی:

وہ تاحیات منصب سے کنارہ کش رہے۔ دنیا نے ان کے قدموں میں بارہا جبہ سائی کی لیکن انہوں نے بے نیازی کا لائق تقلید نمونہ پیش کرتے ہوئے اسے ٹھکرا دیا' چنانچہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار ان کے سامنے قضا کا عہدہ پیش کیا' اور اس کے قبول کرنے پر ازحد اصرار کیا' لیکن ابن ادریس نے اپنی عدم صلاحیت کا حیلہ کر کے اس پیش کش کو مسترد کر دیا' ان سے قبل خلیفہ مذکور نے یہ منصب حافظ وکیع بن الجراح کے سپرد کرنا چاہا تھا' مگر انہوں نے بھی اسے ٹھکرا دیا تھا اور پھر بالآخر حفص بن غیاث نے اس کو قبول کر لیا۔ پھر ہارون نے پانچ ہزار درہم بطور زاد راہ پیش کیا تو اول الذکر دونوں ائمہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۵۷۔ [2] ایضاً۔

[3] ایضاً [4] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۵۷۔

marfat.com

نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا اور ابن غیاث نے لے لیا[1] اس واقعہ کے بعد ابن ادریس کو قاضی حفص کی جانب سے سخت تکدر پیدا ہو گیا' کیونکہ انہوں نے ائمہ سلف کی شان استغنا کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ بروایت صحیح منقول ہے کہ ابن ادریس نے اس کے بعد قاضی حفص سے تا حیات بات نہ کرنے کی قسم کھالی[2]

استغنا کا دوسرا واقعہ:

ایک بار خلیفہ ہارون الرشید حج کی غرض سے مکہ جا رہا تھا سر راہ کوفہ سے اس کا گزر ہوا' اس کے ہمراہ دونوں لڑکوں امین اور مامون کے علاوہ قاضی ابو یوسف بھی تھے' کوفہ پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ تمامی شیوخ حدیث جمع ہوں تاکہ ان سے امین و مامون سماع حاصل کر سکیں' چنانچہ حسب حکم تمام علماء خلیفہ کی فرودگاہ پر مجتمع ہوئے' لیکن عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس' اسے وقار علمی کے منافی تصور کر کے نہ آئے۔

شیخ کوفہ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد امین و مامون ابن ادریس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سو حدیثیں سماعت کیں' اس کے بعد مامون نے ان کی خدمت میں کچھ مال و زر پیش کیا' لیکن شیخ نے اس میں سے کچھ بھی قبول کرنا گوارا نہ کیا۔

ان سے فارغ ہو کر دونوں خلیفہ زادے عیسیٰ بن یونس کے پاس پہنچے اور ان سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا' مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا' جسے ابن یونس نے لینے سے انکار کر دیا' پھر مامون نے اس رقم کو دوگنا کر کے پیش کیا' ابن یونس نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا:

''خدا کی قسم اگر تم اس مسجد کو فرش سے چھت تک مال بھر کر پیش کرو تو بھی میں حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر ایک حبہ لینا گوارا نہیں کر سکتا''[3]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۰۸۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۸ والبدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۰۸۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۰۸۔

marfat.com

وفات:

ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۲ھ کو بمقام کوفہ راہ سپار عالم جاوداں ہوئے[1] انتقال کے وقت ۷۲ سال کی عمر تھی[2] چونکہ حافظ ذہبی کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۲۰ھ میں ہوئی' اس لیے وفات کے وقت شیخ کی عمر ۷۲ سال قرار پاتی ہے' لیکن سن ولادت کے بارے میں ذہبی کے قول کو ضعیف مانا جاتا ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا' خود ابن ادریس کے بیان کے مطابق ۱۱۰ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اس طرح ان کی عمر ۸۲ سال ہوتی ہے۔

جب ابن ادریس کی وفات کا وقت آیا تو ان کی صاحبزادی محبت پدری سے مغلوب ہو کر رونے لگیں' یہ دیکھ کر فرمایا:

''کس بات پر روتی ہو میں نے اس گھر میں چار ہزار ختم قرآن کیے ہیں[3] یعنی خیر و برکت کا ایک خزانہ اس مکان میں چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہوں' جو پس ماندگان کے لیے سرور انبساط کا باعث ہونا چاہیے''۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۷۱۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۸۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۰۹۔

marfat.com

عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام‘ ابو بکر کنیت‘ پورا سلسلہ نسب یہ ہے‘ عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن حمید بن زہیر بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی[1]

خاندان اور وطن:

امام حمیدی نسلاً خالص عرب تھے‘ مکہ معظمہ کی خاک پاک سے اٹھے اور آخر اسی کا پیوند بنے‘ جیسا کہ مذکورہ بالا مفصل نسب نامہ سے ظاہر ہے‘ قریش کے مشہور خاندان اسد بن عبدالعزیٰ کی ایک معزز شاخ بنوحمید سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

اسی باعث اسدی‘ مکی‘ قرشی اور حمیدی کی نسبتوں سے مشہور ہوئے‘ ان میں آخر الذکر نسبت کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بعض علماء کا اختلاف ہے‘ لیکن اصح و مرجح یہی ہے کہ بنوحمید کے خاندان والے حمیدی کہلاتے ہیں‘ حافظ ابن اثیر نے اسی کو اختیار کیا‘ اور علامہ سمعانی نے ارجح قرار دیا ہے‘ اصمعی کے اس قول سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے:

حمیدیون کلھم من بنی اسد بن قریش۔[2]

”تمام حمیدی بنو اسد بن قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں“۔

فضل وکمال:

امام حمیدی ان نامور اہل علم اتباع تابعین میں تھے‘ جنہوں نے نہ صرف علم وعمل کے چراغ روشن کیے بلکہ قرطاس وقلم کے ذریعہ زر وجواہر کے انبار لگا دیے‘ ان کی شہرہ

---

[1] توالی التاسیس لابن حجر ص ۴۷۔

[2] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ ص ۳۲۱ وکتاب الانساب ورق ۱۷۷۔

marfat.com

آفاق مسند حدیث کے قدیم ترین اور مستند ترین ذخیروں میں شمار کی جاتی ہے' امام بخاری جیسے محتاط محدث ان کی روایت کو اپنی جامع کا سر آغاز بناتے ہیں' حدیث میں خصوصی فیضان رکھنے کے ساتھ انہیں فقہ و افتاء پر کامل عبور حاصل تھا' اپنے گوناگوں علمی کمالات کی وجہ سے ''عالم اهل مكه'' ان کا لقب پڑ گیا۔ تمام ارباب تذکرہ بہت نمایاں طور پر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہیں۔

چنانچہ حافظ ذہبی ''الامام العلم الحافظ الفقيه'' لکھتے ہیں [1]

ابن عماد الحنبلی ''كان اماما حجة''، علامہ زرکلی 'احد الائمة فی الحديث'' اور سبکی ''محدث مكة وفقيهها'' تحریر فرماتے ہیں۔[2] حافظ جلال الدین السیوطی رقمطراز ہیں: ''احد الائمة صاحب المسند''[3]

شیوخ:

امام حمیدی کی جلالت مرتبت اور تبحر علمی کا مزید ثبوت ان کے شیوخ و اساتذہ کی طویل فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے مل جاتا ہے' جس میں امام شافعی' مسلم بن خالد' فضیل بن عیاض جیسے فخر زمانہ ائمہ کے نام ملتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت سفیان بن عیینہ کے کیسۂ فیض سے کامل بیس سال تک مستفید ہوتے رہے۔[4] حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں:

صحب ابن عيينة فاكثر عنه وهو من اصح الناس عنه حديثا[5]

''انہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ کی بڑی صحبت اٹھائی اور اسی باعث ان سے بکثرت روایتوں کا سماع حاصل کیا''۔

چنانچہ تمام لوگوں میں ابن عیینہ سے سب سے زیادہ صحیح الروایت ہیں۔

ان کے علاوہ حمیدی نے جن علماء سے اکتساب علم کیا ان کے کچھ نام یہ ہیں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۔ [2] شذرات الذهب ج ۲ ص ۴۵' اعلام ج ۲ ص ۱۵۵۷۔ طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۶۳۔ [3] حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۴۶۔ [4] الانساب للسمعانی ص ۱۷۷۔
[5] توالی التاسیس ص ۳۷۔

marfat.com

ابراہیم بن سعد' ولید بن مسلم' وکیع بن الجراح الرواسی' مروان ابن معاویہ' عبدالعزیز بن ابی حازم' دراوردی' بشر بن بکر التنیسی [1]

تلامذہ:

خود ان کے چراغ علم سے روشنی حاصل کرنے والے تلامذہ میں بلند پایہ ماہرین فن شامل تھے' چند ممتاز نام یہ ہیں' امام بخاری' محمد بن یحییٰ الذہلی' ابوزرعہ' ابوحاتم' بشر بن موسیٰ' سلمہ بن نسیب' یعقوب بن سفیان' محمد بن یوسف السنائی' عبداللہ بن فضالہ' محمد بن احمد القرشی' احمد بن ازہر نیشاپوری' یعقوب بن شیبہ' محمد بن اسحٰق' یوسف بن موسیٰ القطان' اسماعیل بن سمویہ' محمد بن یونس الکدیمی' ہارون الحمال' امام بخاری ان کے خاص فیض یافتہ تھے' اور وہ اپنے استاد سے اس درجہ متاثر تھے کہ جامع صحیح میں ۷۵ حدیثیں ان کے واسطہ سے روایت کی ہیں' مزید برآں امام مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بواسطہ ان سے روایت کی ہے۔[2]

حفظ وضبط:

حافظہ کی قوت بلا کی پائی تھی' جس کی بدولت حدیث کا ایک وسیع سرمایہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا' چنانچہ اہل نظر محققین نے مستند ذرائع سے لکھا ہے کہ امام حمیدی کو اپنے شیخ سفیان بن عیینہ کی مرویات سے دس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔[3] اسی باعث علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں:

ثقاہت وعدالت:

ثقہ شیوخ حدیث کے فیضان نے ان کی روایات کو بھی استناد حجیت کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا تھا۔ ماہرین فن متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ حمیدی کی مرویات اسناد کے اعتبار سے جس اعلیٰ پایہ کی ہیں اس کے بعد کسی بلندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حدود

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۵۔

[3] طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۶۴۔

marfat.com

انتہاء ہے کہ امام بخاری نے ان ہی کی روایت سے اپنی جامع صحیح کا آغاز کیا ہے اور بقول ابن حجر وہ امام حمیدی پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ ان کی روایت ملنے کے بعد کسی دوسرے کی مرویات کو خاطر میں نہ لاتے تھے'[1] ابو حاتم کا بیان ہے کہ:

هو اثبت الناس فی ابن عیینة وهو رئیس اصحابه وهو ثقة امام.[2]

''وہ سفیان بن عیینہ کی مرویات کے بارے میں سب سے زیادہ ثبت تھے اور وہ ان کے تلامذہ کے سرخیل تھے' اسی طرح وہ ثقہ امام تھے''۔

علاوہ ازیں ابن حبان' ابو حاتم' ابن سعد اور حاکم نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔[3]

فقہ و افتاء:

حدیث کی طرح فقہ میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ امام شافعیؒ سے اس فن میں خصوصی مہارت پیدا کی اور جب وہ مصر تشریف لے گئے تو حمیدی بھی ان کے ہمراہ رہے' اس طرح وہ امام صاحب کے بکثر اجتہادات کے امین تھے۔ مصر میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مکہ واپس آ گئے اور وہاں مفتی و فقیہ کی حیثیت سے بڑی شہرت پائی' حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ وہ مکہ میں افتاء کا مرکز بن گئے تھے' امام بخاریؒ نے ان سے فقہ کی بھی تحصیل کی تھی' جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

جزم کل من ترجم البخاری بان الحمیدی من شیوخه فی الفقه والحدیث[4]

''امام بخاریؒ کے تذکرہ نویسوں نے بوثوق لکھا ہے کہ وہ فقہ و حدیث میں امام حمیدی کے شاگرد تھے''۔

حاکم کا بیان ہے کہ حمیدی مکہ کے مشہور مفتی' فقہ اور محدث تھے۔[5]

اعتراف علماء:

امام حمیدی کے فضل و تقدم اور بلندی شان کا اعتراف بکثرت علماء نے کیا ہے'

---

[1] توالی التاسیس ص ۳۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۵' حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۴۶۔
[3] طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۶۳' و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۔ [4] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۴۶۔
[5] فتح الباری ج ۱ ص ۱۱۔

marfat.com

جن میں نہ صرف ان کے تلامذہ او رہم عصر اہل علم بلکہ ان کے بعض شیوخ کے اسمائے گرامی شامل ہیں' چنانچہ ربیع بن سلیمان المرادی سے مروی ہے کہ امام شافعی اکثر فرمایا کرتے:

مارأیت صاحب بلغم احفظ من الحمیدی۔[1]

''میں نے حمیدی سے بڑا حافظ نہیں دیکھا''۔

امام احمد فرماتے ہیں: حمیدی' شافعی اور ابن راہویہ میں ہر ایک امام تھا۔[2]

ابن عدی کا بیان ہے کہ ''کان من خیار الناس''۔[3]

حاکم کہتے ہیں:

ھولا ھل الحجاز فی السنة کاحمد بن حنبل لاھل العراق۔[4]

''وہ حدیث میں اہل حجاز کے لیے وہی مقام رکھتے تھے' جو عراق میں امام احمد کو حاصل تھا''۔

امام بخاری شہادت دیتے ہیں کہ حمیدی حدیث میں امام تھے۔[5]

یعقوب بن سفیان کا ارشاد ہے:

حدثنا الحمیدی وما لقیت انصح للاسلام واھلہ منہ۔[6]

''حمیدی نے ہم سے حدیث بیان کی اور ہم نے ان سے بڑھ کر کسی کو اسلام اور مسلمانوں کا خیرخواہ نہیں دیکھا''۔

شمائل ومناقب:

زہد و ورع اور پاکبازی و نیک طینتی ان کی سیرت کے روشن پہلو ہیں' سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حد غلو تک متبع تھے اور غالباً اسی باعث اہل رائے کو ناپسند فرماتے تھے۔ عقائد ونظریات' اصول السنہ کے نام سے امام حمیدی کا ایک مختصر رسالہ پایا جاتا ہے' اس کے مطالعہ سے ان کے بعض عقائد اور مسلک پر بڑی وضاحت سے روشنی پڑتی ہے' یہ رسالہ

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ص۲۶۳۔ [2] شذرات الذہب ج۲ص۴۵۔ [3] توالی التاسیس ص۳۵۔
[4] طبقات الشافعیہ ج۱ص۲۶۲۔ [5] تہذیب التہذیب ج۵ص۲۱۵۔

marfat.com

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے اپنی مسند کے آخر میں شامل کر دیا ہے' ذیل میں ہم اسی سے حمیدی کے مذہبی خیالات اخذ کر کے درج کرتے ہیں:

عقیدہ قدر کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ہمارے نزدیک سنت ثابتہ یہ ہے کہ انسان خیر وشر اور تلخ وشیریں کے بارے میں تقدیر پر کامل ایمان رکھے اور یہ یقین رکھے کہ ہر راحت ومصیبت اللہ جل شانہ کے فیصلہ کے مطابق ہوتی ہے''۔

ایمان کے متعلق کہتے ہیں: ''وہ قول وعمل دونوں کا نام ہے' جس میں کمی وبیشی ہوتی ہے' قول بغیر عمل کے بیکار ہے' اور قول وعمل بغیر نیت کے غیر مفید ہیں' اسی طرح اگر قول' عمل اور نیت سب ہو لیکن اتباع سنت نہ ہو تو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں' سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے'' الایمان قول و عمل یزید و ینقص '' ان کے بھائی ابراہیم بن عیینہ نے کہا: ''اے ابومحمد! یہ نہ کہیے کہ ایمان میں کمی ہوتی ہے''۔ یہ سن کر حضرت سفیان غضبناک ہو گئے اور فرمایا: ''اولڑکے تم خاموش رہو' ایمان یقیناً کم ہوتا ہے' یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتا ہے''۔

فرمایا: ''قرآن پاک خدا کا کلام ہے' جو شخص اسے مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے''۔

فرمایا: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام نہایت ضروری ہے' ہر مومن کو ان کے لیے استفادہ ودعا کرتے رہنا چاہیے' کیونکہ خداوند قدوس نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

والذین جاؤا من بعدهم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان[1]

''اور جو ان کے بعد آئے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں' گناہ معاف فرما''۔

اس میں مسلمانوں کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے' پس جو کوئی ان کو برا بھلا کہے وہ سنت سے منحرف ہے اور ایسا شخص مال غنیمت سے محروم کر دیا جائے گا۔

---

[1] سورۂ حشر رکوع ۴۔

marfat.com

وفات:

ربیع الاول ۲۱۹ھ میں اپنے وطن مکہ ہی میں رحلت فرمائی' سال وفات ۲۲۰ھ بھی بیان کیا جاتا ہے' لیکن اکثر نے اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے۔[1]

تصنیفات:

مذکورہ بالا رسالہ اصول السنہ کے علاوہ امام حمیدی کی کئی اور تصانیف کے نام بھی ملتے ہیں۔ جو یہ ہیں:

❶ کتاب الرد علی النعمان ❷ کتاب التفسیر ❸ مسند[2]

مسند: یہ امام حمیدی کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے' جس نے انہیں علم حدیث کی تاریخ میں ایک زندہ جاوید مقام عطا کیا ہے' مختلف ممالک میں مسانید کے مجموعے مرتب کرنے میں جن علماء کو شرف اولیت حاصل ہوا' ان میں حمیدی کا نام بھی ہے' کہا جاتا ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے ان ہی نے مسند تصنیف کی' یہ گیارہ اجزاء پر مشتمل ہے[3] اور اس میں ۱۳۰۰ حدیثیں ہیں' اکثر روایتیں مرفوعاً مروی ہیں اور صحابہ و تابعین کے کچھ آثار بھی اس میں شامل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے مسند حمیدی کا آغاز جابر بن عبداللہ کی حدیث کو قرار دیا ہے' لیکن یہ واقعہ کے خلاف ہے' بقول مولانا اعظمی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے کسی غیر مستند نسخہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایسا لکھ دیا ہے' ورنہ جیسا کہ مسند سے ظاہر ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کا آغاز ہوا ہے' اور یہی تمام ارباب مسانید کا طریقہ کار رہا ہے کہ وہ پہلے خلفائے راشدین کی علی الترتیب روایات نقل کرتے ہیں' اس کے بعد عشرہ مبشرہ صحابہ کی حدیثیں' اس کے بعد دوسروں کی' امام حمیدی نے اسی سنت کی اتباع کی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۶' والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۷۷۔ [2] مقدمہ مسند حمیدی ج ۱ ص ۸ بحوالہ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۰۔ [3] الرسالۃ المستطرفۃ ص ۵۷۔

marfat.com

مسند کے نسخے ایک زمانہ تک نایاب رہے پھر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے جو قدیم کتب کی تلاش و تحقیق اور تصحیح وتحشیہ میں شہرت رکھتے ہیں' اور جنہوں نے اس سلسلہ کے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں' مسند کے کئی مخطوطات کا پتہ چلایا ہے جو دارالعلوم دیوبند مکتبہ سعیدیہ حیدرآباد' جامعہ عثمانیہ اور دارالکتب الظاہریہ دمشق میں محفوظ تھے۔

ان ہی قلمی نسخوں کی مدد سے مولانا اعظمی نے ۱۹۶۳ء میں پہلی بار مسند حمیدی کو دو جلدوں میں اڈٹ کیا ہے' اور مجلس العلمی کراچی سے ان کی اشاعت ہوئی' دوسری جلد کے آخر میں رسالہ اصول السنہ بھی شامل ہے۔

مسند کے رواۃ

مسند کو حمیدی سے بکثرت علماء نے روایت کیا ہے' حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابو اسماعیل السلمی (۲۸۰ھ) اور بشر بن موسیٰ الاسدی کا نام ذکر کرنے کے بعد "رواۃ غیر واحد" لکھ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسند کے اور بھی بہت سے رواۃ ہیں۔

لیکن آج جو مسند ہمارے سامنے موجود ہے وہ امام بشر بن موسیٰ الاسدی سے مروی ہے' اس کے علاوہ کسی دوسرے کی روایت کردہ مسند کا اب تک سراغ نہیں لگ سکا' ذیل میں بشر کا مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے:

بشر نام' ابوعلی کنیت' اور نسب نامہ یہ ہے: بشر بن موسیٰ بن صالح بن شیخ بن عمیرہ بن حبان بن سراقہ بن مرثد بن حمیری'[1] ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے' وطن مالوف بغداد تھا' بنو اسد کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے' جو فضل وتقدم' امارت و ریاست اور شرافت میں بہت مشہور اور ترقی یافتہ خاندان تھا' اور حقیقت یہ ہے کہ امام بشر تمام خاندانی خصوصیات کے امین تھے۔[2]

امام بشر نے ابونعیم فضل بن دکین' روح بن عبادہ' خلاد بن یحییٰ' ہوذہ بن خلیفہ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۸۶

[2] المنتظم ج ۶ ص ۲۸۔

marfat.com

عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، حسن بن موسیٰ الاشیب، علی بن الجعد، اصمعی، سعید بن منصور، خلف بن الولید اور عمر بن الحکام وغیرہ مشاہیر اہل علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کے جملہ کمالات کو اپنے سینے میں منتقل کیا، یہاں تک کہ ان کی جلالت مرتبت کی بنا پر امام احمد بن حنبل بھی باایں ہمہ تبحر وفضل ان کی توقیر وتکریم کرتے تھے[1] دار قطنی کا بیان ہے:

بشر بن موسیٰ الاسدی ثقة نبیل[2]

''بشر بن موسیٰ الاسدی ثقہ اور شریف انسان تھے''۔

علامہ ابن الجوزی رقمطراز ہیں:

کان هو فی نفسه ثقة امینا عاقلا رکینا[3]

''وہ بذات خود نہایت ثقہ، امین اور بہت عقل مند تھے''۔

۲۶ ربیع الاول ۲۸۸ھ بروز شنبہ ان کی شمع بغداد میں گل ہوگئی، مقبرہ باب البتن میں تدفین ہوئی، جنازہ میں ایک جم غفیر شریک تھا[4] کہا جاتا ہے کہ امام بشر آخر زندگی میں اپنی پیری اور ضعف کے بارے میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:

ضعفت وما جاز الثمانین بضعف ۔۔۔ وینکر منه کل ما کان یعرف

ویمشی رویدا کالا سیر مقیدا ۔۔۔ تدانی خطاه فی الحدید ویرسف[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۷۔ [2] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۸۸۔

[3] المنتظم ج ۶ ص ۳۸۔ [4] تاریخ بغداد ج ۷ ص ۸۸۔

[5] المنتظم ج ۶ ص ۳۸۔

marfat.com

عبداللہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابوعبدالرحمٰن کنیت اورنسب نامہ یہ ہے عبداللہ بن عمرو بن حفص بن عمر بن الخطاب' قبیلہ قریش کی شاخ بنوعدی سے نسبی تعلق رکھنے کے باعث عدوی کہلاتے ہیں' اس کے علاوہ عمری اور مدنی خاندانی و وطنی نسبتیں ہیں [1]

وطن اور خاندان:

مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے' اورفاروق اعظم کے اس خانوادہ فضل وکمال سے تعلق رکھتے تھے' جس کے بے شمار افراد آسمان علم پر نیر تاباں بن کر چمکے' چنانچہ ان کے بھائی عبیداللہ' جنہیں تابعیت کا شرف حاصل ہے' ثقاہت' تثبت اور اتقان میں مسلم حیثیت کے مالک تھے۔

علم وکمال:

علم وعمل کے اعتبار سے وہ نہایت بلند مرتبہ تھے' حدیث میں تبحر کے ساتھ تقویٰ' عبادت اور صالحیت میں بھی نمایاں مقام حاصل تھا' علامہ ذہبی ''کان محدثا صالحا'' لکھتے ہیں۔[2] ابن الاحول کا بیان ہے کہ عبداللہ علم کی علامت اور عبادت کی انتہا تھے۔[3]

اساتذہ:

جن حفاظ حدیث سے انہوں نے روایت کی ہے ان میں نافع مولیٰ بن عمر' حمید الطویل' سعید المقبری' زید بن اسلم' سہیل بن ابی صالح' سعید بن سعید الانصاری' قاسم بن غنام کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

---

[1] مرآۃ الجنان ج ا ص ۳۶۷۔ [2] العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۶۰۔ [3] شذرات الذہب ج ا ص ۳۷۹۔

marfat.com

تلامذہ:

خود ان کے حلقہ درس سے مستفید ہونے والوں میں ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کے علاوہ کچھ لائق ذکر نام یہ ہیں:

عبدالرحمٰن بن مہدی، لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب، عبدالرزاق، یعقوب بن الولید المدنی، یونس بن محمد المؤدب، مطرف بن عبداللہ المدنی [1]

مرویات کا پایہ:

ان کی مرویات کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل بہت اختلاف رائے رکھتے، توثیق و تضعیف کرنے والے علماء کا پلہ برابر ہے، ابن حبان کا خیال ہے کہ دراصل عبداللہ عبادت و صلاح سے اس قدر مغلوب تھے کہ حفظ و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس لیے وہ متروک الحدیث قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں، ان کی عدالت و ثقاہت کی شہادت دینے والوں میں ابن معین، یعقوب بن شیبہ، ابن عدی اور احمد بن یونس شامل ہیں، اور جن ائمہ نے ان کی روایات کو نا قابل حجت اور ضعیف قرار دیا ہے ان میں علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید، نسائی اور امام احمد وغیرہ کے نام پیش پیش ہیں، مؤخر الذکر ان کی تضعیف کے باوصف ان کے فضل و کمال اور تقویٰ و صالحیت کے پورے طور پر قائل ہیں۔[2]

صلاح و تقویٰ:

نہایت عبادت گزار اور تقویٰ و صالحیت سے متصف تھے، حتیٰ کہ ان اوصاف کے غلبہ نے علماء کی نظر میں ان کے حفظ و استحضار کو بھی مجروح کر دیا تھا، کیونکہ ان کی کل توجہ احادیث و آثار کی طرف باقی نہ رہی تھی، ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ:

> کان ممن غلب علیه الصلاح والعبادة حتیٰ غفل عن حفظ الاخبار وجودة الحفظ للاٰثار.[3]

''وہ ان علماء میں تھے، جن پر عبادت و صالحیت کا غلبہ تھا، یہاں تک کہ اس وصف نے انہیں احادیث و روایت کے حفظ و ضبط سے غافل کر دیا''۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۲۶، ۳۲۷۔ [2] خلاصہ تذہیب ص ۲۰۷۔ [3] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۹۔

marfat.com

حق گوئی و بے باکی:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ائمہ سلف کا مشترک شعار رہا ہے' یہاں تک کہ سلاطین وقت کی شوکت و جبروت کے سامنے بھی وہ اپنی حق گوئی و بے باکی کے آئین میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ کے اوراق اس قسم کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں' عبداللہ بن عمرو بھی انہیں خاصان خدا میں تھے۔

ایک بار ایام حج میں ہارون الرشید کو سعی (صفا و مروہ کے درمیان) میں روک کر اس کی بدعنوانیوں پر سخت بُرا بھلا کہا' علامہ یافعی نے ان دونوں کے مکالمہ کو نقل کیا ہے جو یہ ہے:

شیخ: اے ہارون!

خلیفہ: جی چچا جان' حاضر ہوں' فرمائیے!

''کیا تم ان حاجیوں کی تعداد شمار کر سکتے ہو'' شیخ نے حجاج کرام کے انبوہ عظیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا:

''بھلا کون شمار کر سکتا ہے'' خلیفہ بولا:

کان کھول کر سن لو! شیخ نے نہایت جرأت سے کہا: ان میں سے ہر ہر شخص تو خود اپنا مسئول ہے' لیکن تم خدا کے نزدیک ان سب کے جواب دہ اور ذمہ دار ہو' پھر زار زار کر ارشاد فرمایا: ''تو پھر اگر وہ عام مسلمانوں کے مال میں فضول خرچی کا مرتکب ہو تو اس کی سزا کس قدر بڑی ہوگی''۔[1]

وفات:

باختلاف روایت ۱۷۱ھ یا ۱۷۳ھ میں بمقام مدینہ طیبہ انتقال فرمایا۔ اس وقت ہارون الرشید اورنگ زیب خلافت پر فائز تھا۔[2]

---

[1] مرأۃ الجنان ج ۱ ص ۳۶۷۔

[2] خلاصہ ص ۲۰۷۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۹ و تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۲۸۔

marfat.com

عبداللہ ابن لہیعہ ؒ

نام و نسب:

نام عبداللہ اور کنیت عبدالرحمٰن تھی[1] اور سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ بن فرعان بن ربیعہ بن ثوبان[2] مختلف حیثیتوں کی بنا پر حضرمی عدولی غافقی اور مصری تمام نسبتوں سے مشہور ہیں۔

بشر بن منذر کا بیان ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ کی کنیت ابوخریطہ تھی' اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی گردن میں ایک چارٹ لٹکائے مصر کی شاہراہوں پر گشت کیا کرتے اور جہاں کوئی شیخ مل جاتا تو اس سے اس کے اساتذہ و شیوخ حدیث کے بارے میں سوال کرتے' اگر کسی مستند شیخ کی روایت اس کے پاس مل جاتی' تو اس کا سماع کر کے فوراً اسی چارٹ میں نوٹ کر لیتے' اسی بنا پر ابوخریطہ ان کی کنیت ہی پڑ گئی[3]

ولادت:

صحیح روایت کے مطابق ۹۶ھ میں ان کی ولادت ہوئی[4]

فضل و کمال:

علمی اعتبار سے وہ ممتاز اتباع تابعین اور حفاظ حدیث میں تھے۔ انہیں بکثرت تابعین کرام کا شرف دیدار حاصل تھا' چنانچہ روح بن فلاح کا بیان ہے:

لقی ابن لهيعة اثنين وسبعين تابعیًا[5]

''عبداللہ بن نے ۷۲ تابعین عظام سے ملاقات کی تھی''۔

---

[1] المعارف لابن قتیبہ ص ۲۲۱۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۳۔ [3] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۷۔

[4] کتاب الانساب ورق ۳۰۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۴۔

marfat.com

بلا شبہ اس شرف و سعادت میں ان کے ہم پلہ شاذ و نادر ہی مثالیں مل سکتی ہیں، حدیث اور فقہ میں درجہ امتیاز رکھتے تھے، علماء نے ان کے گوناگوں فضل و کمال کو سراہا ہے، سفیان ثوری کا ارشاد ہے:

عند ابن الهيعة الاصول و عندنا الفروع۔[1]

''ابن لہیعہ کی اصولوں کے حامل تھے اور ہمارے پاس صرف فروع ہیں''۔

امام احمد کا قول ہے:

ما كان محدث بمصر الا ابن لهيعة۔[2]

''مصر میں ابن لہیعہ کے علاوہ کوئی محدث ہی نہ تھا''۔

قتیبہ کہتے ہیں کہ جب ابن لہیعہ کی وفات ہوگئی تو لیث بن سعد نے برجستہ فرمایا کہ ''علم و فضل میں انہوں نے اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا''۔[3]

شیوخ و تلامذہ:

ذکر آچکا ہے کہ ابن لہیعہ کی وفات ہوگئی تو اپنی بخت آوری کی بنا پر ۷۲ تابعین کرام سے شرف لقاء حاصل تھا، ان میں سے اکثر ائمہ کے علاوہ انہوں نے دوسرے کبار اتباع تابعین سے بھی اپنی تشنگی علم کو فرو کیا تھا، ان کے شیوخ و اساتذہ کی طویل فہرست میں کچھ ممتاز نام یہ ہیں: عطاء بن ابی رباح، محمد بن المنکدر، عطا بن دینار، محمد بن عجلان، اعرج، ابی الزبیر، موسیٰ بن وردان، ابی یونس، مولیٰ ابی ہریرہ، عبدالرحمٰن بن زیاد، عقیل بن خالد۔

اسی طرح خود ابن لہیعہ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، جس میں ان کے پوتے احمد اور بھتیجے لہیعہ بن عیسیٰ بن لہیعہ کے علاوہ سفیان ثوری، شعبہ، اوزاعی، عمرو بن الحارث، لیث بن سعد، عبداللہ بن مبارک، ابن وہب، ولید بن مسلم، اسد بن موسیٰ، اشہب بن عبدالعزیز، یحییٰ بن اسحاق اور قتیبہ بن سعید جیسے دنیائے فضل و کمال کے درخشاں تارے شامل ہیں۔[4]

---

[1] العبر ج ۱ ص ۲۶۴۔ [2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۵۔ [3] ایضاً [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۴

marfat.com

ضبط واتقان:

ثقاہت وعدالت اور حفظ وضبط میں ابن لہیعہ کا پایہ نہایت ہی بلند تھا' امام احمد کا بیان ہے کہ:

لم یکن بمصر مثل ابن لهیعة فی کثرة حدیثه وضبطه واتقانه [1]

''مصر میں کثرت حدیث' ضبط اور اتقان میں ابن لہیعہ عدیم المثال تھے''۔

عبداللہ بن وہب جنہیں ابن لہیعہ سے خصوصی تلمذ کی سعادت حاصل ہے' روایت کرتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

حدثنی والله صادق البار [2]

''مجھ سے بخدا صادق و سچے شخص نے روایت کیا''۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے بیانات ان سے عدالت وصداقت کے شاہد عدل ہیں۔ امام بخاری' امام مسلم' نسائی وغیرہ نے ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔

جرح:

لیکن ابن لہیعہ کی یہ کیفیت آخر عمر تک قائم نہ رہ سکی اور کبر سنی کی بناء پر دوسرے محدثین کی طرح ان کا حافظہ بھی کمزور ہو گیا تھا چنانچہ ابوجعفر طبری بیان کرتے ہیں کہ:

اختلط عقله فی اخر عمره [3]

اسی بنا پر علماء و ناقدین فن نے ابن لہیعہ کے حفظ وضبط اور ثقاہت و اتقان کا اعتراف کرنے کے ساتھ جرح کا حق بھی ادا کیا ہے' ضعف حافظہ کے علاوہ ایک المیہ اور بھی ان کے ساتھ پیش آ گیا' جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق ابن لہیعہ نے مختلف شیوخ کی مسموعہ روایات کو بہت سی کاپیوں میں لکھ کر جمع کر رکھا تھا۔ وفات سے ۴ سال قبل ۱۷۰ھ سوء اتفاق سے ان کے مکان میں آگ لگ گئی اور روایات کا یہ تمام بیش بہا ذخیرہ جل کر خاکستر ہو گیا۔

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۶۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۶۔ [3] ایضاً ص ۳۷۹۔

marfat.com

اسی وجہ سے علمائے فن کا خیال ہے کہ اس حادثہ عظمیٰ کے پیش آنے سے قبل کی ابن لہیعہ کی روایات قابل قبول ہیں' لیکن اس کے بعد کی نہیں' چنانچہ علامہ سمعانی رقمطراز ہیں:

کان اصحابنا یقولون ان سماع من سمعه منه قبل احتراق کتبه مثل العبادله بسماعهم صحیح ومن سمع بعد احتراق کتبه نسماعه لیس بشي.[1]

''ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ چاروں عبداللہ کی طرح جس کسی نے ابن لہیعہ سے ان کی کتابوں کے جلنے سے قبل سماع حاصل کیا وہ صحیح اور درست ہے لیکن اس حادثہ کے بعد سامعین کا سماع غیر مقبول ہے''۔

ابن سعد خامہ ریز ہیں:

کان ضعیفًا ومن سمع فی اول امره احسن حالاً فی روایته ممن سمع بآخره.[2]

''وہ ضعیف تھے اور جس نے شروع میں ان سے سماع کیا اس کی روایت زیادہ صحیح ہے اس کے مقابلہ میں جس نے آخر عمر میں ان سے سماعت کی''۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

احترقت کتبه وهو صحیح الکتاب ومن کتب عنه قدیمًا نسماعه صحیح.[3]

''ان کی کتابیں جل گئیں تھی' وہ ثقہ اور صحیح الکتاب تھے' جس نے ان سے شروع ہی میں سماع کیا وہ درست ہے''۔

لیکن اہل مصر کا خیال ہے کہ ابن لہیعہ کا حافظہ شروع سے آخر تک یکساں قائم رہا۔ آخر عمر میں کوئی اختلاط پیدا نہیں ہوا تھا۔[4]

---

[1] کتاب الانساب ورق ۴۰۶۔ [2] ابن خلکان ج ا ص ۴۴۶ و ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۴۔

[3] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۱۱۔ [4] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۴۔

marfat.com

عہدہ قضا:

فقہ وافتاء میں غیر معمولی مہارت اور دقیقہ رسی حاصل تھی، اس خصوصیت کی بنا پر عہد عباسی میں مسند قضا کی بھی زینت بنے، جب ۱۵۵ھ میں قاضی مصر ابوخزیمہ کی وفات ہوگئی، تو خلیفہ ابوجعفر منصور نے عبداللہ بن لہیعہ کو بصد اکرام و اعزاز مصر کا قاضی مقرر کیا، اس سلسلہ میں انہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے قاضی ہیں جن کا تقرر خود خلیفہ نے کیا، ورنہ اس سے پہلے تمام صوبوں کے والی اپنے اپنے علاقہ میں قضاۃ کا انتخاب وتقرر کرتے تھے،[۱] خلیفہ نے تیس دینار ماہانہ ان کا منصبی مشاہرہ بھی متعین کیا تھا، مصر کے قضاۃ میں سب سے پہلے ان ہی کو یہ وظیفہ ملا۔[۲]

انہوں نے تقریباً نو سال اپنے منصبی فرائض کو نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا اور پھر ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں اس سے سبکدوش ہوگئے۔

وفات:

سنہ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، لیکن اصح یہ ہے کہ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں یوم یک شنبہ ۱۵ ربیع الاول ۱۷۴ھ کو ان کی زندگی کا چراغ گل ہوا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی۔[۳]

---

[۱] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۲۳۵ وحسن المحاضرۃ ج ۲ ص ۸۸۔ [۲] تاریخ ابن خلکان ۷ ص ۲۰۴۔

[۳] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۷ و اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۲۳۶ و ابن خلکان ج ۱ ص ۲۴۷ وطبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۴۔

marfat.com

عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام عفان، کنیت ابوعثمان الصفار اور باپ کا اسم گرامی مسلم تھا[1] عزرہ بن ثابت الانصاری کے غلام تھے، اسی باعث انصاری کہے جاتے ہیں، بصری وطن کی نسبت ہے، اصفار کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوسکی، اغلباً یہ لقب ہوگا۔

ولادت:

ان کے سال ولادت کے بارے میں کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا، البتہ ابن سعد کی ایک روایت کی بنیاد پر محققین نے قیاس آرائی کی ہے کہ وہ ۱۳۴ھ میں پیدا ہوئے، چنانچہ محمد بن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ:

"میں نے ۲۱۰ھ میں عفان بن مسلم کو یہ کہتے سنا کہ اس وقت میری عمر ۷۶ برس ہے"۔

چونکہ ابن سعد کو عفان سے تلمذ کی سعادت نصیب تھی، اس لیے ان کا بیان قرین صحت ہوسکتا ہے[2] وہ اصلاً بصرہ کے رہنے والے تھے، اور وہی ان کا مولد ومنشا بھی ہے، لیکن بعد میں ترک وطن کرکے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

فضل وکمال:

امام عفان علمی حیثیت سے ائمہ اسلام اور علمائے اعلام میں شمار کیے جاتے ہیں، وہ حدیث کے اہم ستون تھے، بغداد میں ان کی ذات علم کا مرکز تھی، جہاں سے اقصائے علم کے

---

1. خلاصہ تذہیب ص ۲۶۸۔

2. تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۱۹ وابن سعد ج ۷ ص ۵۱۔

marfat.com

وارفتگان شوق نے اپنی دنیائے علم آراستہ کی۔

علاوہ ازیں حق گوئی، راست باری، اتباع سنت اور تثبت واتقان میں ان کی مثال کم ملتی ہے، اہل تذکرہ نے بہت نمایاں طور پر ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔ ابن عماد الحنبلی رقمطراز ہیں:

احد ارکان الحدیث نزل بغداد ونشربها علم[1]

''وہ حدیث کے ایک اہم رکن تھے بغداد آکر علم کی اشاعت کی''۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

محدث بغداد الحافظ الثبت هو من المشائخ الاسلام والائمة الاعلام[2]

''وہ محدث بغداد اور حافظ ثبت تھے اسی طرح ان کا شمار اسلام کے بلند شیوخ اور ائمہ میں ہوتا ہے''۔

شیوخ وتلامذہ:

انہوں نے جن کبار شیوخ سے حدیث کی تحصیل وروایت کی ان میں شعبہ، حماد بن سلمہ، سلیمان بن مغیرہ، ہمام بن یحیٰ، حماد بن زید، وہیب بن خالد، ابوعوانہ، عبداللہ بن بکر، عبدالوارث بن سعید اور سلیم بن حیان کے نام لائق ذکر ہیں۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، ابوخیثمہ، خلف بن سالم، محمد بن سعد کاتب الواقدی، قتیبہ بن سعید، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابراہیم بن اسحاق، ابوزرعہ، ابوحاتم الرازی، بندار، اسحاق بن راہویہ، محمد بن یحیٰ الذہلی اور قتیبہ بن سعید وغیرہ بکثرت نامور ائمہ ان سے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں۔[3]

---

1. شذرات الذہب ص ۲۷۲۔
2. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۸، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۰۲۔
3. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۰، ۲۳۱۔

marfat.com

جرح وتعدیل:

تقریباً تمام علمائے فن نے امام عفان کی ثقاہت، تثبت اور اتقان پر مہر تسلیم ثبت کی ہے، یحییٰ بن سعید القطان اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر عفان کی روایت میرے موافق ہو تو پھر مجھے کسی اور کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں، [1] امام احمد کا ارشاد ہے:

مارأيت احدًا احسن حديثا منه عن شعبة.[2]

''میں نے حضرت شعبہ سے روایت کرنے والا کسی کو امام عفان سے بہتر نہیں دیکھا''۔

حافظ ابن معین تو ان کے مرتبہ تثبت کی بلندی کے اس قدر معترف تھے کہ وہ جرح وتعدیل کے مشہور آفاق امام عبدالرحمٰن بن مہدی پر بھی عفان کو ترجیح دیتے تھے۔ یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ:

كان عفان ثقة تثبتًا متقنًا صحيح الكتاب قليل الخطاء والسقط.

''امام عفان ثقہ، ثبت اور متقن تھے ان کی کتاب صحیح تھی جس میں غلطی وغیرہ کم تھی''۔

ابن خراش فرماتے ہیں:

عفان بن مسلم بصرى ثقة من خيار المسلمين.[3]

''امام عفان بصرہ کے رہنے والے ثقہ اور بہترین لوگوں میں تھے''۔

اس کے ساتھ بعض علماء نے ان پر نقد وجرح کا حق بھی ادا کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ وفات سے ایک سال قبل یعنی ۲۱۹ھ میں وہ سوء حافظہ کا شکار ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے تخلیط روایات کے مرتکب ہو جاتے، ابوخیثمہ کہتے ہیں کہ ہم نے عفان کے انتقال سے چند ماہ قبل ان کی روایات قبول کرنا ناپسند کر دیا تھا، اس کے علاوہ سلیمان بن حرب نے انہیں ''ردی الحفظ'' اور ''بطی الفہم'' قرار دیا ہے۔

اس تمام جرح کا شافی جواب حافظ ذہبی نے میزان میں دیا ہے، چنانچہ تخلیط کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۸۔ [2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۲۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۷۶

marfat.com

هذا التغير من تغير مرض الموت وماضره لانه ما يحدث فيه بخطا[1]

''یہ تغیر (سوء حافظہ) مرض موت میں پیدا ہوا لیکن اس سے ان کی ثقاہت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا' کیونکہ اس زمانہ میں بھی انہوں نے کوئی غلط حدیث روایت نہیں کی''۔

سلیمان بن حرب کے اعتراض کے بارے میں ذہبی کی رائے ہے:

عفان اجل واحفظ من سليمان وهو نظيره وكلام النظواء والقران ينبغي ان يتامل و يتافي فيه[2]

''عفان سلیمان سے زیادہ جلیل المرتبت حافظ تھے' پھر وہ ان کے معاصر تھے' اور معاصرین کی رائے محل غور اور لائق نظر ہوتی ہے''۔

اتباع سنت:

حدیث نبی سے غیر معمولی شغف ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ سنت کی اتباع نہایت شدت کے ساتھ کرتے تھے' جو بات بھی شریعت نبوی کے شفاف دامن پر داغ محسوس ہوتی' ہمیشہ اس سے محترز رہتے' خواہ اس راہ میں کتنے شدائد سے دوچار ہونا پڑے' غالباً اسی تمسک بالسنہ کے باعث عجلی انہیں ''صاحب السنة'' کہتے ہیں[3]

راست گوئی اور استغنا:

امام عفان کی زندگی کا ایک درخشاں باب حق گوئی اور اس کے ساتھ شان بے نیازی بھی تھی' حق کے معاملہ میں کبھی نہ تو ارباب سطوت کے سامنے سرخم کیا اور نہ مال وزر کی حرص کے پائے استقامت کو متزلزل کرسکی۔ بروایت صحیح منقول ہے کہ ایک بار ان کو دس ہزار دینار اس غرض کے لیے دیئے جارہے تھے' کہ فلاں شخص کی تعدیل کے بارے میں سکوت اختیار کرلیں' نہ اسے عدول کہیں اور نہ غیر عدول' لیکن امام عفان نے اس پیشکش کو رد کردیا اور فرمایا کہ:

---

[1] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۳۔ [2] ایضاً ص ۲۰۲۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۱۔

marfat.com

لا ابطل حقا من الحقوق[1]

''میں کسی شخص کا حق ختم نہیں کرسکتا''۔

اسی طرح حضرت فلاس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے امام عفان کو دو ہزار دینار دے کر کہا کہ آپ فلاں آدمی کی عدالت پر مہر تصدیق ثبت فرما دیجیے۔

امام موصوف نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں ایک غلط کو ہرگز صحیح نہیں کہہ سکتا[2]

آزمائش:

گزشتہ صفحات میں امام عبدالاعلیٰ بن مسہر کے تذکرہ میں عہد مامونی کے مشہور عالم فتنہ قرآن کی کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے' اس پرآشوب دور میں جن محدثین وفقہاء کو شدید ترین آزمائش سے گزرنا پڑا' ان میں میں عفان بن مسلم کا اسم گرامی بھی نمایاں ہے' یوں تو تمام ہی تذکروں میں ابتلا کی طرف اشارہ ملتا ہے' لیکن مؤرخ خطیب بغدادی نے اس کی تفصیل خود امام عفان کی زبانی نقل کی ہے۔ جس کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا' اس لیے ہم ذیل میں اسی کو درج کرتے ہیں:

خود فرماتے ہیں: ''خلیفہ مامون الرشید نے رقہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام یہ فرمان بھیجا کہ تمام مقامی فقہاء ومحدثین کو یکجا کر کے ان سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اقرار لو' چنانچہ اس کے بموجب اسحاق نے دوسرے علماء کے ساتھ مجھ کو بھی طلب کیا' جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے پہلے مامون کا وہ خط پڑھ کر سنایا' جس میں میرے متعلق یہ تحریر تھا:

امتحن عفان وادعه الى ان يقول القران كذا و كذا فان قال ذالك

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۴۸ و تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۷۰۔

[2] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۲۔

marfat.com

فاقرہ علیٰ امرہ وان لم یجبک الی ما کتبت بہ الیک فاقطع عنہ الذی یجری علیہ[1]

''امام عفان کی آزمائش کرو اور ان کو عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کرنے کی دعوت دو اگر وہ اس کے قائل ہو جاتے ہیں تو فبہا' لیکن اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو پھر ان کا وظیفہ بند کرو''۔

خط ختم کرنے کے بعد اسحاق نے مجھ سے کہا کہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے اس کے جواب میں پوری سورۂ اخلاص پڑھی اور کہا کیا یہ مخلوق ہے؟ اسحاق نے بڑے غصے سے کہا جناب امیر المومنین کا حکم ہے کہ اگر آپ قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہیں کرتے تو آپ کو ملنے والا پانچ سو درہم ماہانہ وظیفہ بند کر دیا جائے گا''۔

بلاشبہ مقصد برآری کے لیے یہ ایک کارگر تدبیر تھی کہ اقتصادی و معاشی ناکہ بندی کر دی' لیکن عفان نے نہایت ثبات قدمی اور صبر و استقلال کے ساتھ جو جواب دیا وہ یقیناً ایک زندہ رہنے والی چیز ہے' فرمایا:

یقول اللہ عزوجل وفی السماء رزقکم وما توعدون.

''یعنی رزق رسانی کا وعدہ تو خود خداوند قدوس نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ ایک در بند ہو کر دوسرے دروازے رزق کے کھل جاتے ہیں' چنانچہ یہ جواب سن کر اسحاق بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا اور عفان گھر واپس آ گئے''۔[2]

نصرت ایزدی:

ابراہیم بن الحسین کہتے ہیں کہ جب عفان اسحاق کی طلب پر اس سے ملنے گئے تو میں ان کی خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ امام عفان کے انکار پر ان کی سرکاری امداد منقطع کر دی گئی' چنانچہ جب وہ مکان واپس تو گھر والوں نے سارا ماجرا سن کر ان کو سخت لعنت

---

1. تاریخ بغداد ج ۱۲ص ۲۷۱۔
2. بغدادی ہی کی ایک دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عفان کو ایک ہزار درہم ماہوار سرکاری خزانہ وظیفہ ملتا تھا۔

marfat.com

ملامت کی' راوی کا بیان ہے کہ اس وقت عفان کا گھرانہ چالیس نفوس پر مشتمل تھا' اسی اثنا میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا' دیکھا گیا تو مچھلی کی شباہت کا ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں ایک ہزار درہم کی تھیلی تھی' اس نے امام عفان کو وہ تھیلی دیتے ہوئے کہا:

ثبتک اللہ کما ثبت الدین وھذا فی کل شھر[1]

''جس طرح تم نے دین کو مستحکم کیا خدا تمہیں بھی استقامت دے اور ہر ماہ تم کو اسی طرح ایک ہزار کی تھیلی ملتی رہے گی''۔

وفات:

بروایت صحیح ربیع الاول ۲۲۰ھ میں بمقام بغداد انتقال فرمایا' عاصم بن علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔[2] ابو داؤد کا بیان ہے کہ میں بغداد میں امام عفان کے جنازہ میں شریک تھا۔[3]

---

1. میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۰۲۔
2. طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۵۱۔
3. تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۷۷۔

marfat.com

عبداللہ بن شوذب ؒ

نام ونسب:

نام عبداللہ' کنیت ابوعبدالرحمن اور باپ کا نام شوذب تھا' بلخی وطن کی طرف نسبت ہے[1]

ولادت اور وطن:

ابن شوذب خود اپنے ہی قول کے مطابق ۸۶ھ میں پیدا ہوئے' ان کا اصلی وطن خراسان کا مشہور شہر بلخ تھا' جس کی طرف انتساب کا شرف قتیبہ بن سعید' ہشام بن عماد' محمد بن علی بن طرخان' اور زیاد بن ایوب وغیرہ بکثرت علماء وفضلاء کو حاصل ہے[2] ابن شوذب ابتدائے عمر میں اپنے وطن سے منتقل ہو کر وہیں اقامت گزریں ہو گئے تھے' پھر وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد شام چلے گئے' اور تاحیات وہیں رہے[3]

فضل وکمال:

ابن شوذب علم وفضل کے اعتبار سے ثقہ ائمہ اور بلند مرتبہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے ہیں' انہوں نے بلخ کے علاوہ بصرہ اور شام کے شیوخ حدیث اور فقہاء سے اکتساب فیض کیا تھا[4] حافظ ذہبی انہیں امام صدوق' اور '' کان کثیر العلم جلیل القدر'' لکھتے ہیں[5] علم کے علاوہ صدوق دیانت' زہد وتقویٰ اور عبادت وخشیت میں ارفع تھے' کثیر بن ولید کا قول ہے:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۵۔ [2] معجم البلدان ۲ ص ۲۶۳۔

[3] تقریب التہذیب ص ۱۰۴۔ [4] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۶۔

[5] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۲۵۔

marfat.com

کنت اذا رأیت ابن شوذب ذکرت الملائکۃ۔[1]

''میں جب بھی ابن شوذب کو دیکھتا فرشتوں کی یاد تازہ ہو جاتی''۔

حدیث وفقہ:

انہیں اپنی بخت آوری سے منتخب روزگار تابعین کی صحبت میسر آئی تھی، جن کے دامان فیض سے انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا، اسی بنا پر حدیث وفقہ دونوں پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی، لائق ذکر اساتذہ کی فہرست میں چند نام یہ ہیں، ثابت البنانی، حسن البصری، محمد بن سیرین، سعید بن ابی عروبہ، عبداللہ ابن القاسم اور عامر بن عبدالواحد الاحول اورخودان کے کثیر تلامذہ میں ابو اسحاق الفزاری، عبداللہ بن المبارک، عیسیٰ بن یونس اورمحمد بن کثیر المصیصی وغیرہ مشہور ہیں۔[2]

ثقاہت:

ان کی ثقاہت پرعلماء کا اتفاق ہےسفیان ثوری کہتے ہیں: کان ابن شوذب من ثقات مشائخنا[3] علامہ ذہبی صدوق امام من طبقۃ الاوزاعی اورحافظ ابن حجر صدوق عابد لکھتے ہیں[4] یحیٰی بن معین، ابن عمار اور امام احمد نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔[5] ائمہ صحاح نے بھی توثیق کرتے ہوئے ان کی روایتیں نقل کی ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

وفات:

بروایت صحیح ۱۵۶ھ میں رحلت فرمائی[6] اور وفات کے وقت ۷۰ سال کی تھی۔[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵۵۔ [3] ایضاً۔

[4] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۶ وتقریب التہذیب ص ۱۰۴۔ [5] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۰۱۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۵۶۔ [7] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۲۵۔

marfat.com

عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابومحمد کنیت اور والد کا اسم گرامی نافع' مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے' بنومخزوم سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مخزومی مشہور ہوئے' ممتاز ائمہ میں ان کی ہم نام ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کے باپ کا نام بھی نافع تھا' اس لیے کہ اکثر اوقات علماء کو ثقاہت و عدالت اور علم وفضل کی تعیین میں خلط مبحث ہوگیا ہے' اس لیے امام عبداللہ بن نافع ''الصائغ'' کے لفظ سے ممتاز کیا گیا' مؤرخ ابن اثیر کی رائے کے مطابق الصائغ یا الصائغی کی نسبتیں رکھنے والے تمام ائمہ ''صیاغہ'' کی طرف منسوب ہیں [1]

علم وفضل:

علمی کمالات کے اعتبار سے وہ کبار اتباع تابعین کے زمرے میں شامل ہیں' امام مالکؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے' زمانہ دراز تک امام صاحبؒ کے دامن فیض سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ان کے فقہی افکار وخیالات کا مخزن بن گئے تھے' علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان قد لزم مالک لزوما شدیدا و کان لا یقدم علیه احد [2]

''انہوں نے امام مالک کا ساتھ شدت کے ساتھ پکڑا' حتیٰ کہ وہ ان پر کسی کو فوقیت نہیں دیتے تھے''۔

احمد بن صالح کا بیان ہے:

---

[1] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ ص ۳۸۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۲۴۔

marfat.com

كان اعلم الناس برای مالک[1]

''وہ امام مالکؒ کے خیالات کو لوگوں میں سب سے زیادہ جانتے تھے''۔

ابوداؤد فرماتے ہیں:

كان عبدالله عالما بمالک و كان صاحب فقه[2]

''عبداللہ بن نافع امام مالک کے مسلک کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے''۔

فقہ:

امام ابن نافع کو فقہ اور بالخصوص فقہ مالکی میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اور اسی کمال تفقہ کے باعث وہ مدینہ میں افتاء کے مرجع تھے۔[3]

یحییٰ بن معین بیان کرتے ہیں کہ ابن نافع کے پاس امام مالکؒ کے چالیس ہزار مسائل تھے۔[4]

حدیث:

ان کی فقیہانہ حیثیت کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے سامنے حدیث میں ان کا تفوق کا چراغ زیادہ روشن نہ ہوسکا' یہاں تک کہ بعض علماء سرے سے انہیں محدث ہی تسلیم نہیں کرتے۔[5] لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس فن پر بھی انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔

ان کی مرویات کے پایہ اسناد پر علماء متفق نہ ہوسکے' چنانچہ امام احمد بن حنبل' امام بخاری اور ابوحاتم وغیرہ نے انہیں ضعیف الحافظہ قرار دیا ہے۔[6] لیکن اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت نے جس میں ابن معین' امام نسائی اور ابوزرعہ وغیرہ شامل ہیں' انہیں ثقہ اور عدول بتایا ہے۔[7] ان کی عدالت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امام مسلم کے علاوہ ائمہ اربعہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔[8] ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۵۲۔ [3] شذرات الذہب ج ۲ ص ۵۲۔ [4] تہذیب ج ۶ ص ۵۲۔ [5] العبر ج ۱ ص ۳۴۹۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۵۱۔ [7] میزان الاعتدال ج ۲ ص ۸۲۔ [8] خلاصہ تذہیب ص ۲۱۶۔

marfat.com

کان صحیح الکتاب واذا حدث کان حفظه بما اخطا[1]

''وہ صحیح الکتاب تھے اپنے حافظہ سے روایت کرتے تو اکثر غلطی کر جاتے تھے''۔

امام بخاریؒ نے بایں ہمہ تبحر وجلالت علم ان سے دو تین حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے فضل وکمال کو سراہا ہے۔

شیوخ وتلامذہ:

جن حفاظ سے انہوں نے سماع حاصل کیا ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

لیث بن سعد' عبداللہ بن نافع بن مولیٰ ابن عمر' سلیمان بن یزید الکعبی' داؤد بن قیس الفرا' اسامہ بن زید اللیثی' محمد بن عبداللہ ابن ابی ذئب' ہشام بن سعد۔

خود ان سے روایت کرنے والوں میں قتیبہ' سلمہ بن شبیب' حسن بن علی الجلال' احمد بن صالح مصری' ابو الطاہر بن السرح' زبیر بن بکار' ابراہیم بن المنذر' احمد بن حسن الترمذی' محمد بن یحییٰ الذہلی' یونس بن عبدالاعلیٰ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں[2]

وفات:

ماہ رمضان ۲۰۶ھ میں بمقام مدینہ وفات پائی[3]

---

۱ تہذیب ج ۹ ص ۷۱۔

۲ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۷۱ ، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۲۔

۳ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۲۲۔

marfat.com

علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام علی' کنیت ابو الحسن اور والد کا اسم گرامی مسہر تھا' ولاء قرشی اور وطناً کوفی کہلاتے ہیں[1]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ اجلۂ تبع تابعین میں تھے' جامعیت وتبحر میں انہیں تمغہ امتیاز حاصل تھا' چنانچہ حافظ ذہبی نے ''الامام الحافظ'' لکھ کر اس کا اعتراف کیا ہے[2]

حدیث:

حدیث نبوی ﷺ میں ان کو معرفت اور عمق مسلم تھا' جن شیوخ حدیث سے انہوں نے سماع کا شرف حاصل کیا تھا' ان میں ہشام بن عروہ' سلیمان الاعمش' یحیٰی بن سعید الانصاری' اسماعیل بن ابی خالد' عاصم الاحول' زکریا بن ابی زائدہ' سعید بن ابی عروبہ' عبداللہ بن عطاء اور ابو مالک الاشجعی کے نام لائق ذکر ہیں۔ اور ابو بکر بن ابی شیبہ' زکریا بن عدی' بشر بن آدم' خالد بن مخلد' علی بن حجر' ہناد بن السری اور عثمان بن ابی شیبہ' ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہیں[3]

فقہ:

فقہ سے بھی انہیں بہرۂ وافر نصیب تھا' احمد العجلی بیان کرتے ہیں کہ علی بن مسہر حدیث وفقہ دونوں کے جامع تھے[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۵۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۸۳۔ [4] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۵ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۳۔

marfat.com

ثقاہت:

ان کی عدالت وثقاہت ناقدین فن کے نزدیک متفق علیہ ہے چنانچہ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ "اتفقوا علی توثیقہ"[1] امام احمد کا بیان ہے کہ وہ صالح الحدیث اور ابومعاویہ الفریز سے زیادہ ثقہ وثبت تھے[2] عثمان الدارمی کہتے ہیں کہ "میں نے شہرہ آفاق محدث اور ماہر رجال یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ علی بن مسہر کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ابوخالد الاحمر کو؟

فرمایا "علی بن مسہر کو" میں نے پھر پوچھا "یہ بتلایئے کہ علی بن مسہر اور اسحاق بن ارزق میں سے کس کو محبوب رکھتے ہیں"؟

فرمایا "وہ دونوں ثقہ ہیں"[3]

مزید برآں امام بخاری اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیحین میں ان کی روایات کی تخریج کی ہے[4]

قضاءت:

اپنی غیر معمولی مہارت فقہی کے باعث موصل (عراق) کے منصب قضاء پر بھی فائز رہے[5] لیکن افسوس ہے کہ یہاں وہ ایک نہایت المناک واقعہ سے دوچار ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ اپنے عہدۂ قضا کے دوران ابن مسہر آشوب چشم میں مبتلا ہوئے اور علاج کی غرض سے ایک ماہر چشم طبیب کے پاس گئے ابن مسہر سے قبل جو شخص اس مقام کا قاضی رہ چکا تھا اس نے ازراہ حسد وکینہ پروری اس معالج کو مال وزر کی حرص دلا کر کہا کہ ابن مسہر کی بینائی زائل کردو۔

چنانچہ وہ طبیب طمع میں آ کر ایسا ہی کر گزرا اور پھر ابن مسہر نابینا ہو کر بعد

---

1. تہذیب الاسماء واللغات ج اص ۳۵۱۔ 2. العبر ج اص ۳۰۳۔
3. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۸۳۔ 4. تہذیب الاسماء واللغات ج اص ۳۵۱۔
5. تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۶۵۔

marfat.com

حسرت و یاس اپنے وطن مالوف کوفہ واپس آ گئے[1]

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ابن مسہر آرمینیہ کے قاضی تھے' اور نابینائی کا واقعہ وہیں پیش آیا' لیکن دوسرے تذکروں میں صرف موصل ہی کا ذکر ملتا ہے' ممکن ہے دونوں ہی جگہ یکے بعد دیگرے منصب قضا کو عزت دی ہو۔

قوت حافظہ:

ابن مسہر کی قوت حافظہ کا اندازہ صرف اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ بصارت زائل ہونے کے بعد بھی ان کا چشمہ فیض جاری رہا۔ اور وہ محض اپنے حافظہ کی بنیاد پر احادیث روایت فرمایا کرتے تھے۔ امام احمد کا قول ہے:

کان قد ذهب بصره فكان يحدثهم من حفظه[2]

''ان کی بینائی زائل ہوگئی تھی' تو اپنے حافظہ سے حدیث روایت کرتے تھے''۔

وفات:

۱۸۹ھ میں ان کا انتقال ہوا[3] علماء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ ان کی تدفین کے ساتھ فقہ میں تبحر و مہارت فن کا ایک دور ختم ہوگیا[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۶۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ص ۳۸۳۔
[3] العبر فی خبر من غبر ج اص ۳۰۳۔ [4] تہذیب ج ۷ص ۳۸۳۔

marfat.com

عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام عمر اور ابوداؤد کنیت تھی' معلوم نسب نامہ یہ ہے' عمر بن سعد ابن عبید' اصل نام کی بجائے کنیت ہی سے مشہور ہوئے' حفری اور کوفی دونوں وطنی نسبتیں ہیں' حفر کوفہ کا ایک محلہ ہے' وہیں ان کی فرودگاہ تھی [1]

علم وفضل:

علمی حیثیت سے باکمال ہونے کے ساتھ عبادت' انابت الی اللہ اور فقر واستغناء میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے' اپنے عہد کے اکابر تابعین کی صحبت سے مشرف اور ان کے خزانہ علم سے مستفید ہوئے تھے' عجلی کے بیان کے مطابق تین ہزار ایسی حدیثیں ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں جن کی حجیت اور استناد پر ماہرین فن کا اتفاق ہے [2] دنیائے دل کی آبادی کا عالم یہ تھا کہ جس مقام پر وہ ہوتے وہاں کے لوگ اس جگہ کو ہر آفت اور بلا سے مامون تصور کرتے' حافظ وکیع جیسے جلیل القدر امام فرماتے ہیں:

ان کان یدفع البلاء باحد فی زماننا فبابی داؤد الحفری۔ [3]

''اگر ہمارے زمانے میں کسی کے ذریعہ بلائیں دور کی جاتی ہیں تو وہ ابو داؤد الحفری ہیں''۔

ابونعیم جب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو غایت تعظیم واحترام سے خاموش بیٹھے رہتے اور فرماتے:

---

1. کتاب الانساب ورق ۱۷۱۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۵۳۔
3. العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۰۔

marfat.com

لم یکن بالکوفۃ بعد حسین الجعفی افضل منہ[1]

''امام حسین الجعفی کے بعد کوفہ میں ان سے بڑا فاضل کوئی نہ تھا''۔

شیوخ:

جن محدثین و علماء سے انہوں نے کسب ضیا کیا ان میں چند درج ذیل کبار تابعین اور ممتاز اتباع تابعین کے نام ملتے ہیں' مسعر بن کدام' مالک بن مغول' سفیان ثوری' صالح بن حسان' حفص بن غیاث' یحییٰ بن ابی زائدہ' شریک نخعی' ہشام بن سعد۔

تلامذہ:

اسی طرح خودان کے خرمن کے خوشہ چینیوں میں امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' ابوبکر بن ابی شیبہ' علی بن المدینی' قاسم بن زکریا' محمود بن غیلان' موسیٰ بن عبدالرحمٰن المسروق' علی بن حرب اور عبد بن حمید کے اسمائے گرامی شامل ہیں[2]

ثقاہت:

علمائے فن نے ان کی مرویات کو اتفاق رائے سے قابل حجت قرار دیا ہے۔ ابن وضاح فرماتے ہیں:

کان ابو داؤد ثقۃ زاھدًا من اھل الکوفۃ.

''امام ابوداؤد الحضرمی کوفہ کے ثقہ اور زاہد شخص تھے''۔

محمد بن مسعود کا بیان ہے:

ھو احب الی من حسین الجعفی و کلاھما ثقۃ.[3]

''وہ میرے نزدیک امام حسین الجعفی سے بھی زیادہ پسندیدہ شخص تھے اور ثقہ تو دونوں ہی ہیں''۔

علاوہ ازیں ابوحاتم' آجری' عجلی اور ابن معین بھی ان کی عدالت وصداقت کے معترف ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ص ۴۵۳۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۲۸۳ و تہذیب التہذیب ج ۷ص ۴۵۲۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۷ص ۴۵۳۔

marfat.com

عبادت:

علی بن المدینی بیان کرتے ہیں کہ کثرت عبادت وریاضت میں کم ازکم کوفہ میں ان کی مثال نہیں مل سکتی۔ ''ما رأیت بالکوفة اعبد منه''[1]

ابن حبان کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

کان من عباد الخشف[2]

''وہ بے انتہا عبادت گزار تھے''۔

فقرودرویشی:

بایں ہمہ تبحر علم وفن ان کی زندگی قرون اولی کی سادگی' تواضع اور درویشی وقلندری کا مثالی نمونہ تھی' علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں۔

کان زاھدًا ناسکا له فضل و تواضع.[3]

''وہ زاہد' پرہیزگار' متواضع اور صاحب فضل تھے''۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ''میں نے ابوداؤد کو اس عالم میں دیکھا کہ:

رأیت ابا داؤد الحفری وعلیه جبة مخرقة وقدخرج القطن منها یصلی بین المغرب والعشاء وھو یترجح من الجوع.[4]

''وہ پھٹا پرانا جبہ پہنے ہوئے تھے جس کی روئی باہر نکل پڑی رہی تھی' وہ مغرب و عشا کے درمیانی وقفہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور بھوک سے نڈھال تھے''۔

حسن بن علی الصدائی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابوداؤد الحفری کی فرودگاہ پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا' انہوں نے اندر ہی سے دریافت کیا ''کون ہے''؟ میں نے عرض کیا ''ایک حدیث کا طالب علم حاضر ہے''۔ فرمایا ''اچھا ذرا ٹھہرو''! راوی کا بیان ہے کہ اسی اثنا میں' میں نے دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا' کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ ایک

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۶۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۵۳۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۸۱۔ [4] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۰۸۔

marfat.com

تہبند باندھے اون کات رہے ہیں، جس کو بیچ کر وہ روزی فراہم کرتے تھے، چنانچہ میری آواز پر اون سمیٹ کر اکٹھا کیا اور اس پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ پھر مجھے اندر بلایا اور حدیثیں املاء کرانا شروع کی، یہاں تک کہ کاغذ ختم ہوگیا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے علاوہ خالصۃً لوجہ اللہ روایت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

ابن عبدربہ فرماتے ہیں کہ میں نے عباس الدوری کو اکثر یہ کہتے سنا کہ:

حدثنا ابو داؤد الحفری ولو رأیت اباداؤد الحفری لرأیت رجلا کانہ اطلع علی النار فرای مافیہا[1]

''ہم سے ابو داؤد حفری نے حدیثیں روایت کی ہیں، اور تم اگر ان کو دیکھتے تو ایسا شخص پاتے جس نے گویا آگ کے اندر جھانک کر اس حقیقت کو دیکھ لیا ہو''۔

یعنی خوف آخرت اور خشیت الٰہی سے ہمہ وقت لرزاں رہتے تھے، اسی فقر و استغنا اور دنیا سے کنارہ کشی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے وقت ان کے گھر میں کوئی بھی سامان نہ تھا، چنانچہ ابو حمدون جو شیخ کے جنازہ میں شریک تھے، کہتے ہیں کہ:

لما دفناہ ترکنا بابہ مفتوحًا ما خلف شیئًا[2]

''جب ہم نے ان کو دفن کر دیا تو ان کے گھر کے دروازہ کو کھلا چھوڑ دیا، کیونکہ انہوں نے اپنے پیچھے کچھ چھوڑا ہی نہ تھا''۔

وفات:

جمادی الاول ۲۰۳ھ میں بایام خلافت مامون کوفہ میں رحلت فرمائی۔[3] بعض علماء نے ان کا سال وفات ۲۰۶ھ بتایا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

---

[1] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۰۹۔

[2] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۰۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۸۱۔

marfat.com

عیسیٰ بن یونس الھمدانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عیسیٰ نام اور ابو عمر کنیت تھی[1] پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عیسیٰ بن یونس ابن ابی اسحاق عمرو بن عبداللہ بن احمد بن ذی یحمد بن السبیع بن سبع بن صعب بن معاویہ ابن کثیر بن جشم بن حاشد بن چشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان[2] خاندانی نسبت سے ہمدانی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر کوفی کہلاتے ہیں۔

وطن:

ان کا اصلی وطن کوفہ تھا' اور غالباً وہیں پیدا بھی ہوئے' کچھ دنوں بغداد میں بھی مجلس درس وافادہ گرم کی' لیکن پھر شام کے سرحد علاقہ حدث[3] میں مستقل طور پر مرابط[4] کی حیثیت سے اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ سمعانی کا بیان ہے:

کان عیسیٰ قد انتقل عن الکوفۃ الی بعض ثغور الشام فسکنھا۔[5]

عیسیٰ بن یونس کوفہ سے شام کے ایک سرحدی علاقہ میں منتقل ہو کر سکونت پذیر ہو گئے تھے''۔

عیسیٰ بن یونس السبیعی من اھل الکوفۃ تحول الی الثغر منزل بالحدث ومات بھا فی خلافۃ ھارون۔[6]

''عیسیٰ بن یونس کوفہ کے رہنے والے تھے' پھر سرحدی علاقہ حدث میں منتقل ہو کر مقیم ہو گئے اور وہیں ہارون الرشید کے زمانہ اختلاف میں وفات پائی''۔

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۱۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۲۔ [3] مقام حدث کی تعیین کرتے ہوئے صاحب تقویم رقمطراز ہیں''ھو مدینۃ صغیرۃ عامرۃ فیھا میاہ وزرع کثیر واشجار کثیرۃ وھو ثغر'' (ص ۲۶۳)۔ [4] یعنی سرحدی محافظ۔ [5] کتاب الانساب' ورق ۲۹۰۔

[6] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۷۸۔

marfat.com

خاندان:

عیسیٰ بن یونس اس خانوادہ فضل و کمال سے تعلق رکھتے تھے' جس کا ہر فرد آسمان علم و فن کا اختر تاباں تھا' بلاشبہ جماعت تابعین میں ابواسحاق سبیعی اس حیثیت سے بہت ہی ممتاز ہیں کہ ان کے خاندان میں ائمہ و علما کی پوری ایک جماعت تیار ہو کر نکلی' جن میں سے کسی نے قرآن و حدیث میں نام روشن کیا' تو کوئی فقہ و فتاویٰ کی مسند ریاست پر فائز ہوا' عبادت و ریاضت' تواضع و انکسار' بے نفسی و فروتنی ان سب میں قدر مشترک تھی' ابواسحاق سبیعی کے علاوہ اس خانوادہ عالیہ میں جو علماء نامور ہوئے' ان میں یونس بن ابی اسحاق' اسرائیل بن یونس' عیسیٰ بن یونس' یوسف بن یونس' اسحاق بن ابی اسحاق السبیعی اور یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق' قابل ذکر شامل ہیں۔

فضل و کمال:

علمی اعتبار سے وہ بلند پایہ اتباع تابعین میں تھے' جامعیت اور تبحر علمی میں ان کی نظیر شاید و باید ہی ملتی ہے' ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ امام اوزاعی سے میری روایات کے بارے میں سوائے عیسیٰ بن یونس کے مجھے کسی کی بھی مخالفت کی پرواہ نہیں کیونکہ میں نے موصوف کو امام اوزاعی سے پوری محنت اور توجہ سے کے ساتھ کسب فیض کرتے دیکھا ہے اور بلاشبہ وہ تمام باقی علمائے عرب سے افضل ہیں۔ امام وکیع کا قول ہے:

ذلک رجل قد قھر العلم[1]

''یہ شخص علم پر غالب ہے''۔

حدیث:

حدیث میں انہوں نے کبار محدثین اور ارباب فن سے مہارت حاصل کی تھی اور پھر خود بھی اساتذہ عصر میں شمار ہوئے' اپنے جدامجد ابواسحاق سبیعی کے دیدار سے دیدشوق کو روشن کیا تھا' لیکن ان سے سماع کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ دوسرے تابعین کرام کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵۔

marfat.com

سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا' ان کے خصوصی اساتذہ حدیث میں سلیمان الاعمش کو نمایاں حیثیت حاصل ہے' خود عیسیٰ بن یونس ہی سے مروی ہے کہ:

اربعین حدیثًا بها الاعمش فيها ضرب الرقاب لم يشركني فيها احد غير محمد بن اسحاق۔[1]

''مجھ سے اعمش نے چالیس حدیثیں بیان کی تھیں' ان میں سے ایک ضرب الرقاب کی حدیث بھی ہے اس کی سماعت میں محمد بن اسحاق کے علاوہ میرا کوئی شریک نہیں ہے''۔

ان کے لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں' ہشام بن عروہ' عبیداللہ بن عمر' سلیمان الاعمش' امام اوزاعی' شعبہ' مالک بن انس' ابن جریج' یحییٰ بن سعید الانصاری' محمد بن اسحاق' یونس بن ابی اسحاق' اسرائیل بن یونس' ابن عون' ولید بن کثیر' زکریا بن ابی زائدہ' ابن ابی عروبہ' معمر بن راشد۔[2]

تلامذہ:

اسی طرح ان کے چشمہ فیض سے اپنی تشنگی علم کو فرو کرنے والے وارفتگان علم کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہے' جن میں ان کے والد یونس بن ابی اسحاق اور صاحبزادے عمر بن عیسیٰ کے علاوہ اسماعیل بن عیاش' یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' اسحاق بن راہویہ' ابوبکر بن ابی شیبہ' یعقوب الدورقی' حسن بن عرفہ' ولید بن مسلم' بقیہ بن الولید' عبداللہ بن وہب' مسدد' حکم بن موسیٰ' یحییٰ بن اکثم' علی بن حجر' حسن بن عرفہ کے نام لائق ذکر ہیں۔[3]

علاوہ ازیں حماد بن سلمہ بھی عمر میں ابن یونس سے بڑے ہونے کے باوجود ان سے روایت کرتے ہیں۔

فقہ:

پورا خاندان سبیعی فقہ میں تمغۂ امتیاز رکھتا تھا' عیسیٰ بن یونس کو بھی اس چشمہ فیض

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۲ و تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹۔
[3] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۲۹۰ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۵ و تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹۔

marfat.com

سے بہرہ وافر نصیب ہوا تھا' سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رئیس الفقہاء سفیان بن عیینہ کی مجلس درس میں شریک تھے کہ اسی اثنا میں عیسیٰ بن یونس تشریف لے آئے' ان پر نظر پڑتے ہی ابن عیینہ نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا:

مرحبا بالفقيه ابن الفقيه ابن الفقيه[1]

قرأت قرآن:

کلام پاک کی مختلف قرأتوں کا علم بھی گزشتہ زمانہ میں بڑی اہمیت اور عظمت کا حامل رہا ہے' اس لیے حدیث وفقہ کی طرح علماء اس کی تحصیل کو بھی ضروری خیال کرتے اور اس میں جدوجہد کرتے تھے' چنانچہ عیسیٰ بن یونس اس فن میں مہارت اور ید طولیٰ رکھتے تھے' جعفر بن یحییٰ البرمکی کا قول ہے:

ما رأينا في القرأ مثل عيسىٰ بن يونس.[2]

''ہم نے قرأ میں عیسیٰ بن یونس کی نظیر نہیں دیکھی''۔

نحو:

عنفوان شباب میں علم نحو کی طرف ان کا خصوصی رجحان تھا' اور اس میں انہیں جلد ہی اس حد تک قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ اپنے معاصرین پر تفوق کا احساس پیدا ہوگیا تھا' اس لیے اپنی نفس کشی کے لیے انہوں نے نحو کی طرف سے اپنی توجہ کو بالکل ہٹا لیا' احمد بن داؤد کی روایت سے خود عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ:

لم يكن في اسناني ابصر بالنحو مني قد خلتني منه نخوة فتركته[3]

''میرے ہم عصروں میں نحو کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا' اس سے مجھ میں غرور پیدا ہوگیا' چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا''۔

حج وجہاد:

کم وبیش ۹۰ برس کی طویل عمر میں انہوں نے مختلف مقامات پر علم فن کے چشمے جاری کیے تھے' لیکن ان کی عمر کا بیشتر حصہ حج اور جہاد میں گزرا تھا۔

---

1 تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۴۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۵۔ 3 العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۱۔

marfat.com

بعض بیانات سے منکشف ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک سال حج کرنے اور ایک سال جہاد فی سبیل اللہ میں رہنے کا معمول بنا لیا تھا' اور آخر تک اس پر عامل رہے' ان کے شاگرد رشید احمد بن جناب راوی ہیں کہ:

غزا عیسیٰ بن یونس خمسًا و اربعین غزوۃ وحج خمسا واربعین حجۃ[1]

''عیسیٰ بن یونس نے ۴۵ حج اور ۴۵ جہاد میں شرکت کی''۔

استغنا:

ائمہ اسلاف کے عام شعار کے مطابق عیسیٰ بن یونس بھی استغنا و بے نیازی کا پیکر مجسم تھے' بالخصوص وہ حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس پر کوئی معاوضہ قطعی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اسی مثالی اور معیاری شعار نے بلاشبہ گزشتہ صدیوں میں محیر العقول علمی وفنی کارنامے انجام دلائے' حب جاہ اور حرص وآز کی زیادتی علم کی افادیت کو ختم کر دیتی ہے' جس کی نظیر عصر حاضر میں عامۃ الورود ہے' لیکن علمائے سلف کے نزدیک اس کا تصور بھی محال تھا' ابن یونس بھی اس کی اعلیٰ مثال تھے' چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے ایام خلافت میں امین اور مامون امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث سنانے کی درخواست کی' چنانچہ انہوں نے متعدد روایتیں بیان کیں' پھر اس کے بعد مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا' لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا' مامون نے خیال کیا کہ وہ اس رقم کو کم سمجھ کر قبول نہیں کر رہے ہیں' چنانچہ اس نے پھر بیس ہزار درہم پیش کیے مگر اس پر بھی ابن یونس نے انتہائی شان استغنا کے ساتھ جواب دیا:

لا ولا اهليلجة ولا شربة ماء علىٰ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ولو ملئت لى هذا المسجد الى السقف۔[2]

''نہ حدیث رسول ﷺ کی تعلیم پر نہ تو میں ایک ہڑ ہی قبول کروں گا اور نہ ایک گھونٹ پانی خواہ میرے لیے مسجد زمین سے چھت تک بھر کیوں نہ دی جائے''۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۴۸۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۴ وتہذیب الاسماء ج ۲ ص ۴۸۔

marfat.com

اسی طرح ایک دفعہ انہیں اہل رقہ نے درس دینے کے لیے بلایا' جب وہ اس سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے تو ایک لاکھ کی خطیر رقم ان کی خدمت میں بار بار پیش کی گئی' مگر وہ کسی طرح اسے قبول کرنے پر راضی نہ ہوئے' اور ہر مرتبہ فرماتے لا حاجة لی فیھا ' جب اصرار حد سے فزوں تر ہوا تو بہت درشتی کے ساتھ نہایت فیصلہ کن انداز میں فرمایا:

لا والله لایحتدث اهل العلم افی اکلت للسنة ثمنًا الا کان هذا قبل ان ترسلونی الی. فاما علی الحدیث فلا والله ولا شربة ماء ولا اهلیلة.[1]

''نہیں بخدا' اہل علم یہ نہ کہیں کہ میں نے حدیث کی قیمت وصول کی ہے' ہاں اس صورت میں اسے قبول کر لیتا' جب تم مجھے بلا نہ بھیجتے' بخدا حدیث پر نہ تو میں ایک گھونٹ پانی قبول کرنے کو تیار ہوں اور نہ ایک ہڑ لینے کو''۔

تثبت وعدالت اور اعتراف علماء:

ان کی ثقاہت وعدالت' علم وفضل اور اوصاف وکمالات کا اعتراف نہ صرف ان کے فضلائے وقت تلامذہ نے بلکہ ان کے معاصرین اور ہم پلہ ائمہ نے بھی نہایت فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے' حتی کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے:

اجمع الائمة علی جلالته و توثیقه و ارتفاع مرتبته.[2]

''ان کی جلالت شان' علو مرتبت اور ثقاہت پر ائمہ کا اجماع ہے''۔

اس حقیقت سے بلاشبہ عیسیٰ بن یونس' منفرد اور عدیم النظیر تھے' کہ ان پر کسی بھی اہل علم اور ناقد فن کو کلام کی جرأت نہ ہو سکی' یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا' تو فرمایا:

بخ بخ ثقة مامون.[3]

علی بن مدینی کا بیان ہے:

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۶ وتہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۳۹۔ [2] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۴۸۔
[3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۰۔

marfat.com

جماعة من الاولاد اثبت عندنا من ابائهم منهم عيسىٰ بن يونس بن ابی اسحاق السبيعی.[1]

''ہمارے نزدیک ائمہ کی اولاد کی ایک جماعت اپنے آباء سے زیادہ تثبت رکھتی ہے انہی میں عیسیٰ بن یونس بھی ہیں۔

ابن عمار کہتے ہیں کہ فرزندانِ یونس یعنی اسرائیل' عیسیٰ اور یوسف میں عیسیٰ کا مرتبہ ثقاہت سب سے بلند و برتر ہے' عجلی کا قول ہے:

عيسىٰ بن يونس كوفی ثقة و كان تثبتا فی الحديث.

''عیسیٰ بن یونس کوفی ثقہ ہیں اور حدیث میں تثبت رکھتے تھے''۔

علامہ سمعانی رقمطراز ہیں:

كان مامونا ثقة صدوقا.[2]

''وہ مامون' ثقہ اور صدوق تھے''۔

ابن سعد خامہ ریز ہیں کہ:

كان ثقة ثبتًا.[3]

وفات:

ان کی وفات کے متعلق بہت متضاد بیانات سامنے آتے ہیں' اس سلسلہ میں ۱۸۱ھ سے ۱۹۱ھ تک کے مختلف اقوال ہیں' لیکن علامہ یافعی اور حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ صحیح ترین قول کے مطابق وسط رمضان ۱۸۸ھ میں بمقام حدث' یہ آفتاب علم غروب ہوا۔[4]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۵۴۔ [2] کتاب الانساب ورق ۲۹۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۱ ص [4] مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۴۲۰ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۱۔

marfat.com

فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

فضل نام ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام موسیٰ ہے بنوقطیعہ مروزی سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مروزی[1] اور وطن کی طرف منسوب ہو کر سینانی مشہور ہوئے[2]

مولد اور وطن:

۱۱۵ھ میں بمقام سینان پیدا ہوئے یہ مرو سے پانچ فرسخ پر واقع ایک گاؤں ہے[3] ملک خراسان میں مرو وہ مردم خیز خطہ ہے جس کو محدثین وفقہا کے ایک انبوہ عظیم کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے کسی زمانہ میں کوفہ بصرہ اور بغداد کی طرح وہ بھی علم کا ایک بڑا مرکز شمار ہوتا تھا جن ائمہ کے ناموں کے ساتھ مروزی کی نسبتیں لگی ہوئیں ہیں وہ دراصل مرو ہی کی طرف منسوب ہیں۔

ترک وطن کا واقعہ:

ایک افسوس ناک واقعہ کی بنا پر شیخ سینانی اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر دوسرے گاؤں میں جا کر رہنے لگے تھے چونکہ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی اس لیے یہاں اس کا تفصیلی ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا۔

جب شیخ فضل بن موسیٰ کے آفتاب علم وفضل کی کرنیں اطراف عالم میں پھیلیں تو تشنگان علم کے قافلے ہر سمت سے اسی ایک مرکز ثقل کی طرف کھنچے چلے آنے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریہ سینان طالبان علم کی کثرت سے بھر گیا تھا شیخ کی اس درجہ مقبولیت اور شہرت بہت سے دلوں میں کھٹکنے لگی اور وہ ان کی بدنامی کی تدبیریں کرنے لگے چنانچہ

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۸۶۔ [2] اللباب فی الانساب ج ۱ ص ۵۸۹۔
[3] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۳۔

marfat.com

انہوں نے ایک فاحشہ عورت سے مال و زر کی حرص دلا کر یہ اقرار کرا لیا کہ شیخ فضل (حاشا وکلا) اس کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں' پھر حاسدین نے ان پر بدکرداری کا اتہام عائد کیا' جس سے دل برداشتہ اور ملول خاطر ہو کر فضل بن موسیٰ نے وہ گاؤں ہی چھوڑ دیا۔ اور ایک دوسرے ''راماشاۃ'' نامی میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

لیکن چند ہی دن بعد خدائے عزوجل نے اپنے مقبول بندہ کی برأت کا سامان بھی کر دیا' اور ہوا یہ کہ شیخ فضل کے ترک وطن کے بعد قریہ سینان میں شدید ترین خشک سالی پیدا ہوگئی' لوگوں کو اپنی غلطی اور قدرت کے انتقام کا فوراً احساس ہوگیا' چنانچہ وہ لوگ ایک وفد کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے' اور اپنی نازیبا حرکتوں کی معافی مانگی اور بہت منت سماجت کر کے دوبارہ سینان چلنے کی درخواست کی' لیکن شیخ نے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے کذب صریح اور بہتان عظیم کا اعتراف کرو' چنانچہ لوگوں نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا۔ اپنی برأت سننے کے بعد انہوں نے فرمایا:

لا اسکن قریۃ اھلھا کذبۃ صفۃ

''میں ایسے گاؤں میں ہرگز نہیں رہوں گا' جس کے باشندے جھوٹے ہیں''۔

اور پھر تاحیات راماشاۃ ہی میں مقیم رہے[1]

فضل وکمال:

علم وفضل میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے انہوں نے جو زمانہ پایا تھا اس میں تابعین کرام کی لائی ہوئی بہاریں ختم ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ اتباع تابعین کی تازہ دم جماعتیں علم وکمال کی مجلسیں سجا کر درس وافادہ میں مشغول تھیں' فضل ابن موسیٰ نے کوفہ اور دوسرے مراکز علم وفن کا سفر کر کے اپنے جیب و مال کو لاتعداد گوہر آبدار سے مالا مال کیا تھا' اسی کا نتیجہ تھا کہ پھر وہ خود بھی مشاہیر زمانہ ائمہ میں شمار کیے گئے۔

---

[1] اللباب فی الانساب ج ا ص ۴۶۵ و کتاب الانساب ورق ۳۲۳۔

marfat.com

حافظ ذہبی انہیں ''احد عدباء الثقات'' ۔اور ''شیخ مرو و محدثہا'' لکھتے ہیں[1] علامہ سمعانی ان کو علم و فضل اور عمر میں عبداللہ بن مبارک کا قرین و مثیل قرار دیتے ہیں۔[2]

حدیث:

حدیث ہی ان کے فکر و نظر کا خصوصی جولانگاہ تھی' اس کی سماعت و کتابت انہوں نے سلیمان الاعمش' ہشام بن عروہ' اسماعیل بن ابی خالد' ابوحنیفہ' داؤد بن ابی ہند' خثیم بن عراک' معمر بن راشد' یونس بن ابی اسحاق السبیعی' سفیان ثوری' شریک اور قاضی شریح سے کی تھی۔[3]

تلامذہ:

ان کے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہونے والوں میں علی بن حجر' معاذ بن اسد' محمود بن غیلان' اسحاق بن راہویہ' یحییٰ بن اکثم اور محمد بن حمید کے اسمائے گرامی معروف و ممتاز ہیں۔[4]

تثبت و ثقاہت:

اتقان اور ثقاہت میں بھی ان کا مرتبہ بہت ارفع ہے' تمام علماء ان کی صداقت و ثقاہت کے معترف ہیں' ابونعیم کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن مبارک سے بھی زیادہ ثبت تھے[5] ابوحاتم کہتے ہیں کہ ''ھو صدوق صالح''۔[6] عبداللہ بن مبارک ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''حدثنی الثقة''[7] امام وکیع کا قول ہے:''اعرفة ثقة صاحب سنة''[8] علاوہ ازیں یحییٰ بن معین' ابن معین' ابن شاہین' امام نجدی' علامہ ذہبی' ابن حبان اور علامہ ابن سعد نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔صرف علی بن المدینی ایک تنہا شخص ہیں جو

---

[1] میزان الاعتدال ج ۲ص ۳۳۴ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۳۰۷۔ [2] کتاب الانساب ورق ۳۲۳۔
[3] تہذیب التہذیب ج ۷ص ۳۸۶۔ [4] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۰۹ و کتاب الانساب ورق ۳۲۳ و تہذیب ج ۷ص ۲۸۷۔ [5] العبر ج ۱ص ۳۰۷۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۷ص ۲۸۷۔
[7] ایضاً۔ [8] العبر ج ۱ص ۳۰۷۔ [9] خلاصہ تذہیب ص ۳۰۹ و میزان الاعتدال ج ۲ص ۳۳۴ و تہذیب جلد ۷ص ۲۸۷ و طبقات ابن سعد ج ۷ص ۱۰۴۔

marfat.com

سینانی کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔

عقل وفرزانگی:

بہت ہی دانشمند اور ذہین وفطین تھے' ابو اسماعیل ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکثر ابونعیم کو فضل بن موسیٰ کے بارے میں یہ کہتے سنا:

كان والله عاقلاً لبيباً[1]

''بخدا وہ عاقل ودانشمند تھے''

اعتراف علماء:

مشہور محدث حاکم ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كبير السن على الاسناد وامام من ائمة عصره فى الحديث.

''سن رسیدہ بلند اسناد اور اپنے زمانہ کے ائمہ حدیث میں تھے''۔

ابراہیم بن شماس نے ایک دفعہ امام وکیع سے سینانی کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

ثبت سمع الحديث معنالا تيالى سمعت الحديث منه اومن ابن مبارك[2]

''وہ ثبت ہیں انہوں نے ہمارے ساتھ حدیث کا سماع حاصل کیا تھا' تم اگر ان سے یا ابن مبارک سے سماع کرو تو پھر کوئی پرواہ نہ کرنا چاہیے''۔

علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ ''وہ علم اور عمر دونوں میں عبداللہ ابن مبارک کے برابر تھے''[3]

وفات:

باختلاف روایت ربیع الاول ۱۹۱ھ یا ۱۹۲ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ ذہبی نے اول الذکر ہی کو راجح قرار دیا ہے[4] راما شاۃ ہی میں جہاں ترک وطن کے بعد مقیم تھے' تدفین ہوئی[5]

---

[1] تہذیب ج ۷ ص ۳۸۷۔ [2] ایضاً۔ [3] کتاب الانساب ورق ۳۳۳۔
[4] العبر ج ۱ ص ۳۰۷۔ [5] سمعانی ورق ۳۲۳۔

marfat.com

قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قاسم نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا اسم گرامی معن تھا، شجرہ نسب یہ ہے: قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فاد بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحرث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن بدرکہ بن الیاس بن مضر بن نذار بن معد بن عدنان[1] نسباً ہذلی اور مسعودی کہلاتے ہیں۔

خاندان اور وطن:

مخزن علم کوفہ کو ان کی وطنیت کا شرف حاصل ہے ان کے جد امجد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شخصیت آسمان صحابیت کا وہ کوکب تاباں تھی جس پر پوری اسلامی تاریخ فخر کرتی ہے، وہ نہ صرف قرآن وحدیث اور اصول وفرائض وغیرہ علوم میں یگانہ زمانہ تھے بلکہ فقہ میں ایک مستقل مکتب فکر کے بانی بھی تھے۔ جس کی اساس پر بعد میں فقہ حنفی کا فلک رفعت محل تعمیر ہوا، قاضی قاسم نے اپنی اس آبائی علمی وراثت سے حصہ وافر پایا تھا۔

شیوخ:

جن ائمہ وعلماء کے فیضان صحبت نے قاضی قاسم کو چشمک زن آفتاب بنانے میں حصہ لیا، ان میں نمایاں نام یہ ہیں: ہشام بن عروہ، عاصم الاحول، سلیمان التیمی، منصور ابن المعتمر، یحییٰ بن سعید، امام اعمش، طلحہ بن یحییٰ، داؤد بن ابی ہند، محمد بن عمرو[2]

تلامذہ:

خود ان کے دامن فیض سے وابستہ رہنے والے اساطین علم میں عبدالرحمٰن بن

---

[1] معجم الادباء، ج ۶ ص ۲۰۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۸۔

marfat.com

مہدی' ابونعیم' عبداللہ بن الولید' علی بن نصر اور معافی بن سلیمان کے نام لائق ذکر ہیں [1]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ان کا مقام نہایت بلند تھا' جملہ علوم وفنون پر انہیں یکساں قدرت حاصل تھی' حدیث وفقہ' تاریخ ورجال' زبان وادب میں ان کا عبور مسلم خیال کیا جاتا تھا۔

امام ابوحاتم بیان کرتے ہیں:

کان من اروی الناس للحدیث والشعر واعلمهم بالفقه والعربیه.[2]

''وہ حدیث' فقہ اور عربیت کے واقف کار تھے''۔

ابن ناصر الدین کہتے ہیں:

کان امامًا علامة ثقة قاضی الکوفة.[3]

''وہ امام' علامہ' ثقہ اور کوفہ قاضی تھے''۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة عالمًا بالحدیث والفقه والشعر وایام الناس.[4]

''وہ ثقہ' حدیث وفقہ اور شعر وتاریخ کے عالم تھے''۔

حافظ ذہبی نے ''الامام العلامة'' اور خزرجی نے احد الاعلام'' لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے[5] امام وکیع فرماتے ہیں کہ تنوع اور تفنن فی العلوم میں ان کی نظیر شاید و باید ہی مل سکتی ہے[6] علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں:

ان القاسم من المحدثین والفقهاء والزهاد والثقات ولم یکن بالکوفة فی عصره نظیره ولا احد یخالفه فی شي یقوله.[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۸۶۔ [4] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۷۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۷ وخلاصہ تذہیب ص ۳۱۴۔

[6] فہرست ابن ندیم ص ۱۰۳ واخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۷۵۔ [7] معجم البلدان ج ۶ ص ۲۰۸۔

marfat.com

''بلا شبہ قاسم بن معن محدثین فقہاء، زہاد اور ثقات کے زمرہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور کوفہ میں اس زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی اور نہ ان کے قول کی مخالفت کرنے والا کوئی شخص تھا''۔

ثقاہت:

ائمہ جرح و تعدیل نے متفقہ طور پر ان کے عدول اور ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے، امام احمد، ابو حاتم اور ابن حبان وغیرہ برملا ان کی توثیق کرتے ہیں، مزید برآں امام ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی تصانیف میں ان کی مرویات کی تخریج کی ہے۔[1]

فقہ حنفی کی اتباع:

اگرچہ قاضی قاسم اپنے تبحر و کمال علم کی بنا پر امامت و اجتہاد کے منصب جلیل پر فائز تھے، لیکن چونکہ انہوں نے ایک عرصہ تک امام ابوحنیفہ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا تھا، اور وہ ان کی علمی ژرف بینی و نکتہ رسی سے بے حد متاثر تھے، اس لیے بیشتر امور میں ان ہی کے مسلک کی اتباع کرتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔[2] ایک بار کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ خود کو امام ابوحنیفہ کے غلاموں میں شمار کرانا پسند کریں گے، برجستہ جواب دیا:

ما جلس الناس الیٰ احد انفع من مجالسة ابی حنیفة.[3]

''امام ابوحنیفہ کی صحبت سے زیادہ نفع بخش کسی اور کی مجلس نہیں''۔

عہدہ قضا:

فقہ و افتاء میں غیر معمولی مہارت کے باعث کوفہ کے عہدہ قضا پر بھی ایک طویل عرصہ تک مامور رہے، ان کے جد امجد حضرت عبداللہ بن مسعود بھی کامل دس سال تک کوفہ کے قاضی اور افسر خزانہ رہ چکے تھے، جب قاضی شریک نخعی کی معزولی کے بعد یہ آبائی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۸۔ [2] معجم الادباء جلد ۶ ص ۲۰۰۔ [3] اخبار القضاۃ

marfat.com

وراثت قاضی قاسم کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی تو انہوں نے اس فرض کو ایسی شان وشکوہ اور احتیاط وانصاف کے ساتھ انجام دیا کہ حضرت ابن مسعود کے زمانہ کی یاد تازہ ہوگئی۔

خلیفہ منصور کے زمانہ میں اس عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور پھر ہارون الرشید کے عہد تک برابر اس پر مامور رہے۔

ایثار وتبرع:

استغناء اور بے نیازی کا عالم یہ تھا کہ اپنے طویل زمانہ قضا میں کبھی مشاہرہ اور اجرت لینا پسند نہیں فرمایا اور تاحیات تبرعاً یہ خدمت انجام دیتے رہے' علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

ولی قضاء الکوفۃ ولم یرتزق علیہ شیئًا حتیٰ مات[1]

''وہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے اور زندگی بھر اس کا مشاہرہ نہیں لیا''۔

جب ان کی خدمت میں تنخواہ پیش کی جاتی تو اس کو فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور اس میں سے ایک حبہ بھی اپنے استعمال میں نہ لاتے' یزید بن یحییٰ کہتے ہیں:

کان القاسم ارزاقہ اذا جاء تہ ولا یستحل ان یاخذ رزقًا[2]

''امام قاسم کے پاس جب تنخواہ آتی تو اس کو تقسیم کر دیتے تھے اور کوئی مشاہرہ لینا جائز نہیں سمجھتے تھے''۔

حالت مرض میں فرض کی ادائیگی:

اس تبرع و بے نیازی کے باوجود منصب قضا کی منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں سرمو کوتاہی نہ کرتے یہاں تک کہ شدید علالت و نقاہت کی حالت میں بھی مجلس عدالت منعقد کرتے اور پوری حاضر دماغی کے ساتھ عدالتی فیصلے نافذ کرتے۔ ابن کناسہ بیان کرتے ہیں کہ قاسم سخت بیماری کے عالم میں بھی عدالت میں بیٹھتے تھے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۷۔ [2] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۷۷۔ [3] ایضاً ج ۳ ص ۱۷۸۔

marfat.com

عالی ظرفی:

فطری شرافت، نرم خوئی اور بلند ظرفی ان کی شخصیت کے خاص جوہر تھے اس کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ذیل کا واقعہ کافی ہے۔

ایک شخص نے اپنے مکان کا چھجہ اتنا نیچا لگوا رکھا تھا کہ اس سے راہ گیروں کو دقت پیش آتی تھی، لوگوں نے اس معاملہ کو قاضی قاسم کی بارگاہ عدل و انصاف میں پیش کیا، قاضی موصوف نے اس کے انہدام کا فیصلہ صادر کیا، اس پر مالک مکان نے بغیر کسی رو رعایت کے قاضی سے کہا کہ ''پھر آپ نے کیوں اپنے مکان میں سرراہ روزن کھلوا رکھے ہیں؟ فرمایا: ''اس سے کسی راہ گیر کو زحمت نہیں ہوتی اور نہ سواریوں کی آمدورفت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے''۔ اس کے بعد فوراً اپنے بعض خدام کو حکم دیا کہ وہ جا کر پہلے ان کے مکان کے روزن بند کر دیں اور پھر بعد میں اس شخص کے چھجہ کو منہدم کریں، تا کہ پھر آئندہ کوئی شخص اس معاملہ میں انہیں شرمندہ نہ کر سکے[1]

خلیفہ کے نزدیک قدر و منزلت:

ان کے علم و فضل اور ایثار و قربانی سے خلیفہ ہارون الرشید بے حد متاثر تھا، بعض مفسد قاضی قاسم کے خلاف برابر ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے، اور خلیفہ کو ان کے خلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن وہ کسی بات پر کان نہ دھرتا۔

ایک بار ہارون حیرہ گیا اور چالیس دن تک وہاں مقیم رہا، لیکن قاضی قاسم بن معن اس سے ملنے نہ آئے، اس پر وزیر فضل نے خلیفہ سے کہا کہ ''حضور آپ چالیس دن سے یہاں آئے ہیں، اس عرصہ میں تمام شرفاء اور قضاۃ آپ کے دربار میں حاضر ہوئے، مگر آپ نے خیال نہ فرمایا کہ قاسم بن معن ابھی تک نہیں آئے'' یہ سن کر خلیفہ نے نہایت ترش لب و لہجہ میں جواب دیا:

ما اعرفنی ای شئی ما ذا ترید؟ ترید ان اعزله لا والله لا اعزله[2]

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۸۲۔ [2] اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۹۰۔

marfat.com

''مجھے معلوم نہیں تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں قاسم کو معزول کردوں نہیں بخدا میں ایسا نہیں کرسکتا''۔

کسائی کا اعتراف:

فقہ و حدیث کے ساتھ نحو میں بھی غیر معمولی مقام حاصل تھا۔ کسائی جو علم نحو کی مہارت میں آفاقی شہرت کا حامل ہے قاضی قاسم کے فضل و تقدم کا معترف ہے اور باایں ہمہ فنی مہارت و تبحر علم کے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو مایہ افتخار تصور کرتا تھا' ایک بار کسی نے اس سے پوچھا کہ تم علم' نسب اور فضل میں ان سے مقدم ہو پھر تم ان سے نحو کیوں حاصل کرتے ہو؟ اس نے برجستہ کہا'' قاسم بن معن میں تین خوبیاں ایسی ہیں جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں''۔

الحفظ لما يسمع العلم بما يعي والصدق فيها يؤدي[1]

''جو کچھ سنتے ہیں اس کو یاد رکھنے کی حیرت انگیز قوت' علم اور صدق۔

وفات:

۱۷۵ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ مقام رقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ درمیان میں مقام راس عین پہنچ کر پیغام اجل آ گیا اور محبوب حقیقی سے جا ملے' احمد بن کامل نے ان کا سنہ وفات ۱۸۸ھ بتلایا ہے' لیکن بقول مرزبانی اول الذکر ہی اصح ہے[2]۔

تصنیفات:

قاضی قاسم نے کئی کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں' لغت میں کتاب ''[illegible]'' حدیث میں ''غریب المصنف'' اور اس کے علاوہ نحو میں بھی کچھ کتابیں ہیں[3] لیکن ان کے نسخے کے وجود کا علم نہیں۔

۱؎ اخبار القضاۃ ج ۳ ص ۱۸۱۔ ۲؎ معجم البلدان ج ۶ ص ۲۰۰۔

۳؎ الاعلام ج ۲ ص ۸۶ے وفہرست ابن ندیم ۱۱۳۔

marfat.com

قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قبیصہ نام اور ابو عامر کنیت تھی۔ نسب نامہ یہ ہے' قبیصہ بن عقبہ بن محمد بن سفیان بن عقبہ بن ربیعہ بن جنید بن رئاب بن حبیب بن سواءۃ بن عامر بن صعصعہ' جیسا کہ اس شجرۂ نسب سے ظاہر ہے' ان کا نسبی تعلق بنوسواءۃ سے تھا اسی باعث سوائی کہلاتے ہیں [۳]

ولادت اور وطن:

ان کے سنہ ولادت کے بارے میں کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی' لیکن بعض قرائن کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ۱۳۸ھ یا ۱۴۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی' حافظ ابن حجر نے یحیٰی بن یعمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام قبیصہ یحیٰی بن آدم سے دو ماہ بڑے تھے [۴] اور قاضی یحیٰی بن آدم کے سال ولادت کے بارے میں علماء کا قوی قرینہ مذکورہ بالا سنین ہیں' بہرحال اتنا تو شک سے بالا ہے کہ قبیصہ کو امام ابن آدم کی معاصرت حاصل تھی' وہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔

علم وفضل:

علمی کمالات کے اعتبار سے ممتاز اتباع تابعین کی جماعت میں داخل تھے۔ انہوں نے تابعین عظام سے شرف لقا کے حصول کے ساتھ ان سے استفاضہ کی سعادت بھی حاصل کی تھی' اور اکابر علماء کے فیض تربیت نے انہیں بلند علمی منصب عطا کر دیا تھا۔ زہد و ورع' حفظ و ذہانت' عبادت و ریاضت اور اس کے ساتھ ثقاہت و عدالت' تمام اوصاف سے متصف تھے' یوں حدیث ان کا اصل تمغۂ امتیاز تھی' لیکن اس کے علاوہ بھی دوسرے علوم میں دسترس ومہارت رکھتے تھے' امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ کون سا علم ہے

---

[۱] المعارف لابن قتیبہ ص ۲۲۹۔ [۲] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۷۔ [۳] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ ص ۵۷۴۔ [۴] تہذیب ج ۸ ص ۳۴۸۔

marfat.com

جو قبیصہ کے پاس نہیں[1] اسحاق بن یسار بیان کرتے ہیں۔

ما رأیت شیخا احفظ منه[2]

''میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا''۔

ابن عماد الحنبلی ''العابد احد الحافظ'' اور حافظ ذہبی ''الحافظ الثقه المکثر'' لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہیں[3]

حدیث:

اوپر مذکور ہوا کہ امام قبیصہؒ کے فکر ونظر کی اصل جولانگاہ حدیث نبوی تھی۔ اس کی تحصیل انہوں نے نہ صرف عالی مرتبہ تبع تابعین سے کی تھی' بلکہ متعدد تابعین کے دامن فیض سے وابستہ رہ کر اس فن کے نکات واسرار میں مہارت پیدا کی تھی' اس کا اندازہ ان کے شیوخ کی درج ذیل فہرست سے بخوبی ہوجاتا ہے:

مسعر بن کدام' عیسیٰ بن طہمان (تابعین)' امام شعبہ' جراح بن ملیح (امام وکیع کے والد) سفیان ثوری' اسرائیل بن یونس' حماد بن سلمہ' یونس بن اسحاق' عبدالعزیز ابن الماجشون' یحییٰ بن سلمہ' حمزہ بن حبیب الزیات اور وہب بن اسماعیل[4] (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تلامذہ:

خود امام قبیصہؒ سے مستفیض ہونے اور سماع حدیث کرنے والے تشنگان علم کا دائرہ بہت وسیع ہے ان کے آفتاب علم کی کرنوں سے امام بخاریؒ اور ابوزرعہ جیسے اعیان حفاظ حدیث کے قلوب بھی منور ہوئے' کچھ نامور علماء کے نام یہ ہیں:

ابوبکر بن ابی شیبہ' حارث بن اسامہ' یحییٰ بن البشر البلخی' ہناد بن السری' محمود بن غیلان' عثمان بن ابی شیبہ' محمد بن خلف' محمد بن یونس النسائی' بکر بن خلف' ابوعبیدالقاسم بن سلام' احمد بن حنبل' عباس الدوری' جعفر بن محمد الصائغ' اسحاق بن یسار[5] (رحمہم اللہ)

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۴۲۔ 2. العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۶۸۔ 3. شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۵ و تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۴۲۔ 4. تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۷ و تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۴۲۔
5. تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۸۔

marfat.com

مرویات کا پایہ:

ماہرین جرح و تعدیل نے ان کی ثقاہت اور تثبت و اتقان کو کثرت رائے سے تسلیم کیا ہے' امام احمد فرماتے ہیں:

كان قبيصة ثقة صالحًا لا بأس به۔[1]

''قبیصہ ثقہ صالح تھے ان کی روایات قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں''۔

ابن خراش کا قول ہے ''صدوق صالح'' امام نسائی ''لیس به باس'' کہتے ہیں۔

جو بعض علماء ان کی مرویات کے قابل حجت ہونے پر کلام کرتے ہیں' وہ بھی علی الاطلاق انہیں نا قابل استناد نہیں قرار دیتے بلکہ صرف مرویات سفیان ثوری کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ قبیصہؒ نے امام ثوریؒ سے نہایت صغرسنی میں حدیث کا سماع کیا تھا اس لیے خاص امام سفیان سے ان کی روایت کا پایہ ثقاہت اتنا بلند نہیں جتنا دوسرے شیوخ سے ان کی مرویات کا ہے' چنانچہ ابن معین کا بہت صریح بیان ہے کہ:

قبيصه ثقة فی كل شئي الا فی حديث سفيان فانه سميع منه وهو صغير۔[2]

''قبیصہ امام سفیان ثوری کی حدیث کے علاوہ ہر باب میں ثقہ ہیں' ہاں سفیان سے انہوں نے صغرسنی میں سماعت کی تھی۔ (اس لیے وہ معتبر نہیں)

لیکن خود امام قبیصہ کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے امام سفیان ثوری سے جس وقت شرف صحبت حاصل کیا ان کی عمر سولہ سال تین ماہ تھی[3] اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان کی سفیان ثوری سے روایت کردہ حدیثوں کے قابل حجت نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے' کیونکہ اس عہد میں سولہ سال کی عمر میں طالبان علم نہ صرف مسند نشین درس و افتاء ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے فضل و کمال کا شہرہ چاردانگ عالم میں پھیل جاتا تھا' مثال کے لیے امام شافعی کا نام کافی ہے۔

علامہ ابن سعد قبیصہ کی ثقاہت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

كان ثقة صدوقًا كثير الحديث عن سفيان الثوری۔[4]

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۲۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۴۸۔
3. ایضاً ص ۳۴۶۔ 4. طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۱۔

marfat.com

حافظ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الروایت تھے[1]

مناقب وفضائل:

وہ علم وفضل میں بلند پایہ ہونے کے ساتھ گوناگوں اخلاقی اور عملی محامد کا مجموعہ بھی تھے' عبادت وصالحیت' زہد وتقویٰ' اور تواضع وانکسار ان کے خاص جوہر تھے' اسی باعث زاہد اور راہب کوفہ کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے[2] ان کے تلمیذ رشید ہناد السری جب بھی اپنے شیخ کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتیں اور فرماتے کہ وہ نہایت صالح انسان تھے[3]

حق گوئی اور بے باکی میں بھی اپنی مثال خود تھے' ارباب سطوت وشوکت کے سامنے حق بات کہنے سے باز نہ رہتے تھے' جعفر بن حمدویہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار امیر ابو دلف کا لڑکا دلف خدم وحشم کے ساتھ امام قبیصہ سے ملاقات کرنے ان کے گھر گیا' لیکن امام صاحب باہر نہیں نکلے' کسی نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ ''حضرت! جبل کا شاہزادہ باہر کھڑا ہے اور آپ گھر سے نہیں نکلے''۔ راوی کا بیان ہے کہ شیخ اس عالم میں باہر تشریف لائے' کہ ان کی لنگی سے ایک خشک روٹی کا ٹکڑا لٹک رہا تھا' اور فرمایا:

من رضی بھذا ما یصنع بابن ملک الجبل واللہ لا احدثہ[4]

''جو اس (روٹی کے ٹکڑے) پر راضی اور خوش ہے اسے شہزادہ جبل سے کیا غرض بخدا میں اس سے ہرگز روایت بیان نہ کروں گا''۔

وفات:

بروایت صحیح صفر ۲۱۵ھ میں بمقام کوفہ وفات پائی' اس وقت مامون رشید اورنگ خلافت پر داد حکمرانی دے رہا تھا[5] ابن اثیر نے صفر کی بجائے محرم کا ذکر کیا ہے[6]

---

۱ اللباب فی تہذیب الانساب ج ا ص ۵۷۴۔ ۲ شذرات الذہب ج ۲ ص ۳۵۔

۳ العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۶۸۔ ۴ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۴۳۔ ۵ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۲۸۱۔ ۶ اللباب فی تہذیب الانساب ج ا ص ۵۷۵۔

marfat.com

قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

بعض کے نزدیک ان کا نام یحییٰ اور بعض کے نزدیک علی تھا اور قتیبہ لقب، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ نام قتیبہ تھا اور ابورجاء کنیت تھی، نسب نامہ اس طرح ہے، قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبداللہ[1]

ان کے دادا جمیل بن طریف عراق کے مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف الثقفی کے غلام تھے، حجاج انتہائی ظالم و جابر اور تندمزاج ہونے کے باوجود جمیل کی بڑی تکریم کرتا تھا، انتہا یہ ہے کہ جب وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا تو قتیبہ کے دادا کو اپنے دائیں جانب ایک علیحدہ کرسی پر بٹھایا کرتا تھا[2]

بنوثقیف کے ساتھ تعلق غلامی کی وجہ سے ثقفی کہے جاتے ہیں۔

ولادت:

شیخ قتیبہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ان کے وطن بغلان میں ہوئی (جو بلخ کا ایک گاؤں ہے) ایک روایت میں ان کا سنہ ولادت ۱۴۸ھ بتایا گیا ہے، لیکن خود شیخ قتیبہ کے بیان سے اول الذکر ہی کی تائید ہوتی ہے، اس لیے حافظ ابن حجرؒ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔[3] ان کا اصل وطن تو بغلان تھا، لیکن عراق آکر مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔ کبھی اپنے وطن جاتے تو ایک دو دن رہ کر چلے آتے تھے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

ما کان فی بغلان مسکنۃ ولا یمر بھا الا علیٰ سفر[4]

ترجمہ: میری طرح بغلان میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کا وطن ہو تو بغلان مگر وہ وہاں آئے مسافر کی طرح۔

۱۔ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۴۔ ۲۔ ایضاً ص ۴۶۸۔ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۶۰۔
۴۔ تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۷۰۔

marfat.com

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو!
کہ اپنے آپ کو مانند مہماں لے کے آیا ہوں

تعلیم وتربیت:

شیخ قتیبہ کے والد سعید بن جمیل نہایت نیک اطوار اور خوش خو تھے۔ ایک بار انہوں نے عالم خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ کے دست مبارک میں ایک رجسٹر (صحیفہ) تھا' سعیدؒ نے دریافت کیا: ''یارسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ''اس میں علماء کے نام درج ہیں''۔ انہوں نے عرض کیا: ''ذرا یہ مجھے مرحمت فرما دیں کہ میں دیکھوں' اس میں میرے لڑکے کا نام ہے یا نہیں؟ .... دیکھا تو اس میں ان کے فرزند قتیبہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔[1] ایسے نیک بخت اور اور حوصلہ مند باپ کے فرزند ہونے کی بنا پر قتیبہ کو اسلامی علوم وفنون کے ساتھ قلبی لگاؤ تھا' چنانچہ انہوں نے اس ذوق و شوق میں وطن سے نکل کر عراق' مدینہ' مکہ' شام اور مصر تک کا سفر کیا اور وہاں کے کبار ائمہ سے سماع کا شرف حاصل کیا۔

شیوخ:

شیخ قتیبہ کو مختلف امصار و بلاد کے جن کے ائمہ سے کسب فیض کا موقع بہم پہنچا' ان میں درج ذیل نام ملتے ہیں:

امام مالک بن انس' لیث بن سعد' ابن لہیعہ' شریک[2]' بکر بن مضر' مفضل بن فضالہ' عبدالوارث بن سعید' حماد بن زید' عبدالعزیز بن ابی حازم' حفص بن غیاث' حمید بن عبدالرحمن الرواسی' عبدالوہاب الثقفی' فضیل بن عیاض' جعفر بن سلیمان الضبعی' ہشیم' ابوعوانہ یزید بن زریع' اسماعیل بن علیہ' ابن عیینہ' امام وکیع ابن الجراح وغیرہم[3]

انہوں نے اپنے علمی سفر کا آغاز صغر سنی ہی میں کر دیا تھا' چنانچہ جب وہ عراق آئے تو ان کی عمر ۲۳ سال تھی' خود ان کا بیان ہے کہ:

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۳۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۹۔

marfat.com

انحدرت الیٰ العراق اول خروجی سنة ١٧٢ و کنت یومئذ ابن ٢٣ سنة[1]

''میں جب سب سے پہلی مرتبہ ۱۷۲ھ میں عراق آیا تو اس وقت میری عمر صرف ۲۳ سال کی تھی''۔

علم و فضل:

تحصیل علم میں ان کی غایت درجہ محنت اور اکابر امت سے استفادہ نے انہیں علم کا سرچشمہ بنا دیا تھا' حافظ ذہبی انہیں ''الشیخ الحافظ محدث خراسان'' لکھتے ہیں' اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ عالم' صاحب حدیث اور کثرت سے سفر کرنے والے تھے[2] (یعنی تحصیل علم کے لیے) ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں کہ:

الیه المنتهی فی الثقة.[3]

''ثقاہت میں ان کا آخری درجہ تھا''۔

درس حدیث:

امام قتیبہ جہاں بھی تشریف لے جاتے' علم و فضل کا دفتر کھل جاتا' چنانچہ بغداد میں تشریف فرما ہوئے تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ روزگار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کا درس لیا اور جو لوگ ان سے استفادہ کے موقع کو ضائع کر دیتے تھے وہ اس پر کف افسوس ملتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ منیٰ میں حضرت قتیبہ کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ عباس العنبری ان کے پاس بیٹھے حدیث لکھ رہے تھے' میں اس وقت گزر گیا اور ان سے سماع نہیں کیا' لیکن بعد میں مجھ کو اپنے تساہل پر بڑی ندامت ہوئی۔[4]

تلامذہ:

ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے حلقہ تلامذہ میں اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ حدیث داخل ہیں' کچھ ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں: امام احمد

---

1 تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۶۰۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۰۔
3 شذرات الذہب ج ۲ ص ۹۵۔ 4 تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۸۔

marfat.com

بن حنبل، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوداؤد السجستانی، ابوحاتم الرازی، ان کے علاوہ امام بخاری نے ان کی روایت کی ہوئی تین سو آٹھ اور امام مسلم نے چھ سو اڑسٹھ احادیث صحیحین میں درج کی ہیں[1]

شیخ قتیبہ نے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کی روایتوں کے لیے اپنے صحیفہ میں الگ الگ علامتیں مقرر رکھی تھیں، چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ احمد بن محمد بن زیاد الکرمینی سے فرمایا کہ تم کو میری جن روایتوں پر سرخ نشان ملے سمجھنا کہ میں نے وہ روایتیں امام احمد بن حنبل کے سامنے روایت کی ہیں اور جن روایتوں پر سبز نشان ہے وہ یحییٰ بن معین کی روایت کی ہوئی ہیں[2]

لیکن ابوالعباس السراج کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں دو قسم کی نہیں بلکہ سات قسم کی تھیں، ان سات میں سے دو تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے لیے ہی مخصوص تھیں، باقی پانچ نشانیاں ابوخیثمہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ الحمانی، ابوزرعہ، عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی اور ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوری کے لیے مخصوص تھی[3] عبیداللہ بن سیار بیان کرتے ہیں کہ عراق میں کوئی بڑا امام ایسا نہیں ہے جس نے قتیبہ بن سعید سے روایت نہ کی اور وہ بڑے سچے تھے[4]

کثرت حدیث:

جیسا کہ مذکور ہوا شیخ قتیبہ نے حدیث کی جستجو میں ان تمام ملکوں کا سفر کیا تھا، جہاں ان کو حدیثوں کے ملنے کی امید ہوسکتی تھی۔ ان سفروں میں انہوں نے احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کرلیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا: ''اگر تم اس موسم سرما میں میرے پاس قیام کرو تو میں تم کو پانچ شخصوں کی روایت کی ہوئی ایک لاکھ حدیثیں سناؤں گا''۔ شاگرد نے عرض کیا کہ ''غالباً ان میں ایک بزرگ تو عمر بن ہارون ہوں گے'' فرمایا نہیں صرف عمرو بن ہارون سے تو میں نے الگ سے تیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں، یہ ایک یہ ایک لاکھ حدیثیں تو وکیع بن الجراح، عبدالوہاب الثقفی، جریر الرازی، محمد بن بکر البرساتی

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۶۱۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۶۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

سے منقول ہیں' راوی کا بیان ہے کہ قتیبہ ابن سعید نے پانچویں بزرگ کا بھی نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا[1]

ایک عجیب واقعہ:

امام قتیبہ کی علمی زندگی کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں قیاسی مسائل کی جستجو میں زیادہ لگے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے توشہ دان لٹک رہا ہے' لوگ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اس تک پہنچنے سے عاجز ہیں' پھر میں نے (قتیبہ نے) اس کو لینا چاہا تو میں اپنی سعی میں کامیاب ہوگیا' اب میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کل کائنات نظر آ گئی' صبح کے وقت میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خواب کی تعبیر بتانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے' میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا' انہوں نے سن کر فرمایا: ''بیٹے اب تم روایات و آثار کی طلب میں مشغول ہو جاؤ' کیونکہ صرف روایات و آثار ہی مشرق و مغرب تک پہنچ سکتی ہیں' قیاسی مسائل میں اس درجہ وسعت کہاں؟

تمول:

عام اہل علم کے برخلاف شیخ قتیبہ بڑے مالدار تھے' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ: ''کان غنیا متمولا''[2] ان کے پاس اونٹ بکریاں' گائیں اور گھوڑے وغیرہ بڑی کثرت سے تھے۔[3]

حلیہ:

ان کا حلیہ یہ تھا' میانہ قد و قامت' سر کے بال آگے سے غائب' پررونق چہرہ' خوش وضع داڑھی' اخلاق و عادات کے لحاظ سے بڑے مہمان نواز اور خوش خلق تھے۔[4]

وفات:

۲ شعبان ۲۴۰ھ میں اپنے وطن بغلان میں وفات پائی' اس وقت عمر ۹۱ سال تھی۔[5]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ص ۳۰۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۶۸۔
[4] ایضاً۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۶۰ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۳۱۔

marfat.com

مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

مبارک نام اور ابوفضالہ کنیت تھی' نسب نامہ یہ ہے' مبارک بن فضالہ ابن ابی امیہ' بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے دادا ابوامیہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور مکاتبت پر رہائی حاصل کی تھی' چونکہ حضرت عمر قریش کے مشہور قبیلہ بنو عدی سے نسبی تعلق رکھتے تھے' اس لیے مبارک بھی ولاء' قرشی اور عدوی مشہور ہوئے۔[1]

وطن:

بصرہ کے رہنے والے تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ ممتاز اور بلند پایہ اتباع میں شمار ہوتے تھے۔ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے دیدار سے اپنی نگاہ شوق کو منور کیا تھا' لیکن ان سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب نہ ہوسکی' حضرت حسن بصریؒ کے دامن علم میں کامل ۱۳ سال گزارے اور لعل گرانمایہ بن کر نمودار ہوئے' علامہ ذہبی انہیں ''الامام الکبیر'' اور من کبار علماء البصرة '' لکھتے ہیں۔[2] یحییٰ بن سعید القطان برابر ان کی توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔[3]

شیوخ:

جن اساتذہ حدیث سے انہوں نے علم کی تحصیل کی ان میں ممتاز نام یہ ہیں:

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۰۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۶۰۔

marfat.com

حسن بصری، بکر بن عبداللہ المزنی، محمد بن المنکدر، ثابت البنانی، ہشام بن عروہ، حمید الطویل، عبیداللہ بن ابی بکر۔ (رحمهم الله تعالیٰ)

تلامذہ:

ان سے شرف تلمذ رکھنے والوں میں امام وکیع، مسلم بن ابراہیم، سلیمان ابن حرب، سعدویہ، شیبان بن فروخ، عفان بن مسلم، حبان بن ہلال، مصعب بن المقدام، ابوداؤد الطیالسی، عثمان بن الہیثم، عمرو بن منصور القیسی، موسیٰ بن اسماعیل، کامل بن طلحہ، علی بن الجعد رحمہم اللہ کے نام لائق ذکر ہیں[1]

جرح وتعدیل:

مبارک بن فضالہ کی ثقاہت وعدالت کے متعلق ائمہ فن کی رائیں مختلف ہیں، عام طور سے ان پر تدلیس کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابوزرعہ، ابن ناصر الدین اور بعض دوسرے علماء کثیر التدلیس لکھتے ہیں، لیکن بعض شرطوں کے ساتھ ان کی روایات کو قبول کر لینا درست ہے، امام ابوداؤد کا بیان ہے:

اذا قال حدثنا فهو ثبت.

''جب وہ روایت کرتے وقت حدثنا کہیں تو وہ قابل اعتماد ہیں''۔

ابوزاعہ ہی کا قول ہے:

اذا قال حدثنا فهو ثقة مقبول.

''جب وہ حدثنا کے لفظ سے روایت کریں تو وہ ثقہ اور قابل قبول ہیں''۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ انہوں نے حسن بصری سے جو روایتیں کی ہیں وہ لائق حجت ہیں، ابوحاتم انہیں عدالت کے اعتبار سے ربیع بن صبیح پر فوقیت دیتے ہیں۔

ان کے تلمیذ رشید عفان بن مسلم ان کی توثیق اور ان سے روایت کرتے ہیں[2]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۸، ۲۹۔

[2] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۳۵۔

marfat.com

علاوہ ازیں امام ترمذی' ابوداؤد اور عقیلی نے بھی ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے [1]

عبادت:

علم و فضل کے ساتھ عمل کی دنیا آباد تھی' چنانچہ علماء کا بیان ہے کہ وہ بہت عبادت گزار اور دنیا کی آزمائشوں سے کنارہ کش تھے [2]

وفات:

باختلاف روایت ۱۶۴ھ یا ۱۶۵ھ میں بایام خلافت مہدی انتقال فرمایا [3]

---

[1] شذرات الذہب ج اص ۲۶۰۔

[2] العبر فی خبر من غبر ج اص ۲۴۴۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۸۰ وطبقات ابن سعد ج ۷ص ۳۵۔

marfat.com

محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام محمد اور والد کا اسم گرامی ابراہیم تھا' پورا نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن ابی شیبہ' ابراہیم بن عثمان بن خواستی[1]

ولادت' خاندان اور وطن:

۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے اصلاً واسطی تھے' لیکن بعد میں ان کا خاندان کوفہ میں آباد ہو گیا' قبیلہ بنو عبس کے غلام تھے' اسی وجہ سے کوفی اور عبسی مشہور ہوئے[2] علمی حیثیت یہ خاندان ع

''ایں خانہ ہمہ آفتاب است''

کا مصداق تھا' چنانچہ ان کے پدر بزرگوار ابی شیبہ ابراہیم علم وفضل میں بلند مقام رکھتے تھے' ابوجعفر کے عہد حکومت میں کامل تیس سال تک واسط کے منصب قضا کی زینت بنے رہے' ان کے صاحبزادگان عبداللہ' عثمان اور قاسم کا شمار منتخب روزگار علماء میں ہوتا ہے' ان میں عبداللہ وہی ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں' جن کی مرتب کی ہوئی ''مصنف'' کو دنیائے علم میں لازوال شہرت نصیب ہوئی۔

شیوخ:

انہوں نے تحصیل علم کے لیے اسماعیل بن ابی خالد' سلیمان بن مہران الاعمش' محمد بن عمرو بن علقمہ' عبدالحمید بن جعفر' ابی خلدہ خالد بن دینار' مسلمہ بن سعید اور امام شعبہ

---

[1] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ ص ۱۱۴۔

[2] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۸۲۔

marfat.com

کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

تلامذہ:

ان کے صاحبزادگان ابوبکر عبداللہ' عثمان اور قاسم کے علاوہ یزید بن ہارون' عثمان بن محمد اور سعید بن سلیمان الواسطی کے نام ان سے مستفیض ہونے والوں میں ملتے ہیں۔[1]

ثقاہت:

ان کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بغداد میں شرف نیاز حاصل کیا تھا' نہایت ثقہ بزرگ تھے لیکن افسوس ہے کہ اس لقا کے باوجود میں ان سے کسی روایت کی کتابت نہ کر سکا۔[2]

ابن معین کا ہی کا دوسرا قول ہے کہ: ''کان ثقة مامونا''۔[3]

قضا:

اپنے تبحر علمی کی بنا پر ملک فارس کے بعض شہروں میں عدل و قضا کے منصب پر بھی مامور ہوئے' یہاں تک کہ وطن سے دور فارس میں ہی تاحیات مقیم رہے اور اسی خاک کا پیوند بنے۔

حلیہ:

نہایت حسین وخوبرو تھے' ابن معین بیان کرتے ہیں کہ جب میں ان سے بغداد میں ملا تو اس وقت جوان رعنا تھے۔[4]

وفات:

ان کے لڑکے قاسم کے بیان کے مطابق ۱۸۲ھ میں بعمر ۷۷ سال انتقال ہوا۔[5]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۸۳۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۲۵۔

[3] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۸۲۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱ ص ۳۸۴۔

[5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۲۔

marfat.com

محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ (امام شافعیؒ)

صحابہ کرام و تابعین عظام کے خیر القرون کے بعد دین متین کی جس قدر خدمات ائمہ اربعہ نے انجام دیں وہ بلاشبہ تاریخ اسلام کے اوراق میں انمٹ نقوش بن کر مرتسم ہیں' بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے تو اپنے فضل و علم' زہد و تقویٰ' تبحر و جامعیت اور باریک بینی و نکتہ آفرینی سے پوری دنیا کو گرویدہ اور شیدا بنالیا تھا' وہ جہاں کہیں بھی جاتے پورا خطہ ارض بقعۂ نور بن جاتا اور لاکھوں وارفتگان علم اس شمع فروزاں کے گرد منڈلانے لگتے۔

یہ حقیقت ہے کہ امام اعظمؒ کے بعد' جس کے مقلدین ربع مسکون کے گوشہ گوشہ میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں' وہ امام شافعیؒ کی ذات گرامی ہے' عراق' خراسان' شام' انڈونیشیا' حضرموت اور ملایا وغیرہ میں مذہب شافعی کی غیر معمولی نشر و اشاعت ہوئی اور ان میں سے بعض ملک تو سو فیصدی شافعی ہیں' خصوصاً مصر میں شوافع دنیا کے تمام ملکوں سے زیادہ ہیں' سواحل ہند میں بھی یہی مذہب ہمیشہ غالب رہا۔

ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ پر دار المصنفین سے مستقل مبسوط کتابیں شائع ہو چکی ہیں' اور امام احمد بن حنبلؒ کے سوانح و کمالات تذکرۃ المحدثین (حصہ اول) میں بہت شرح و بسط کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں' اس لیے ذیل میں امام شافعی کی مفصل سوانح اور خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نام و نسب:

محمد نام' ابو عبداللہ کنیت اور ناصر الحدیث لقب تھا' جیسا کہ خود فرماتے ہیں "سمعت ببغداد ناصر الحدیث" اپنے جد اعلیٰ شافع کی نسبت شافعی کہلائے جو صغار صحابہؓ میں سے تھے' ان کے والد سائب غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ تھے[2]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۸' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۲' البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۳ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۴۔ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۷۲۔

marfat.com

شکست کے بعد قید ہو کر شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے[1] پورا سلسلہ نسب یہ ہے' محمد بن ادریس بن العباس بن عثوان بن الشافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد مناف القرشی المطلبی[2] اس نسب نامہ کی بنا پر آپ حضور اکرم ﷺ کے عم زاد بھائی ہوتے ہیں[3]

جائے ولادت:

امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے' مولد کی تعیین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے' صحیح تر قول یہ ہے کہ آپ کا مولد مقام غزہ ہے' جو بیت المقدس سے بہت قریب واقع ہے[4] مورخ ابن خلکان' اور حافظ ابن عبدالبر نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے۔[5]

دوسرے قول میں عسقلان کو امام شافعی کی جائے پیدائش بتلایا گیا ہے' لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے' کیونکہ غزہ اور عسقلان دونوں فلسطین کے سرحدی علاقے ہیں اور پاس ہی پاس واقع ہیں' چنانچہ غزہ سے عسقلان کا فاصلہ تین فرسخ ہے' عسقلان شہر ہے' اور غزہ اسی کا ایک نواحی قریہ ہے' اس لیے عسقلان کی طرف انتساب یا تو مجازاً ہے' یا ممکن ہے ولادت غزہ میں ہوئی ہو' اور پھر ان کی والدہ نومولود کو لے کر عسقلان منتقل ہوگئی ہوں جہاں آپ نے نشو ونما پائی[6]

علامہ ابن حجر نے ان دونوں روایتوں میں جمع وتطبیق کی یہی صورت نکالی ہے جو بالکل قرین قیاس ہے' جو قریے شہر کے قریب ہوتے ہیں ان کے باشندے عام طور سے شہر کی جانب منسوب ہیں' امام شافعی کے قول:

ولدت بغزه فحملتنى امى الى عسقلان.[7]

''میں غزہ میں پیدا ہوا پھر میری والدہ مجھے عسقلان لے گئیں''۔

سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

---

1. التاج المکلل ص ۶۳۔ 2. حسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۲۱۔ 3. تاریخ ابوالفداء جلد ۲ ص ۲۶۔
4. کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵۔ 5. ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۴ والانتقاء لابن عبدالبر ص ۲۷۔
6. معجم الادباء ج ۲ ص ۳۶۸۔ 7. توالی التاسیس لابن حجر ص ۴۹۔

marfat.com

امام صاحب سے ایک اور روایت یہ بھی منقول ہے کہ:

ولدت بالیمن فخافت امی علی الضیعة فجهزتنی الیٰ مکة وانا ابن عشر[1]

''میری ولادت یمن میں ہوئی پھر میری والدہ کو میرے شرف ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تو مجھے دس سال کی عمر میں مکہ لے آئیں''۔

حافظ ذہبی نے اس قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے قبیلہ یمن مراد ہوسکتا ہے اور شیخ الاسلام ابن حجر نے اسے احمد بن عبدالرحمٰن راوی کا وہم قرار دیا ہے۔ دراصل روایت میں ''ولدت'' سے مراد ''نشات'' ہے یعنی میری نشو ونما یمن میں ہوئی[2]

یاقوت حموی نے مذکورہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس کی تاویل محققین نے یہ کی ہے کہ یمن سے مراد وہ سرزمین ہے جہاں یمنی قبائل آباد ہو گئے ہوں اور غزہ عسقلان کی کل آبادی یمنی قبائل پر مشتمل تھی۔ اگر مذکورہ بالا روایت صحیح ہے تو اس کی یہی تاویل میرے نزدیک احسن ہے[3]

ابتدائی حالات:

ان کے سنہ پیدائش کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں[4] جس روز امام اعظم ابوحنیفہؒ نے رحلت فرمائی، اسی دن امام شافعی کی ولادت ہوئی، نواب صدیق حسن رقمطراز ہیں:

درایں جامیان حنفیہ شافعیہ مزاح است حنفیہ گویند امام شامخفی بود تا آنکہ امام ما انتقال کرد، شافعیہ گویند چوں امام ظاہر شد امام شما بگریخت.[5]

''اس واقعہ نے احناف وشوافع کے درمیان ایک مذاق پیدا کر دیا، حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے امام کا انتقال نہ ہوگیا تمہارے امام چھپے رہے اور شوافع کہتے ہیں کہ جیسے ہی ہمارے امام ظاہر ہوئے تمہارے امام چلتے بنے''۔

---

[1] توالی التاسیس لابن حجر ص ۴۹۔ [2] ایضاً۔ [3] معجم الادباء ج ۶ ص ۳۶۸۔ [4] معجم المصنفین ج ۲ ص ۲۴۲۔ [5] مرأة الجنان ج ۲ ص ۲۵۔ [5] توالی التاسیس ص ۵۰۔

marfat.com

یافعی نے مرأۃ الجنان میں بھی اس مزاح کا ذکر کیا ہے[1] لیکن علامہ ابن حجر نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعی کا سال ولادت اور امام ابو حنیفہ کا سال وفات (۱۵۰ھ) تو ایک ضرور تھا، لیکن دن کی تعیین غلط ہے، کیونکہ محققین نہ تو امام شافعی کے ماہ ولادت کی صحیح تعیین کر سکے اور نہ امام اعظمؒ کے ماہ وفات کی، اور خود ابو حنیفہ کے سال میں رواۃ کا اختلاف پایا جاتا ہے، ۱۵۰ھ، ۱۵۱ھ اور ۱۵۳ھ تینوں منقول ہیں۔[2]

علامہ بیہقی کا قول ہے کہ مجھے ایسی کوئی قوی روایت نہ مل سکی جس سے معلوم ہو کہ امام اعظم کی وفات اور امام شافعی کی ولادت کا ایک ہی دن تھا، ہاں محققین اس پر متفق ہیں کہ سال ایک ہی تھا۔[3]

جب امام شافعی دو سال کے ہوگئے تو آپ کی والدہ جو صحیح قول کے مطابق قبیلہ ازد سے تعلق رکھتی تھیں، آپ کو لے کر حجاز مقدس منتقل ہوگئیں اور وہاں سے اپنے آبائی وطن یمن چلی گئیں، جہاں امام صاحب نے اپنی عمر عزیز کے دس سال گزارے اور جب آپ کی والدہ کو نسبی شرافت کے ضائع ہونے کا اندیشہ لاحق ہوا تو پھر مکہ معظمہ واپس آ گئیں۔[4]

امام شافعی کو خدا قدوس نے غیر معمولی ذکاوت و فطانت سے نوازا تھا، صغر سنی سے ہی آپ کی صلاحیتیں منظر عام پر آنے لگی تھیں، تیر اندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں پوری مہارت رکھتے تھے، خود امام شافعی کا بیان ہے کہ میں تیر اندازی بہت زیادہ کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ طبیب نے کہہ دیا تھا کہ دھوپ میں زیادہ رہنے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ کہیں تم کو مرض سل نہ لاحق ہو جائے۔[5] لیکن اسی ریاضت و مشقت کی وجہ سے ان کی صحت قابل رشک تھی۔

ذوق شعر و سخن:

ابتداء میں امام صاحب کو شعر و سخن سے بھی کافی شغف تھا، چنانچہ قبیلہ ہذیل میں

---

[1] توالی التاسیس ص ۵۰۔ [2] طبقات الشافعیہ ص ۲۔ [3] ایضاً۔
[4] توالی التاسیس ص ۵۲۔ [5] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷۰۔

marfat.com

جو عرب کا سب سے زیادہ فصیح البیان قبیلہ تھا' رہ کر ان کی زبان و کلام میں ملکہ پیدا کیا' ہذلیین کے اشعار و دواوین ایسے ازبر تھے کہ اصمعی جیسے مستند ادیب ولغوی کا بیان ہے کہ ''میں نے محمد بن ادریس نامی ایک قریشی نوجوان سے ہذلیین کا دیوان پڑھا''[1]

علامہ سبکی نے امام شافعی کی شاعری پر تفصیلی بحث کی ہے اور ان کے حکیمانہ اشعار بھی نقل کیے ہیں[2] علامہ ابن حجر نے بھی ان کے اشعار کے متعدد نمونے دیئے ہیں[3] جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی کی شاعری دیگر شعراء سے یکسر مختلف اور صحیح معنی میں ''ان من الشعر لحکمۃ'' کا مصداق تھی' اس میں صرف شعر وادب کی چاشنی اور حلاوت ہی نہیں بلکہ وہ عقل وحکمت اور بصیرت وموعظت کا سبق بھی ہے۔

امام شافعی کا دیوان بھی مع شرح ۱۳۶۱ھ میں مصر کی المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ سے شائع ہو چکا ہے' جس کے جامع اور شارح الاستاذ عبدالعزیز سید الاہل ہیں اور فی الواقع فاضل موصوف نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے' اس دیوان میں قوافی کی ترتیب سے ۸۰ صفحات میں مختلف مآخذوں سے امام شافعی کے اشعار کو یکجا کیا گیا ہے۔

تحصیل و تکمیل علوم:

امام صاحب کو علم کا شوق بچپن ہی سے تھا' آپ کا ابتدائی زمانہ نہایت مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں گزرا' باپ کے سایہ عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہو چکے تھے' غربت و افلاس کا یہ حال تھا' کہ بقول امام رازی جب وہ مکتب میں گئے تو معلم نے بے مائیگی کی بنا پر پڑھانے سے انکار کر دیا تھا،[4] خود امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

کنت فقیرًا بحیث ماکنت املک ما اشتری بہ القراطیس فکنت اخذ العظم واکتب فیھا۔[5]

---

[1] مناقب الامام الشافعی ص ۵۳ اور ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۴ و تاریخ ابو الفداء ج ۲ ص ۲۶۔

[2] طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۱۵۵ و ما بعد۔ [3] توالی التاسیس ص ۷۳۔

[4] مناقب الامام الشافعی ص ۱۶۔ [5] مفتاح السعادہ ج ۲ ص ۸۹۔

marfat.com

''میں اتنا غریب تھا کہ کاغذ تک خریدنے کی مقدرت نہ تھی' اس لیے ہڈی لے کر اس پر لکھا کرتا تھا''۔

لیکن یہ تمام مشکلات و مواقع کی راہ ترقی میں مانع نہ ہو سکے' وہ معلم کی بے اعتنائی کے باوجود مکتب میں بیٹھے رہے اور استاد بچوں کو جو اسباق پڑھاتا اسے زبانی یاد کر لیتے اور پھر ہڈیوں پر لکھ لیتے[1] یہاں تک کہ اس نے جو کچھ بھی طلبہ کو پڑھایا' امام صاحب نے سب یاد کر لیا' اور اپنی ذہانت سے صرف سات سال کی عمر میں پورا کلام پاک حفظ کر لیا[2]

ابن فرحون نے لکھا ہے:

كان الشافعي حافظًا المؤطا في تسع ليال وقيل في ثلاث ليال.[3]

''امام شافعی حافظ تھے انہوں نے مؤطا کو ۹ شب میں حفظ کر لیا تھا' ایک قول تین شب کا بھی ہے''۔

لیکن خود امام شافعی کا قول ۹ کی رات کا ہی ہے[4]

پھر فقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فقیہ مکہ مسلم بن خالد زنجی[5] کی خدمات میں حاضر ہو کر ان کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی اور فقہ میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ان کے شیخ نے پندرہ ہی سال کی عمر میں یہ کہہ کر فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی کہ ''افت يا ابا عبدالله فقد آن لك ان تفتى''[6] مکہ میں آپ نے مسلم بن خالد کے علاوہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ سے استفادہ کیا تھا کہ وہ امام شافعی کے علم و فضل کے اتنے معترف تھے کہ

---

[1] لوائح الانوار ج ا ص ۴۲۔ [2] حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۲ ص ۱۲۱ و تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۳۔ [3] الدیباج ص ۲۲۸۔ [4] طبقات شافعیہ ص ۲۔ [5] مسلم بن خالد زنجی مکہ معظمہ کے مفتی تھے ان کے بارے میں ناقدین فن اختلاف رائے رکھتے ہیں' بعض نے کہا کہ وہ ثقہ تھے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''لیس بشی'' امام بخاری رحمہ نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث تھے۔

[6] طبقات الفقہا للشیرازی ص ۴۹ و الدیباج المذہب ص ۲۲۸۔

marfat.com

فرماتے تھے "ھذا افضل من فتیان اھل زمانه" اور جب کوئی تفسیر مسئلہ یا فتویٰ آجاتا تو امام شافعی کی طرف رخ کر کے فرماتے کہ ان سے دریافت کرو۔

مکہ میں تین سال تک تحصیل علم میں مشغول رہنے کے بعد مدینہ طیبہ کا رخ کیا جہاں امام مالک بن انس کا دریائے فیض رواں تھا' جب امام شافعی آستانہ مالکی پر حاضر ہوئے' تو ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔

امام مالک سے مکالمت کی تفصیل خود ہی بیان فرمائی ہے' کہتے ہیں کہ جب میں امام مالک کی خدمت میں پہنچا تو میں مؤطا حفظ کر چکا تھا' میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے موطا پڑھنا چاہتا ہوں' امام مالک نے فرمایا کہ اچھا کسی کو بلاؤ جو تمہارے لیے قرأت کرے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں میں خود ہی پڑھوں گا۔ اور جب میں نے اس کی قرأت کی تو امام مالک نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور قرأت کو بہت پسند فرمایا[1] اور جب اس خوف سے قرأت بند کرتا کہ مبادا آپ پر بار ہو تو فرماتے اے نوجوان! اور پڑھو' یہاں تک کہ میں نے بہت تھوڑی مدت میں مؤطا ختم کر لی[2] اسی بنا پر امام شافعی امام مالک سے روایت کرتے وقت "اخبرنا مالك" کہتے ہیں۔[3] امام احمد فرماتے ہیں کہ قرأت کی پسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ امام شافعی بہت فصیح البیان تھے۔[4]

آپ کو امام مالک کی خدمت میں صرف آٹھ ماہ رہنے کا موقع ملا' لیکن اس مختصر مدت میں بھی استاد شاگرد کے درمیان بہت گہرے روابط قائم ہو گئے' امام مالک رحمہ اللہ ان کے فہم و ذکاء کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے' جب امام شافعی رحمہ اللہ نے موطا کی زبانی قرأت کی تو امام مالک نے برجستہ فرمایا:

ان یک احد یفلح فھذا الغلام.

---

[1] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۶۹۔ [2] مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۹۰۔ [3] حدثنا اور اخبرنا میں فرق یہ ہے کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنے تو روایت کرتے وقت حدثنا فلان کہا جاتا ہے اور اس کے برعکس استاذ سماعت کرے اور شاگرد قرأت کرے تو اس اخبرنا کے لفظ سے روایت کیا جاتا ہے۔ [4] توالی التاسیس ص ۵۱۔

marfat.com

"یہ لڑکا یقینا کامیاب ہوگا"۔

امام شافعی بھی اپنے استاذ کا بے حد احترام کرتے تھے فرماتے تھے:

مالک معلمی واستاذی ومنہ تعلمنا العلم وما احد امن علی من مالک وجعلت مالکا حجۃ فیما بینی وبین اللہ[1]

"مالک میرے معلم اور میرے استاذ ہیں' میں نے علم ان ہی سے سیکھا' ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے میں نے ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا ہے"۔

نیز جب امام مالک کا کوئی قول بیان کرتے تو کہتے ھذا قول استاذنا مالک[2]

علمی اسفار:

۱۷۹ھ میں جب امام مالک اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے تو امام شافعی پھر مکہ واپس آ گئے' اور وہاں کے شیوخ و اساتذہ سے کسب فیض کیا' اس کے بعد امام صاحب کو فکر معاش دامن گیر ہوئی' حسن اتفاق سے والی یمن مکہ آیا ہوا تھا' بعض عمائد قریش نے اس سے سفارش کر کے امام شافعی کو نجران کا حاکم مقرر کرا دیا' لیکن یہ ملازمت آپ کے ذوق کے مطابق نہ تھی' اس لیے علمی کاموں کی جانب سے آپ کو بے توجہی ہونے لگی۔

اسی اثنا میں والی یمن نے آپ کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا ہے' جس سے قدرت کی جانب سے خود بخود ملازمت سے علیحدگی کی شکل پیدا ہوگئی' امام شافعی قیام یمن کے دوران ایک ابتلا و آزمائش میں مبتلا ہوئے' جس سے امام محمد کی سفارش پر خلاصی پائی[3] لیکن امام شافعی کو اس سے دو بڑے فوائد بھی حاصل ہوئے۔

❶ یمن میں قیام کے دوران وہاں کے فضلاء سے استفادہ کا موقع ملا' جن میں مطرف بن مازن صنعانی (التوفی ۱۹۱ھ) اور عمرو بن ابی سلمہ (التوفی ۲۱۴ھ) مشہور ہیں۔

---

[1] الدیباج المذہب ص ۲۲۸۔ [2] مفتاح السعادہ ج ۲ ص ۹۰۔

[3] الانتقاء ابن عبدالبر ص ۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۲۔

marfat.com

❷ یہ ابتلا و آزمائش امام شافعی کے عراق جانے کا سبب بنی اور ان کو امام محمد سے جو فقہ عراق کے امام تھے' استفادہ کا موقع ملا' عراق میں قیام آپ کی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

امام صاحب کی بغداد میں یہ پہلی آمد تھی' جو ۱۸۴ھ میں ہوئی' پہلی کی تصریح صرف ابن کثیر نے کی ہے[1] ورنہ بغدادی اور ابوالفداء نے اجمالاً ''قدم الی بغداد مرتین''[2] لکھا ہے' امام صاحب کے بغداد پہنچنے سے دو سال قبل امام ابو یوسف رحلت فرما چکے تھے اور بغداد کی مسند علم امام محمد سے پر رونق تھی' جو فقہ عراق کے صدر اعظم ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید تھے۔

امام شافعی نے امام محمد کی خدمت میں تین سال رہ کر فقہ عراق میں کمال پیدا کیا امام محمد کے علاوہ عراق میں امام شافعی نے جن شیوخ سے استفادہ کیا ہے' ان کے نام ہیں' وکیع بن الجراح (التوفی ۱۹۰ھ) حماد بن اسامہ ہاشمی (التوفی ۲۱۱ھ) عبدالوہاب عبدالمجید المصری (التوفی ۱۹۴ھ) امام شافعی نے امام محمد سے جو کسب فیض کیا تھا اس پر تاعمران کے ممنون کرم رہے' اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد بن حسن سے جو کچھ پڑھا' سنا اور نقل کیا وہ بار شتر کے برابر ہے[3]

امام محمد بھی شافعی کی ذہانت وصلاحیت کے معترف تھے[4] زیادی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد کو جیسی تعظیم امام شافعی کی کرتے دیکھا ویسی کسی اور کی کرتے نہیں دیکھا۔[5]

بغداد سے وہ مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور وہاں نو سال تک قیام کیا' اس طویل مدت میں وہ حرم شریف میں درس وتدریس کی بساط بچھائے رہے' امام احمد بن حنبل یہیں پر آپ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۲۔ [2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۶ و تاریخ ابوالفداء ج ۲ ص ۲۶۔

[3] الانتقاء ص ۶۹۔ [4] بعض محققین نے لکھا ہے کہ امام محمد وامام ابو یوسف رحمہما اللہ نے خلیفہ ہارون سے امام شافعی کی شکایت کی تھی کہ وہ خلیفہ کی خلافت کے اہل نہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں' یہ ایک بہتان عظیم ہے۔ (البدایہ ج ۱۰ ص ۲۵۳) [5] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۵۔

marfat.com

سے ملے اور ایسے گرویدہ ہوئے کہ آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو گئے' یہیں امام شافعی نے فقہ جدید کی بنیاد ڈالی اور اجتہاد و استنباط کے اصول وضوابط مرتب کیے۔

۱۹۵ھ میں امام صاحب دوسری مرتبہ وارد بغداد ہوئے' اس مرتبہ آپ کی آمد طالب علم کی حیثیت سے نہ تھی' بلکہ اس وقت آپ کا آفتاب شہرت بغداد کے آسمان پر ضوفگن ہو چکا تھا اور آپ کے مخالف وموافق سب کی زبانیں آپ کے فضل وکمال کے ذکر سے تر تھیں' امام صاحب اس مرتبہ بغداد میں دو سال رہے اس عرصہ میں ائمہ اور جلیل القدر فقہا ومحدثین سے لے کر عام طالبان علم تک' سب پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ کے منبع علم سے سیراب ہوتے۔ اسی قیام کے دوران میں امام صاحب نے قدیم اقوال پر مشتمل اپنی مشہور کتاب ''الحجۃ'' تصنیف کی۔ جس کے چاروں رواۃ یعنی امام احمد بن حنبل' ابوثور' زعفرانی اور کرابیسی امام شافعی کے جلیل المرتبت شاگرد ہیں[1]

دو سال بغداد میں قیام کے بعد امام شافعی پھر مکہ واپس آ گئے۔ جہاں سے ۱۹۸ھ میں تیسری بار پھر بغداد واپس آ گئے لیکن اس بار چند ماہ سے زیادہ قیام نہیں کیا[2] اور اسی سال موسیٰ کاظم کی شہادت کے بعد مصر چلے گئے[3]

یاقوت نے امام صاحب کے مصر جانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ عباس بن عبداللہ والی مصر نے ان سے ساتھ رہنے کی درخواست کی تھی'[4] لیکن صرف یہی ایک سبب نہیں تھا بلکہ ان کو مصر جانے کا شوق اس سے بہت پہلے سے تھا' جس سے ان کے اشعار بھرے ہوئے ہیں۔

درحقیقت سفر مصر کا اصلی مقصد اپنے مذہب کی ترویج واشاعت تھا' حجاز وعراق میں ان کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو چکی تھی' اب انہوں نے ایک نئے میدان کی تلاش میں مصر کا رخ کیا۔ چنانچہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھ سے امام شافعی نے اہل

---

1 طبقات الشافعیہ ص ۲۔ 2 ابوبکر مصنف نے دو ماہ کی تعیین کی ہے (طبقات للمصنف ص ۳)۔

3 ایضاً۔ 4 معجم الادباء ج ۶ ص ۳۹۴۔

marfat.com

مصر کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ وہاں دو مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں' مالکی اور حنفی' اور یہ دونوں اپنے اپنے ائمہ کے اقوال کے پیرو کے متبع ہیں' امام شافعی نے جواب دیا:

ارجوان اقدم انشاء الله فاتيتهم بشي يشغلهم عن القولين جميعًا.

''میں انشاء اللہ مصر جاؤں گا اور ان کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا کہ وہ دونوں مذاہب کو چھوڑ دیں گے''۔

ربیع کا کہنا ہے کہ واللہ جب امام شافعی مصر آئے تو انہوں نے اپنی یہ بات سچ کر دکھائی[1] اور بقول شعرانی بہت سے علماء نے اپنے قدیم مذہب سے رجوع کر کے مذہب شافعی قبول کر لیا[2]

قول قدیم اور قول جدید:

قول قدیم سے مراد امام صاحب کے وہ اقوال ہیں جو انہوں نے قیام مصر سے پیشتر مکہ' مدینہ' یمن اور بغداد میں قائم کیے تھے' بغداد میں انہوں نے ''کتاب الحجة'' تصنیف کی تھی' جو قدیم اقوال پر مشتمل ہے اور امام صاحب کے مذہب قدیم سے یہی کتاب ہوتی ہے[3]

جب امام صاحب مصر آ گئے تو انہوں نے اپنے سابقہ خیالات ونظریات پر از سر نو غور وتفحص کیا اور بہت سے قدیم اقوال سے رجوع کر کے نئے نئے آراء قائم کیے۔ ان خیالات کو قول جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے' یہیں امام صاحب نے اپنی جدید کتابیں الام' امالی الکبیر' املاء الصغیر' البویطی' مختصر المزنی' مختصر الربیع' الرسالہ' السنن تصنیف کیں[4] اور درحقیقت مذہب جدید ہی امام شافعی کی دائمی شہرت کا باعث ہوا۔

چنانچہ امام شافعی نے اپنی بغدادی تصانیف سے جو قدیم اقوال پر مشتمل ہیں'

---

[1] توالی التاسیس ص ۷۷۔ [2] لواقح الانوار ج اص ۴۳۔ [3] کشف الظنون ج اص ۴۲۰۔
[4] حسن المحاضرة ج اص ۱۲۱' وشذرات الذہب ج ۲ص ۱۰۔

marfat.com

روایت کی اجازت نہیں دی' علامہ نووی فرماتے ہیں' امام شافعی نے اپنے قول قدیم سے رجوع کرلیا تھا' اور جب کوئی مجتہد اپنے کسی قول سے رجوع کرلے تو پھر وہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔[1]

وفات:

امام شافعی نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی' یہیں رجب کی آخری تاریخ ۲۰۴ھ کو علم و معرفت کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔[2] اس وقت ۵۴ سال کی عمر تھی' ابوعثمان محمد کا قول ''مات الی وھو ابن ثمان و خمسین سنة'' محل نظر ہے۔[3] کیونکہ آپ کے سن ولادت ۱۵۰ھ اور سنہ وفات ۲۰۴ھ پر محققین کا اتفاق ہے' اس کی رو سے عمر ۵۴ سال ہی قرار پاتی ہے' مزار پاک آج بھی مرجع خلائق ہے۔

موت کا حقیقی سبب:

امام شافعی کی موت کا سبب عام طور پر یہ مشہور ہے کہ: فتیان ابی السمع مالکی اور امام شافعی کے درمیان مناظرہ ہوا۔ جس میں فتیان نے کوئی نازیبا حرکت کی تھی اور معاملہ والی مصر کے پاس پیش ہوا' اس نے فتیان کو بلاکر سخت تنبیہ و توبیخ کی' اس سے فتیان کے دل میں عناد پیدا ہوگیا' اور ایک شب اس نے امام صاحب کو لوہے کی زنجیر سے مارا' اس کے صدمہ سے امام صاحب ایسے سخت بیمار ہوئے کہ جانبر نہ ہوسکے۔

اس سبب کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ''لم أر ذالك من وجه يعتمد''[4] یعنی بالکل ناقابل اعتبار ہے۔

ان کی موت کا اصلی سبب درحقیقت ان کی جانکاہ محنت تھی' مصر کے چہار سالہ قیام کے دوران میں تعلیم و تدریس' تالیف و تصنیف' مناظرہ اور اپنے مذہب کی اشاعت

---

[1] شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۸۷۔ [2] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۳۔ [3] طبقات الفقہا للشیرازی ج ۱ ص ۴۸۔ [4] توالی التاسیس ص ۱۸۶۔

marfat.com

میں بڑی محنت کی تھی' ان کے شاگرد ربیع کا بیان ہے کہ امام صاحب نے مصر کے دوران قیام میں ایک ہزار پانچ سو صفحات املاء کرائے' دو ہزار صفحے کی کتاب ''الام'' تصنیف کی۔ اس کے علاوہ کتاب السنن وغیرہ لکھیں اور یہ سارا کام صرف ۴ سال میں اور بیماری کی حالت میں کیا[1]

ازواج واولاد:

امام شافعی نے حمیدہ بنت نافع بن عنبسہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے نکاح کیا تھا' پس ماندگان میں ایک صاحبزادے ابوعثمان محمد اور دو صاحبزادیاں فاطمہ وزینب یادگار چھوڑیں۔

ابوعثمان محمد سب سے بڑے تھے اپنے والد کی وفات کے وقت مکہ میں رہتے تھے خطیب نے انہیں شہر بغداد کا قاضی بتایا ہے' جو صحیح نہیں ہے' درحقیقت وہ جزیرہ میں قاضی تھے' پھر کچھ عرصہ تک شہر حلب کے منصب قضا پر فائز رہے[2] اپنے والد ہی کی طرح علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے[3]

شیوخ وتلامذہ:

امام شافعی نے علم وفن کے تمام سرچشموں سے سیرابی حاصل کی تھی' اس لیے ان کے شیوخ کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے' علامہ ابن حجر نے ان کی تعداد ۸۰ بتلائی ہے[4] جن میں سے امام صاحب نے' مکہ مدینہ' یمن' عراق اور مصر میں کسب فیض کیا تھا' حافظ ابن کثیر صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ:

سمع الحدیث الکثیر علی جماعۃ من المشائخ والائمۃ.[5]

خطیب نے ان کے ۲۶ مشہور اساتذہ کے نام شمار کرائے ہیں[6]

---

[1] توالی التاسیس ص ۸۳۔ [2] طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۲۶۔ [3] امام شافعی کے ایک دوسرے لڑکے محمد نامی اور بھی تھے' (الوافی بالوفیات ص ۱۱۴) جن کی کنیت ابوالحسن تھی' وہ دنانیز نامی ایک لونڈی کے بطن سے تھے' اپنے والد کے ہمراہ بچپن ہی میں مصر آئے' اور وہیں ۲۲۱ھ میں فوت ہو گئے' طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۲۲۶۔

[4] توالی التاسیس ص ۵۳۔ [5] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۲۔ [6] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۶۔

marfat.com

کچھ ممتاز اور لائق ذکر شیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: امام مالک' امام محمد' سفیان بن عیینہ' مسلم بن خالد' ابراہیم بن سعید' فضیل بن عیاض' محمد بن شافع' داؤد بن عبدالرحمٰن' عبدالعزیز بن محمد الدراوردی' ابراہیم بن ابی یحییٰ' عبدالرحمٰن بن ابی بکر' عبداللہ بن المؤمل' ابراہیم بن عبدالعزیز' عبداللہ بن الحارث' محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک' عبدالمجید بن عبدالعزیز' محمد بن عثمان الجحی' عبدالعزیز الماجشون' ہشام بن یوسف' اسماعیل بن علیہ' مطرف بن مازن صنعانی' عمر بن ابی سلمہ' وکیع بن الجراح' حماد بن اسامہ' عبدالوہاب بن عبدالمجید المصری۔[1]

اسی طرح امام صاحب کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے' دارقطنی نے ان کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے[2] اور حافظ ابن حجر نے ۱۶۳ کے نام شمار کرائے ہیں[3] اس تعداد کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ تمام تلامذہ امام شافعی کی صرف ۵۴ سالہ عمر کی پیداوار ہیں' جس کی نظیر دیگر ائمہ میں شاذ ہے۔

ان تلامذہ میں ایک جماعت تو وہ ہے جو امام صاحب کے قول قدیم (بغدادی مذہب) کی راوی ہے' جیسے امام احمد' زعفرانی' کرابیسی' اسحاق بن راہویہ اور موسیٰ بن جارود وغیرہ۔[4] ان سب نے امام صاحب کے علوم کو مرتب و مدون کیا۔

حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں امام صاحب کے دس مشہور تلامذہ کا اجمالی تعارف کرایا ہے' جن کے نام یہ ہیں' حمیدی' سلیمان بن داؤد' احمد بن حنبل' ابوثور' حرملہ مصری' زعفرانی' مزنی' یونس بن عبدالاعلیٰ' محمد بن الحکم' ربیع بن سلیمان المرادی' ان میں سے ہر ایک آسمان علم و فضل کا ماہ تابندہ تھا۔

---

[1] مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۹۲۔ الدیباج المذہب ص ۲۲۷ و تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۶۔

[2] معجم الادباء ج ۲ ص ۳۹۱۔

[3] توالی التاسیس ص ۷۹ تا ص ۸۲ معجم المصنفین ج ۲ ص ۲۵۲ تا ۲۶۱۔

[4] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۳۹۱۔

marfat.com

تبحر علمی:

امام شافعی کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ انہوں نے اپنی عنان توجہ جس طرف بھی پھیری' اس میں کمال حاصل کر کے چھوڑا' چنانچہ ابتدائے عمر میں جب وہ شعر و ادب کی طرف مائل ہوئے تو افصح عرب قبیلہ ہذیل میں سالہا سال قیام کر کے شعر و ادب کے رموز سیکھے' اور اس میں اتنی مہارت پیدا کی کہ اصمعی جیسا جلیل المرتبت ادیب ولغوی ان سے ہذلیین کا دیوان پڑھنے کا ذکر نہایت فخر وابتہاج کے ساتھ کرتا ہے[1]

امام صاحب علم وفن کے ہر شعبہ سے بہرہ وافر رکھتے تھے' اللہ جل شانہ نے انہیں کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' کلام صحابہ' آثار سلف اور اختلاف اقاویل علماء پھر معرفت کلام عرب' لغت' عربیت اور شعر وغیرہ میں علم عمیق ارزانی فرمایا تھا[2]

مذکورہ بالا علوم وفنون میں کمال کے باوجود ان کے اصلی علوم حدیث وفقہ تھے' وہ حافظ حدیث تھے' امام مالک سے مؤطا کی قرأت کی تھی اور اپنی اخاذ طبیعت کی بنا پر عام روش سے ہٹ کر اس میں نئی نئی راہیں پیدا کیں' ان کے مذہب کی بنیاد صحیح حدیث پر قائم ہے' خود ہی فرماتے ہیں ''اذا اصح الحدیث فھو مذھبی''[3] امام احمد بن حنبل سے فرمایا کرتے تھے کہ تم حدیث ورجال کا علم مجھ سے زیادہ رکھتے ہو' پس جب کوئی حدیث صحیح تمہاری نظر سے گزرے تو مجھے بتاؤ' خواہ کوفی ہو یا بصری یا شامی اگر وہ صحیح ہوگی تو میں اسے اختیار کرلوں گا[4] امام صاحب کا یہ اعلان عام تھا کہ اگر میرا کوئی قول سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو تو اس کو ترک کر دو۔ نیز امام احمد فرماتے ہیں کہ جب کوئی حدیث امام شافعی کے نزدیک صحیح ثابت ہو جاتی تھی' تو وہ اس کے قائل ہو جاتے تھے۔[5]

امام صاحب نے اپنے وقت کے محدثین کی غفلت کو رفع کر کے ان میں نئی روح

---

[1] مناقب الامام الشافعی ص ۱۵۳۔ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۴۔

[3] مختصر صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی ص ۳۱۴۔ [4] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۷۵۔

[5] معجم البلدان ج ۲ ص ۲۷۴۔

marfat.com

پھونکی' زعفرانی بیان کرتے ہیں کہ:

كان اصحاب الحديث رقودًا حتى جاء الشافعى فايقظهم فتيظوا [1]

''تمام محدثین خواب غفلت میں مبتلا تھے' امام شافعی نے آ کر ان میں بیداری پیدا کی''۔

حدیث استدلال میں' امام شافعی کے مسلک میں احتیاط کا پہلو نمایاں ہے' اسی بنا پر بعض مسائل میں ائمہ و مجتہدین کے مسلمہ اصول و ضوابط سے الگ ان کی منفرد رائے ہوتی ہے' مثلاً مراسیل صحابہ سے استدلال' تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور تابعین سے لے کر دوسری صدی تک کے مجتہدین میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا' لیکن امام شافعی مرسل حدیث سے استدلال کو جائز قرار نہیں دیتے' اور یہ اختلاف صرف احتیاط پر مبنی ہے۔

حدیث:

علم حدیث اور اس کے متعلقات میں امام صاحب کے تبحر کا اعتراف خود ان کے اساتذہ کو بھی تھا' اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کتابوں کی سماعت کے لیے ان کے پاس بیک وقت سات سات سو تشنگان علم کا ہجوم رہتا تھا[2] امام احمد فرماتے ہیں کہ مجھے ناسخ و منسوخ حدیث کا پتہ اسی وقت چلا' جب میں امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعلیم حاصل کی[3] ابو حاتم رازی کا قول ہے:

لولا الشافعى لكان اصحاب الحديث فى عمى. [4]

''اگر امام شافعی نہ ہوتے تو اصحاب حدیث تاریکی میں رہتے''۔

ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ:

ما اعلم للشافعى حديثا خطاء [5] ''مجھے امام شافعی کی کسی غلط حدیث کا علم نہیں''۔

صاحب روضات نے لکھا ہے کہ:

ان الشافعى اول من تكلم فى مختلف الحديث و صنف فيه. [6]

---

[1] تاریخ ابو الفداء ج ۲ ص ۲۶ والدیباج المذہب ص ۲۲۸' والتاج المکلل ص ۶۰۔ [2] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۴۳۔ [3] ابو الفداء ج ۲ ص ۲۶ والدیباج المذہب ص ۲۲۸' والتاج المکلل ص ۶۰۔ [4] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۹۔ [5] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۴۴۔ [6] روضات الجنات ج ۴ ص ۱۵۴۔

marfat.com

''بلاشبہ امام شافعی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مختلف الحدیث کے بارے میں کلام کیا اور اس فن میں کتاب تصنیف کی''۔

امام محمد بن حسن کا ارشاد ہے:

ان تکلم اصحاب الحدیث یومًا فبلسان الشافعی[1]

''اصحاب حدیث ہمیشہ امام شافعی ہی کی زبان میں کلام کریں گے''۔

فقہ:

اسی طرح امام صاحب فقہ میں بھی مجتہدانہ مقام رکھتے تھے' ان کی کتابیں الرسالہ اور کتاب الام اس کی شاہد عدل ہیں' وہ فقہ کے تمام مراکز سے مستفید ہوئے تھے مثلاً مکہ کے رئیس الفقہ ابن جریج کی کتابوں کو ان کے شاگردوں مسلم بن خالد اور سعید بن سالم سے پڑھا' مدینہ کے رئیس الفقہ' امام مالک کی فقہ کے علوم کو ان کے تلمیذ رشید امام محمد سے حاصل کیا' اسی طرح امام شافعی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ علوم الرائے اور اہل الحدیث کے جامع ہیں[2] امام احمد فرماتے ہیں کہ:

كان الفقه قفلا على اهله حتى فتحه الله بالشافعي.[3]

''فقہ فقیہوں کے لیے ایک قفل تھا' جس کو اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کے ذریعہ کھولا''۔

جامعیت:

غرض امام صاحب کے حدیث وفقہ اور دیگر علوم میں تبحر کا یہ عالم تھا کہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ وہ کس فن میں خصوصی ملکہ رکھتے تھے' یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ جب امام شافعی عربیت کے متعلق گفتگو فرماتے تو میں کہتا کہ آپ اس میں ماہر ہیں' جب شعر و ادب میں گہر افشانی کرتے تو میں ان کو اسی کا سب سے بڑا عالم سمجھتا اور جب فقہی مباحث کو بیان کرتے تو ان میں سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والا سمجھتا۔

---

1 توالی التاسیس ص ۵۴۔ 2 معجم الادباء ج ۶ ص ۳۸۹۔

3 ایضاً ج ۳ ص ۳۸۰۔

marfat.com

ہارون بن سعید کا قول ہے کہ اگر امام شافعی پتھر کے ستون کو لکڑی کا ثابت کرنا چاہیں تو بخدا انہیں اس بات پر قدرت حاصل ہے۔[1]

فصاحت:

امام صاحب کو ہذلیین کے دس ہزار اشعار زبانی یاد تھے' قبیلہ ہذیل میں مدت دراز تک رہنے کی وجہ سے امام صاحب بھی نہایت فصیح اللسان ہو گئے تھے' عبداللہ بن احمد کا قول ہے کہ ''کان الشافعی من افصح الناس''[2] یونس کہتے ہیں کہ امام شافعی کے الفاظ میں نشہ کی سی سرمستی ہوتی تھی' جب ہم ان کے حلقہ میں بیٹھ کر گفتگو سنتے تو معلوم ہوتا جیسے وہ سحر کر رہے ہوں[3] بشر المریسی کا بیان ہے:

کان لسانه ینظم الدرر[4] ''ان کی زبان موتی پروتی تھی''۔

ابن ہشام نحوی فرماتے ہیں کہ:

طالت مجالستنا للشافعی فما سمعت منه لحنه قط ولا کلمة غیرها احسن منها[5]

''میں بہت دنوں تک امام شافعی کی صحبت میں رہا' میں نے ان سے کبھی زبان کی غلطی نہیں سنی اور نہ کوئی ایسا کلمہ سنا جس سے بہتر دوسرا کلمہ کہا جا سکتا ہو''۔

زعفرانی کا قول ہے کہ امام شافعی سے زیادہ فصیح البیان کسی کو نہیں دیکھا[6]

فصاحت و بلاغت کے ساتھ امام صاحب لسانیات اور لغت میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے' اس میں ان کے کلام کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا تھا' ابن ہشام صاحب المغازی جیسی شخصیت نے ''کان الشافعی حجة فی اللغة''[7] کے الفاظ میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

ایک دوسرے بزرگ کا قول ہے ''الشافعی کلامه لغة یحتج بها''[8]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۷۔ [2] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۹۳۔ [3] معجم المصنفین ج ۲ ص ۲۶۹۔
[4] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۹۔ [5] معجم الادباء ج ۶ ص ۳۸۸۔ [6] الانتقاء ص ۹۲۔
[7] الانتقاء ص ۹۲۔ [8] معجم الادباء ج ۱ ص ۹۳۔

marfat.com

امام شافعی اور علم اصول فقہ:

امام شافعی کا سب سے عظیم کارنامہ اصول فقہ کی ایجاد ہے' فن کی شکل میں سب سے پہلے انہیں نے اس کی بنیاد رکھی' اسنوی کا قول ہے کہ:

ان الشافعی هو اول من صنف فی اصول الفقه باجماع۔[1]

''امام شافعی نے بالاتفاق اصول فقہ میں سب سے پہلے تصنیف کی''۔

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ باتفاق امت امام صاحب اصول فقہ کے بانی ہیں اور انہی نے اس علم کے ابواب مرتب کیے اور قوت وضعف کے مراتب کی تشریح کی[2] علماء کا بیان ہے کہ اصول فقہ کی نسبت امام شافعی کی طرف بالکل اسی طرح ہے جیسے منطق کی..........ارسطا طالیس کی طرف[3]

بدرالدین زرکشی کہتے ہیں کہ امام شافعی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیف کی' اس فن میں انہوں نے کتاب الرسالة' کتاب احکام القرآن' اختلاف الحدیث' ابطال الاحسان' کتاب اجماع العلم' اور کتاب القیاس' لکھ کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا[4]

علامہ ابن خلدون رقمطراز ہیں: ''امام شافعی کو اصول فقہ کے مدون کرنے میں اولیت حاصل ہے' اس فن میں انہوں نے اپنا مشہور رسالہ ''الرسالہ'' تصنیف کیا' جس میں انہوں نے اوامر ونواہی کا بیان اور خبر ونسخ اور قیاس سے علت منصوصہ کے حکم کے بارے میں کلام کیا ہے' پھر اس کے بعد حنفی فقہاء نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔[5]

ان کے بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ امام شافعی ہی کو اصول

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ص ۱۰۔ ابجد العلوم ص ۳۲۶۔ وکشف الظنون ج ۲ص ۳۳۶۔

[2] مناقب الامام الشافعی ص ۹۸۔ [3] مرأۃ الجنان ج ۲ص ۱۸۔

[4] البحر المحیط بحوالہ امام شافعی ص ۶۱۔ [5] مقدمہ ابن خلدون ج ۱ص ۴۹۸۔

marfat.com

فقہ کے بانی اور واضع ہونے کا شرف حاصل ہے، بعض علماء کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس فن میں سب سے پہلے امام محمد نے کتاب لکھی۔

مشترقین یورپ نے بھی امام صاحب کو اس فن کا پہلا مصنف قرار دیا ہے گولڈز یہر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں لفظ ''فقہ'' کے تحت لکھتا ہے:

''محمد بن ادریس الشافعی کی خصوصیات میں سے ہے کہ انہوں نے مسائل شرعیہ کو مستنبط کرنے کے ضوابط وضع کیے اور تمام اصولوں کی حد بندی کی اپنے رسالہ میں قیاس عقلی کے ایسے اصول ایجاد کیے جن کی طرف قانون سازی کے وقت رجوع کرنا نہایت ضروری ہے''۔

ان گوناگوں خصوصیات کی بنا پر امام احمد نے بجا فرمایا تھا:

الشافعی للعلم کالشمس للدنیا و کالعافیة للبدن هل لهذین من خلف او عنها عوض[1]

''امام شافعی کی حیثیت علم کے لیے ایسی ہی تھی جیسے دنیا کے لیے سورج کی اور جسم کے لیے صحت کی، کیا ان دونوں کا کوئی بدل ہوسکتا ہے''۔

تصانیف:

امام صاحب نے مختلف علوم وفنون میں بکثرت کتابیں لکھیں جن کی تعداد کے متعلق متضاد بیانات ہیں، حافظ ابن حجر نے ڈیڑھ سو کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں[2] ابن ندیم نے ایک سو پانچ، اور ابن زولاق نے دو سو تک کتابوں کی تعداد بتائی ہے،[3] ایسے کثیر التصانیف مصنف کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، ان کی تصانیف میں سے اکثر تو ''کتاب الام'' مطبوعہ مصر میں یکجا شائع ہوچکی ہیں[4] اور بعض مخطوطہ شکل میں مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

---

1. الدیباج المذہب ص ۲۲۷ ومرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۷۔
2. توالی التاسیس ص ۱۱۶۔ 3. معجم الادباء ج ۶ ص ۳۹۸۔

marfat.com

امام صاحب کے قول قدیم کی کتابوں میں ''کتاب الحجۃ'' مشہور ہے جوانہوں نے بغداد کے آخری قیام زمانہ میں تصنیف کی تھی' اس کے سبب تالیف کے متعلق خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے پاس محدثین کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے درخواست کی کہ جب تک میری نظر سے امام اعظم کے مذہب سے متعلق تمام کتابیں نہ گزر جائیں' میں ان کے اقوال سے پوری طرح واقف نہیں ہوسکتا' چنانچہ میرے پاس امام محمد بن حسن شیبانی (صاحب ابی حنیفہؒ) کی کتابیں لائی گئیں' جن کا میں نے ایک سال تک بغور مطالعہ کیا حتیٰ کہ وہ مجھے زبانی یاد ہوگئیں' ان کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنی بغدادی کتاب ''الحجۃ'' تصنیف کی۔[1]

حاجی خلیفہ نے ''کتاب الحجۃ'' کے متعلق لکھا ہے کہ:

ھو مجلد ضخم الفہ بالعراق اذا اطلق القدیم من مذھبہ یراد بہ ھذا التصنیف۔[2]

''یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو عراق میں لکھی گئی' جب مطلق مذہب قدیم بولا جائے تو اس سے یہی کتاب مراد لی جاتی ہے''۔

اس کے علاوہ امام شافعی کی تین کتابیں جو مذہب جدید سے متعلق ہیں بہت مشہور اور امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔

❶ **کتاب الاسلام:** یہ کتاب امام شافعی کے مذہب جدید کی اہم تصنیف ہے۔ امام الحرمین وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ امام صاحب کی قدیم کتابوں میں ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس کی روایت ربیع بن سلیمان المرادی نے کی ہے' جو مصری ہیں[3] یہ کتاب پندرہ جلدوں میں ہے' جس کے کتب (ابواب واجزاء) کی تعداد مجموعی طور پر ایک سو پچاس ہے[4] کتاب الطہارۃ سے آغاز ہوا ہے۔

---

[1] توالی التاسیس ص ۷۶۔ [2] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۴۲۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۵۲۔ [4] کشف ج ۲ ص ۲۵۲۔

marfat.com

کتاب الام کو امام شافعی کے شاگرد رشید ربیع بن سلیمان مرادی نے روایت کیا ہے[1] لیکن خلیفہ چلپی نے اس کی تغلیط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ درحقیقت اس کے راوی بویطی ہیں' مگر انہوں نے اپنا نام ذکر نہیں کیا' ربیع بن سلیمان نے صرف اس کی تبویب کی ہے' اسی بنا پر نفس کتاب کو بھی ان ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔[2]

صاحب کشف الظنون کی یہ تحقیق سوء تفاہم پر مبنی ہے' اصل میں پوری کتاب تو ربیع بن سلیمان ہی نے امام صاحب سے روایت کی ہے' لیکن ابتداء کی چند روایات بواسطہ بویطی منقول ہیں' شاید اسی اشتباہ کی بنا پر حاجی خلیفہ نے پوری روایت کو بویطی کی روایت قرار دے دیا۔ علامہ ابن ندیم نے بھی لکھا ہے کہ رواہ عن الشافعی الربیع بن سلیمان[3]

کتاب الام کے حاشیہ پر مزنی (المتوفی ۲۶۴ھ) کی مختصر کبیر بھی مندرج ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے مطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی۔[4]

❷ الرسالۃ: یہ کتاب اصول فقہ میں ہے' امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن ابن مہدی نے امام شافعی سے درخواست کی تھی کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجیے' جس میں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے استدلال کے شرائط' ناسخ ومنسوخ اور عموم وخصوص کے مراتب کا بیان ہو' اس فرمائش پر امام شافعی نے ''الرسالۃ'' تصنیف فرمائی[5] اور اسے عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس بھیجا' انہوں نے پڑھ کر بے ساختہ فرمایا: ''ماظننت ان اللہ حلق مثل ھذا الرجل''[6] نیز وہ کہا کرتے تھے کہ میں ہر نماز کے بعد امام شافعی کے لیے دعا کرتا ہوں[7]

صاحب المعجم کتاب الرسالہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''ھو اول کتاب الف فی ھذا العلم''۔ اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوا۔ امام صاحب کے تلامذہ کی

---

[1] معجم المطبوعات ج ۱ ص ۴۶۹۔ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۶۶۔ [3] الفہرست لابن ندیم ص ۲۹۵۔ [4] معجم المطبوعات ج ۱ ص ۴۶۹۔ [5] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۶ وشذرات الذہب ج ۲ ص ۱۱ معجم الادباء ج ۶ ص ۸۸ وحسن المحاضرۃ ج ۱ ص ۱۲۲۔ [6] مرآۃ الجنان ج ۲ ص ۱۸۔

[7] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۲۵۔

marfat.com

ایک بڑی تعداد نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے‘ اس کے شارحین میں ابو بکر محمد بن عبداللہ الشیبانی (التوفی ۳۸۸ھ) کے نام مشہور و ممتاز ہیں۔

3 مسند شافعی: یہ کتاب احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے جن کو خود امام شافعی اپنے تلامذہ کے روبرو سند کے ساتھ روایت کیا کرتے تھے‘ یہ امام صاحب کی اپنی تصنیف نہیں ہے‘ بلکہ کتاب الام اور مبسوط میں جو احادیث ربیع بن سلیمان اور مزنی سے مروی ہیں‘ ابو جعفر محمد بن مطر نے ان کا انتخاب مسند امام شافعی کے نام سے کر دیا ہے،[1] چونکہ کتاب الام کی احادیث ابو العباس محمد بن یعقوب اصم نے ربیع بن سلیمان (جو امام شافعی کے بلا واسطہ شاگرد ہیں) سے سن کر جمع کی تھیں اسی لیے مسند کے جامع کی حیثیت سے بھی وہی مشہور ہیں‘ بعض علماء کا قول ہے کہ خود ابو العباس نے ان حدیثوں کا انتخاب کیا تھا،[2] اور محمد بن مطرف صرف اس کے کاتب تھے‘ یہ مسند نہ تو مسانید ہی کی ترتیب پر ہے نہ ابواب کی‘ بلکہ کیف ما اتفق انتخاب کر کے حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے‘ اس لیے اس میں تکرار بہت زیادہ ہے۔[3]

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ ”ابن عبداللہ علم الدین جلولی نے اس کو مرتب کیا ہے اور ایک بڑی جماعت نے اس کی شروح لکھی ہیں‘ جن میں ابن اثیر الجزری (التوفی ۶۰۶ھ) کی شرح ”کتاب شافی العینی فی شرح مسند الشافعی“ پانچ جلدوں میں‘ علامہ رافعی قزوینی (التوفی ۶۲۳ھ) کی الشرح الکبیر دو جلدوں میں‘ اور حافظ سیوطی کی ”شرح الشافی العینی علی مسند الشافعی“ مشہور ہیں‘ شیخ زین الدین حلبی نے ”المنتخب الرضی من مسند الشافعی“ کے نام سے اس کا انتخاب کیا ہے۔[4]

دو حدیثیں اور امام شافعی:

دوسرے مذاہب پر شافعی مذہب کی برتری پر ائمہ شوافع دو حدیثوں سے استدلال

---

1 کتاب الانساب للسمانی ور ۳۲۵۔ 2 کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۶۔

3 بستان المحدثین ص ۳۰۔ 4 کشف الظنون ج ۲ ص ۴۳۳ و مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۷۔

marfat.com

کرتے ہیں' جس سے اس کی فوقیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں' لیکن اس میں شبہ نہیں کہ امام شافعی کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

پہلی حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قال رسول الله صل الله عليه وسلم اللهم اهد قريشا العالم منهم فان علم العالم منهم يسع طباق الارض اللهم اذقت اولها نكالا فاذق آخرها نوالا [1]

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدایا قریش کو ہدایت عطا فرما' اس خاندان کا یہ عالم روئے زمین کو مالا مال کر دے' خدایا پہلے تو نے ان پر عذاب نازل کیا' اب ان پر انعام کی بخشش فرما''۔

اس حدیث کی سند کے متعلق علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے قول ''فان علم العالم منهم يسع طباق الارض'' سے مراد ملت کا ایسا قریشی عالم ہے' جس کا علم پوری دنیا میں پھیل جائے اور اس کی تالیفات مصاحف کی طرح لکھی جائیں' اس کے اقوال زبان زد خلائق ہوں' ہم کو امام شافعی کے علاوہ کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں چلتا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو'' [2]

ابو نعیم جرجانی فرماتے ہیں کہ'' قریشی صحابہ اور تابعین میں سے ہر اہل علم کا علم اگر چہ بہت پھیلا' لیکن اس کی کثرت' شہرت اور اشاعت پورے ربع مسکون میں اتنی نہ ہو سکی' جتنی امام شافعی کے علوم کی' اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ اس حدیث کے مصداق امام صاحب ہی ہیں'' [3]

اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعی کے علوم اور مذہب کو جو فروغ حاصل ہوا اس کی مثال حنفی مذہب کے سوا نہیں مل سکتی' عالم اسلام کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے' جہاں اس مذہب کا کوئی مدرس' مفتی یا مصنف موجود نہ ہو' امام احمد فرماتے ہیں:

---

[1] توالی التاسیس ص ۴۷۔　[2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۱۔

[3] توالی التاسیس ص ۴۷۔

marfat.com

اذا سألت عن مسألة لا اعرف فيها خبرًا قلت فيها بقول الشافعي لانه امام عالم ان قريش۔[1]

''جب بھی مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جس میں مجھے کوئی حدیث نہ ملی تو میں نے امام شافعی کے قول کے مطابق فتویٰ دے دیا کیونکہ وہ امام عالم قریش ہیں''۔

دوسری حدیث تجدید دین سے متعلق ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله يبعث لهٰذه الامة علىٰ رأس كل مائة سنة من يجددلها دينها.

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لیے ایک شخص کو مبعوث کرتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے''۔

اس حدیث کو ابو داؤد نے اپنی سنن اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ شیخ علی متقی نے بھی بیہقی کی معرفۃ السنن والآ ثار کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے۔[2] ملا علی قاری نے اس کی سند کو صحیح اور اس کے کل رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔[3]

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ پہلی صدی کے مجدد ہیں' اسی طرح باتفاق محققین دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہیں' انہوں نے بدعات کا قلع قمع کر کے سنت کا بول بالا کیا اور تمام روئے زمین کو قال اللہ وقال الرسول کے ترانوں سے معمور کر دیا۔

امام احمد بن حنبل اس حدیث کو مختلف طرق سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں' ہم نے غور کیا تو دیکھا کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں اور دوسری

---

[1] توالی التاسیس ص ۴۸۔

[2] کنز العمال ج ۶ ص ۲۳۸۔

[3] مرقات المفاتیح ج ۱ ص ۲۴۸۔

marfat.com

صدی کے امام شافعیؒ اور دونوں خاندان رسول ﷺ (یعنی قریش) بھی ہیں[1]

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ساتویں صدی تک تمام مجددین شافعی المذہب تھے[2]

تشیع کا الزام:

امام شافعی پر تشیع کا الزام بھی لگایا گیا ہے[3] اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ آپ آل رسول سے محبت رکھتے تھے۔

ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ امام شافعی سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ آپ میں تشیع کا رجحان پایا جاتا ہے' فرمایا وہ کیسے؟ کہا گیا کہ آپ آل رسول ﷺ کی محبت کا اظہار کرتے ہیں' آپ نے جواب دیا: لوگو! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور ولد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔

نیز ارشاد گرامی ہے''ان اولیائی من عترتی المتقون ''تو جب مجھ پر اپنے متقین اقرباء واعزہ سے محبت کرنا لازم ہے' تو کیا یہ بات دین میں سے نہیں ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے متقی اقرباء سے محبت کروں' کیونکہ آپ ﷺ بھی ان سے محبت فرمایا کرتے تھے۔

ان کان رفضا حب ال محمد فلیشهد الثقلان انی رافضی[4]

''اگر اہل بیت سے محبت ہی رفض کا نام ہے' تو اے جن وانس تم گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں''

---

[1] مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۹۵ وتوالی التاسیس ص ۴۸ ومعجم الادباء ج ۶ ص ۳۸۹ وسیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۶۰۔ [2] مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۹۰۔

[3] الفہرست لابن ندیم ص ۲۷۹ وروضات الجنات ج ۴ ص ۱۵۵۔

[4] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۹۱۔

marfat.com

ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا:

''اے ابوعبداللہ' یحییٰ بن معین اور ابوعبیدہ امام شافعی کی طرف تشیع کا انتساب کرتے ہیں''۔

امام احمد نے جواب دیا:

''واہ کیسی بات کرتے ہیں' بخدا مجھے امام شافعی سے بھلائی ہی کی امید ہے''۔

پھر ہم نشینوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

''جب کسی اہل علم کو حق تعالیٰ بلند مرتبہ عطا فرما دیتا ہے اور اس کے معاصرین و ہم عمر اس سے محروم رہتے ہیں تو وہ اس پر رشک و حسد کرتے ہیں اور بے بنیاد الزمات لگاتے ہیں' اہل علم میں یہ کتنی بری خصلت ہے''۔[1]

خود امام شافعی کی تردید اور امام احمد کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تشیع کا الزام محض معاصرانہ رشک و حسد کا نتیجہ ہے۔

---

[1] مناقب الامام الشافعی للرازی ص ۳۷۔

marfat.com

محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور غندر لقب تھا۔[1] بعض اہل تذکرہ نے ان کی کنیت ابوبکر بتائی ہے۔[2] ہذیل بن مدرکہ سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث ہذلی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر بصری کہلاتے ہیں، لیکن غندر کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے، یہ لقب ان کو ابن جریج نے عطا کیا تھا کیونکہ ابن جعفر ان سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے، اور اہل حجاز ایسے اشخاص کو عام طور سے غندر کے نام سے پکارتے تھے، کتابوں میں اس لقب سے موسوم متعدد تذکرے ملتے ہیں جن میں محمد بن جعفر کو اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے بہت ممتاز تھے۔

علم و مرتبت:

علم و فضل کے اعتبار سے شیخ غندر بلند مرتبہ اور جلیل القدر حفاظ حدیث میں تھے، امام شعبہ کے دامن فیض سے کامل بیس سال تک وابستہ رہے، اس طویل صحبت نے فضائل و کمالات میں اپنے استاد کا جانشین بنا دیا اور اسی بناء پر مرویات شعبہ کے باب میں ان کا پایہ باتفاق علماء سب سے بلند ہے، چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

احد ارباب المتقنین ولا سیما فی شعبۃ[3]

''وہ ارباب اتقان میں سے تھے بالخصوص امام شعبہ کے باب میں ان کا تثبت مسلم تھا''۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل انہوں نے امام شعبہ کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ

---

1. مرآۃ الجنان ج ا ص ۳۴۳۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۹۸۔
3. میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۳۶۔

marfat.com

معمر بن راشد' ابن جریج' ہشام بن حسان' سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ سے کی تھی' خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' یحیٰ بن معین' علی بن المدینی' ابوبکر بن ابی شیبہ' قتیبہ' عثمان بن ابی شیبہ اور ابوبکر بن خلاد کے نام نمایاں ہیں[1]

روایات کا پایہ:

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ غندر کی مرویات حجت اور قابل قبول ہیں' علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

كان ثقة جليلا حافظًا متقنًا[2]

''وہ ثقہ' جلیل المرتبت' حافظ اور صاحب اتقان تھے''۔

اتقان' ثبت اور ثقاہت ان کے نمایاں جوہر تھے' ایسے شیوخ حدیث کم ہی ہیں' جن کی مرویات پر کسی نے جرح کی جرأت نہ کی ہو' بلا شبہ ان ہی مستثنیات میں امام غندر بھی ہیں' ابن معین کا بیان ہے کہ بعض معاصر علماء نے شیخ غندر کی مرویات میں خامی نکالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ ناکام رہے اور برملا اعتراف عجز کیا کہ:

ما وجدنا شيئا[3]

''یعنی ہم کو کچھ نہیں ملا''۔

امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

غندر في شعبة اثبت مني[4]

''غندر امام شعبہ کے باب میں مجھ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے''۔

صحت کتاب:

امام غندر ان علماء متقنین میں سے تھے جن کی کتاب یعنی مجموعہ روایات اپنی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۹۷۔ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۲۴۔
[3] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۶۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

صحت و ثقاہت کی وجہ سے سند کا مقام رکھتی ہے چنانچہ ابن معین فرماتے ہیں: ''کان من اصح الناس کتابا''[1] امام وکیع انہیں صحیح الکتاب کہا کرتے تھے' عبدالرحمن بن مہدی کا ارشاد ہے۔ ''ہم لوگ شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کے خزینہ روایات سے استفادہ کرنے لگے تھے' عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ:

اذا اختلف الناس فی حدیث شعبة فکتاب غندر حکم بینهما[2]

''جب لوگ امام شعبہ کی کسی روایت کے بارے میں مختلف الرائے ہو جاتے تو غندر کی کتاب کو حکم قرار دیا جاتا''۔

عبادت:

دولت علم کے ساتھ زیور عمل سے بھی آراستہ تھے' پچاس سال تک مسلسل صوم داؤدی پر عمل پیرا رہے' یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار سے رہتے۔

مکث غندر خمسین سنة یصوم یوما ویفطر یوما[3]

''غندر پچاس سال تک ایک دن روزہ رکھتے رہے اور ایک دن بے روزہ رہتے''۔

وفات:

سنہ وفات میں بہت اختلاف ہے' لیکن صحیح ترین یہ ہے کہ ذی قعدہ ۱۹۳ھ میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا' اس وقت ۷۰ سال کی عمر تھی[4]

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۱۱۔ [2] میزان ج ۳ ص ۳۶۔ [3] مرآۃ الجنان ج ا ص ۴۴۳۔

[4] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۲۲' تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۹۸' العبر ج ا ص ۳۱۱۔

marfat.com

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ الانصاری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے:

محمد بن عبدالرحمٰن ابی لیلیٰ یسار بن بلال بن بلیل بن احیحہ بن الحلاج بن الحریش بن حجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری، اپنے دادا کی طرف منسوب ہو کر عام شہرت ابن ابی لیلیٰ کے نام سے پائی۔

نشوونما:

محمد بن عبدالرحمٰن کا خاندان، حسب ونسب اور شرف وکمال میں شروع ہی سے بلند رتبہ اور ممتاز خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ ان کے جد امجد یسار رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کی تھیں، جنگ احد وغیرہ متعدد غزوات میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب رہے اور شرف جہاد حاصل کیا، آخر میں کوفہ آ کر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

اسی طرح ان کے والد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بھی اپنے والد کے علاوہ کثیر التعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے فیض اٹھایا، اور پھر خود بھی بلند مرتبہ تابعین میں شمار کیے گئے اس خاندانی نسبت وشرف سے محمد بن عبدالرحمٰن کو بہرہ وافر نصیب ہوا، ان کے سن ولادت کا پتہ نہیں چلتا، لیکن اغلباً پہلی صدی ہجری کے ربع آخر میں کوفہ میں پیدا ہوئے، اس لیے کہ انہوں اپنے والد سے کسب فیض کا موقع نہ مل سکا تھا۔ جن کی وفات ۸۳ھ میں ہوئی۔[1]

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ص ۲۱۱۔

marfat.com

حدیث:

محمد بن عبدالرحمٰن کو حدیث میں کوئی خاص مقام حاصل نہ تھا' بلکہ ان کے علم و فضل کی اصلی جولانگاہ فقہ تھی' ان کی محدثانہ حیثیت پر کافی کلام کیا گیا' بہر حال جن ائمہ و علمائے فن کے خرمن کے فیض سے انہیں خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی' ان میں چند نمایاں نام یہ ہیں:

نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہ' عطا بن ابی رباح' سلمہ بن کہیل' داؤد بن علی' اسماعیل بن امیہ' اور شعبی وغیرہ[1]

تلامذہ:

اور خود ان سے مستفید ہونے والوں میں امام شعبہ' سفیان ثوری' زائدہ' سفیان بن عیینہ' وکیع' ابو نعیم' ابن جریج' محمد بن ربیعہ' عیسیٰ بن یونس وغیرہ جیسی یگانہ روزگار شخصیتیں شامل تھیں[2]

فقہ:

فقہ میں مہارت ان کا اصلی طغرائے امتیاز تھی' اس فن میں انہیں امام شعبی سے خصوصی تلمذ حاصل تھا' محمد بن عبدالرحمٰن کی محدثانہ حیثیت پر نقد و جرح کے باوجود تمام ائمہ و محققین نے ان کی فقیہانہ ژرف نگاہی کا بالاتفاق اعتراف کیا ہے' احمد بن یونس کا قول ہے:

کان ابن ابی لیلی افقه اهل الدنیا[3]

''محمد بن ابی لیلیٰ تمام دنیا کے فقہاء میں سب سے زیادہ تفقہ رکھتے تھے''۔

امام احمد فرماتے ہیں:

کان فقه ابن ابی لیلی احب الینا من حدیثه[4]

''محمد بن عبدالرحمٰن کی فقہ ہمارے نزدیک ان کی حدیث سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۹۔ [2] خلاصہ تذہیب الکمال ص ۳۴۲۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۴۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۲۔

marfat.com

سفیان ثوری کا بیان ہے:

فقهاء نا ابن ابی لیلیٰ و ابن شبرمة[1]

''ہمارے فقہاء تو صرف ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ ہیں''۔

علم وفضل:

علمی اعتبار سے وہ بلند مرتبہ اتباع تابعین میں شمار ہوتے تھے' سوء حفظ کے باوصف حدیث وفقہ میں انہیں کلی دسترس حاصل تھی' ابوحفص الابار خود ہی ان ہی کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ:

دخلت علی عطاء فجعل یسألنی و کان اصحابه انکرو ذالک فقال وما تنکرون هو اعلم منی[2]

''میں عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں حاضر ہوا' تو وہ مجھ سے گفتگو کرنے لگے۔ ان کے تلامذہ کو ناگوار گزر رہا تھا' یہ دیکھ کر عطاء نے فرمایا تم لوگ انہیں ناپسند کر رہے ہو' یہ مجھ سے بڑے عالم ہیں''۔

منصب قضا:

فقہ وفتاویٰ میں غیر معمولی مہارت اور کمال کی بنا پر وہ طویل مدت تک منصب قضا پر فائز رہے' ان کے فیصلوں اور فتووں کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ساجی کا بیان ہے کہ کان یمدح فی قضاءہ۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

ماولی القضاء احد افقه فی دین الله ولا اقرء لکتاب الله ولا اقول حق بالله ولا اعف من الاموال من ابن ابی لیلی[3]

''ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا کتاب اللہ کو پڑھنے والا' حق ک

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۰۳۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۵۶۔

[3] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۸۔

marfat.com

اور مالی امور میں پاک دامن شخص مسند قضا کی زینت نہیں بنا''۔

سلیمان بن مسافر کہتے ہیں کہ میں نے منصور سے ایک بار پوچھا کہ کوفہ میں اس وقت سب سے بڑا فقیہ کون ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا'' قاضی کوفہ محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ''۔[1]

اس منصب پر طویل عرصہ تک فائز رہنے کی بنا پر مفتی کوفہ اور قاضی کوفہ ان کے نام کے جزو ہی بن گئے تھے' سب سے پہلے یوسف بن عمرو ثقفی نے انہیں قضا کا منصب سپرد کیا تھا' پھر تقریباً ۳۳ سال تک وہ عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس' دونوں میں اس فریضہ کو حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے۔[2]

جرح وتعدیل:

اکثر علماء نے محمد بن عبدالرحمن کے حافظ اور روایت حدیث پر سخت نقد کیا ہے' چنانچہ امام شعبہ کہتے ہیں کہ: "ما رأیت اسوء من حفظه" یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے'' سئی الحفظ جدا '' دارقطنی لکھتے ہیں'' روی الحفظ کثیر الوهم ''[3] ابن حبان کا قول ہے:

کان فاحش الخطأ ردی الحفظ فکثرت المناکیر فی روایته

''وہ بہت فاحش غلطیاں کرتے تھے' حافظ خراب تھا' اس بنا پر ان کی روایات مناکیر بکثرت ہیں''۔

ساجی بیان کرتے ہیں:

کان یمدح فی قضاء ه فاما فی الحدیث فلم یکن حجة[4]

''ان کے فیصلوں کو سراہا جاتا تھا' لیکن حدیث میں وہ حجت نہیں تھے''۔

ان تمام تصریحات سے جہاں محمد بن عبدالرحمن کے سوء حافظ کا ثبوت ملتا ہے' وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کذب کا الزام کسی نے عائد نہیں کیا' حقیقت یہ ہے کہ

---

[1] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸۸۔ [2] مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۰۶۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۳۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۳۔

marfat.com

سوء حفظ کی بنا پر روایت حدیث اور اسناد میں ان سے لغزشیں سرزد ہو جاتی تھیں، اس میں ان کے قصد و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا تھا، جیسا کہ ساجی کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ: "سئي الحفظ لا یعتمد الکذب" نیز ابو حاتم نے تصریح کی ہے کہ قضا کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد وہ سوء حفظ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور روایت حدیث میں فاحش غلطیاں کرنے لگے مگر ان پر کذب کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔[1]

اسی بنا پر بعض ائمہ ان کی روایات کو قبول کرتے اور انہیں قابل حجت قرار دیتے ہیں، عجلی کا قول ہے:

کان فقیھًا صدوقًا صاحب السنة جائز الحدیث۔[2]

علامہ ذہبی ان کی مرویات کو حسن کے درجہ میں تسلیم کرتے ہیں اور میزان الاعتدال میں ان کی متعدد روایات بھی نقل کی ہیں۔

حلیہ:

بہت خوب رو اور حسین و جمیل تھے۔[3]

وفات:

رمضان المبارک ۱۴۸ھ میں علم کی یہ شمع فروزاں گل ہو گئی۔[4] وفات کے وقت بھی قاضی کوفہ تھے۔[5]

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۲۔ ۲ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۴۸۔

۳ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۲۔ ۴ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۱۵۴۔

۵ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۱۱۔

marfat.com

مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام مسلم کنیت عبداللہ وابو خالد اور زنجی لقب تھا، شجرہ نسب یہ ہے:
مسلم بن خالد بن فروہ بن مسلم بن سعید بن جرجہ قبیلہ مخزوم قریش کے ایک خاندان آل سفیان بن عبدالاسد سے نسبت ولاء رکھنے کی باعث مخزومی اور قرشی کہلاتے تھے[1]

لقب کی وجہ تسمیہ:

زنجی کا لقب صغر سنی ہی میں پڑ گیا تھا اور پھر اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ وہ نام کا جزو لاینفک بنا گیا، اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف ومتضاد بیانات ملتے ہیں، دراصل عام طور پر سوڈان کی حبشی اقوام کو زنجی کہا جاتا ہے، اس لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ مسلم بن خالد بھی سیاہ فام تھے، جیسا کہ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے سوید بن سعید سے ابن خالد کے زنجی کہلائے جانے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ''ان کا رنگ نہایت سیاہ تھا''[2] لیکن ابن سعید اپنے قول میں متفرد ہیں، اکثر علماء کی تحقیق اس کے خلاف ہے جس کے مطابق مسلم بن خالد نہایت سرخ وسفید رنگ کے مالک تھے اور اس کی ضد میں ان کا لقب زنجی پڑ گیا تھا، چنانچہ علامہ ابن اثیر الجزری رقمطراز ہیں ''لقب بالزنجی علی الضد لبیاضہ'' علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے اس لقب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ مسلم بن خالد کو زنجیوں کی مانند کھجور بہت پسند تھی، ان کی باندی نے ایک دن ان سے کہا:

''آپ کھجور کھانے میں بالکل زنجی ہیں''۔ بس اسی وقت یہ لقب پڑ گیا[3]

ولادت اور وطن:

مسلم بن خالد ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اصل وطن شام تھا[4] لیکن تاحیات مکہ مکرمہ

---

[1] اللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ ص ۵۰۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۹۔ [3] ایضاً ج ۱ ص ۵۰۹۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۹۔ [5] معارف ابن قتیبہ ص ۲۲۳۔

marfat.com

کی خاک پاک کو سرمۂ بصیرت بنائے رہے، یہاں تک کہ وطن اصلی کے بجائے مکی ہی کی نسبت شہرت حاصل ہوئی۔

فضل وکمال:

علم وفضل، زہد وعبادت اور ورع وتقویٰ میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، گوحدیث میں انہیں کوئی لائق ذکر مقام حاصل نہ تھا، لیکن فقہ میں اپنے وقت کے امام اور مجتہد تسلیم کیے جاتے تھے، مکہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز تھی۔ ان کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ امام شافعی کے استاذ تھے۔ امام شافعی نے ان ہی کے فیضان صحبت سے فقہ کی تحصیل کی تھی، اور صرف پندرہ سال کی کم سنی میں ان سے افتاء کی اجازت حاصل کر لی تھی۔[1]

علامہ ابن قتیبہ رقمطراز ہیں: ''کان عابدًا مجتهدًا''[2] حافظ ذہبی لکھتے ہیں ''تفقه وافتى وتصدر للعلم''[3]

شیوخ وتلامذہ:

ان کے حلقہ اساتذہ میں متعدد کبار تابعین کے نام شامل ہیں جن میں سے کچھ لائق ذکر یہ ہیں، ہشام بن عروہ، ابن شہاب الزہری، محمد بن دینار، زید بن اسلم، عبداللہ بن عمر، عتبہ بن مسلم، داؤد بن ابی ہند، ابن جریج۔

اسی طرح خود ان کی بارگاہ علم ودانش میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے والے علماء میں عبداللہ بن وہب، امام شافعی، عبدالملک بن الماجشون، مروان بن محمد، ابراہیم بن شاش، حمیدی، ابونعیم، علی بن الجعد، ہشام بن عمار اور سوید بن سعید کے نام ممتاز ہیں۔[4]

جرح وتعدیل:

مذکور ہوا کہ مسلم بن خالد کے تبحر وکمال کی تمام تر جولانگاہ فقہ تھی، حدیث میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۳۱۔ [2] معارف ابن قتیبہ ص ۲۲۳۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۳۲۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۸

maarfat.com

انہیں کوئی لائق ذکر حیثیت حاصل نہ تھی' ابن معین اور بعض دوسرے علماء نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے[1] لیکن اکثر علمائے فن کے نزدیک ان کی عدالت و ثبت مشتبہ ہے' امام ابو داؤد اور نسائی نے ضعیف اور بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے' ابو حاتم کا خیال ہے کہ وہ صرف فقہ کے امام تھے اور حدیث میں لائق حجت نہیں[2] علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان کثیر الحدیث کثیر الغلط و الخطاء فی حدیثہ[3]

''وہ کثیر الحدیث ضرور تھے لیکن اس کے ساتھ ان کی روایت غلط سلط بھی بہت ہوتی تھیں''۔

ساجی آپ کے صدق کا اعتراف کرنے کے باوصف ''کثیر الغلط'' قرار دیتے ہیں[4]

عبادت:

علم و فضل میں بلند مرتبہ ہونے کے ساتھ عبادت و ریاضت کا پیکر مجسم تھے' برابر روزہ رکھتے اور کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے' احمد الازرقی کا یہ بیان تمام ارباب تراجم نے نقل کیا ہے کہ: ''کان فقیہا مفتیا عابدا یصوم الدھر''[5] (وہ فقیہ' مفتی' عبادت گزار تھے' ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے)

حلیہ:

ملاحت لیے ہوئے گورا رنگ تھا' چہرہ پر سرخی جھلکتی تھی' جس کی وجہ سے خوبروئی میں بہت اضافہ ہوگیا تھا[6]

وفات:

۱۸۰ھ میں بمقام مکہ ہارون الرشید کے ایام خلافت میں رحلت فرمائی ۸۰ سال کی عمر پائی[7]

---

[1] معارف ابن قتیبہ ص ۲۳۳۔ [2] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۷۵۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۶۶۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۹۔ [5] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۶۶ و شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹۴۔ [6] معارف ابن قتیبہ ص ۲۲۳۔ واللباب فی تہذیب الانساب ج ۱ ص ۵۰۹۔ [7] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۶۶ و شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹۴۔

marfat.com

معاذ بن معاذ عنبری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

معاذ نام اور ابوالمثنیٰ کنیت تھی[1] پورا نسب نامہ یہ ہے' معاذ بن معاذ بن نصر بن حسان بن الحر بن مالک بن الخشخاش بن جناب بن حارث بن خلف بن الحارث بن مجفر بن کعب بن العنبر بن عمرو بن تمیم بن مر بن اد بن طانجہ بن الیاس بن نصر[2] عنبری اور تمیمی خاندانی نسبتیں ہیں۔

وطن اور ولادت:

ابوالمثنیٰ ۱۱۹ھ کے اواخر میں متولد ہوئے اس وقت بغداد کے تحت سلطنت پر خلیفہ ہشام بن عبدالملک داد حکمرانی دے رہا تھا[3] یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ: ''ابوالمثنیٰ مجھ سے عمر میں دو ماہ بڑے تھے' کیونکہ ابوالمثنیٰ ۱۱۹ھ کے اواخر میں پیدا ہوئے اور میری ولادت ۱۲۰ھ کے آغاز میں ہوئی۔

فضل وکمال:

وسعت علم کے لحاظ سے وہ نہایت بلند مرتبت تھے' حدیث اور فقہ کے جامع اور دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے' اس فضل وکمال کی بنا پر اکابر حفاظ حدیث اور مشاہیر تبع تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے' کمالات فنی کے ساتھ ذکاوت و فطانت' عقل وفرزانگی اور تواضع وانکسار ان کے خاص اوصاف ہیں' علماء نے ان کی جلالت شان کو بالاتفاق تسلیم کیا ہے' حافظ ذہبی ''کان احد الحفاظ'' اور ''الامام الحافظ العلامۃ''[4] لکھتے ہیں۔

حدیث:

حدیث میں انہیں خصوصی ورک حاصل تھا' امام احمد فرماتے ہیں کہ علم حدیث ابوالمثنیٰ

---

[1] المعارف لابن قتیبہ ص ۲۲۳۔ [2] اخبار القضاۃ ج ۲ ص ۱۳۷۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۷۔
[4] العبر ج ۱ ص ۳۳۰ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۷۔

marfat.com

کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔[1] یعنی وہ اس کی روایت و تدریس میں غایت درجہ دلچسپی اور شغف رکھتے تھے اور اس میں انہیں ایک خاص سرور و کیف حاصل ہوتا تھا' جن محدثین سے وہ مستفید ہوئے ان میں سلیمان التیمی' عبداللہ بن عون' سعید بن عروبہ' شعبہ بن الحجاج' سفیان ثوری' حمید الطویل' حاتم بن ابی صغیرہ' عاصم بن محمد' قرہ بن خالد' درقا بن عمرو وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔[2]

تلامذہ:

ان کے معدان علم سے اکتساب فیض کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے' کیونکہ ابوالمثنیٰ نے بصرہ کے علاوہ بغداد اور دوسرے مقامات پر بھی اپنے فیض تشنگان علم کو شاد کام کیا تھا' ممتاز تلامذہ کی فہرست میں ان کے صاحبزادگان عبیداللہ اور مثنیٰ کے علاوہ چند نام یہ ہیں: علی بن المدینی' احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' ابوخیثمہ' ابوبکر بن ابی شیبہ' حکم بن موسیٰ' قتیبہ' بندار' محمد بن حاتم' عبدالرحمٰن بن ابی الزناد' عثمان بن ابی شیبہ' ابراہیم بن محمد۔[3]

فقہ:

حدیث ہی کی طرح فقہ میں بھی انہیں کمال حاصل تھا' ابن حبان کا بیان ہے:

كان فقيها عالما متقنا[4]

تثبت و اتقان:

روایت حدیث میں ان کے تثبت اور اتقان کا پایہ غایت درجہ بلند تھا' ناقدین فن نے اس خصوصیت میں ان کو عدیم النظیر قرار دیا ہے' چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان جیسے عبقری وقت نے برملا اعتراف کیا ہے کہ:

ما بالبصرة ولا بالكوفة ولا بالحجاز اثبت من معاذ بن معاذ[5]

"بصرہ' کوفہ اور حجاز میں کوئی بھی معاذ بن معاذ سے زیادہ تثبت رکھنے والا کوئی نہ تھا"۔

---

1. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۹۴۔ 2. تذکرہ ج ۱ ص ۲۹۷ و تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۱۔ 3. تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۱۔ 4. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۹۵۔ 5. العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۲۰۔

marfat.com

امام احمد کا بیان ہے:

الیه المنتهی فی التثبت بالبصرة[1]

''بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم تھا''۔

ثقاہت:

اسی طرح نہایت ثقہ اور عدول تھے' جس کی سند یہ ہے کہ ان کی مرویات کو ائمہ صحاح اور علمائے امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے۔

امام نسائی کا قول ہے: ''ثقة تثبت ''ابن سعد رقمطراز ہیں: ''کان ثقة''[2] علاوہ ازیں ابو حاتم' امام بخاری' اور ابن حبان وغیرہ نے بھی بصراحت ان کی ثقاہت کی تصدیق کی ہے۔

قضاءت:

ابوالمثنیٰ اپنے کمال تفقہ کی بنا پر دوبار بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے' پہلی مرتبہ ۱۷۲ھ میں اس منصب کو عزت بخشی[3] لیکن صرف ایک ہی سال فرائض منصبی ادا کر پائے تھے کہ بعض لوگوں کی شکایت پر حاکم محمد بن سلیمان نے ان کو معزول کر کے عبدالرحمٰن محمد المخزومی کو قاضی مقرر کر دیا[4] پھر جب ۱۸۱ھ میں قاضی بصرہ عمر بن حبیب العدوی کی معزولی کے بعد دوسری مرتبہ اس عہدہ پر فائز ہوئے اور ایک طویل عرصہ تک بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دیتے رہے' حتیٰ کہ وفات سے پانچ سال قبل رجب ۱۹۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے ان کے خلاف علماء اور عوام کی مسلسل شکایتوں سے مجبور ہو کر انہیں عہدہ سے برطرف کر دیا[5]

معزولی کے اسباب:

قاضی معاذ کے خلاف ناراضگی کی شکایات کے متعدد اسباب تھے' انہوں نے اپنے عہد قضا میں بہت جرأت' حق گوئی اور بے باکی کے ساتھ عدالتی فیصلے نافذ کیے' اس میں وہ عام و خاص کی کوئی تفریق نہ رکھتے تھے' چنانچہ اعیان دولت اپنی مرضی کے خلاف

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۷۔ [2] ابن سعد ج ۷ ص ۴۷۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۳۲۔
[4] اخبار القضاۃ ج ۲ ص ۱۳۸۔ [5] اخبار القضاۃ ج ۲ ص ۱۵۴۔

marfat.com

فیصلوں کی بنا پر انہیں سخت ناپسند کرنے لگے تھے۔

علاوہ ازیں کبرسنی کی وجہ سے وہ گوناگوں جسمانی عوارض واعذار کا شکار ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں انہوں نے بصرہ کے چند علماء کو اپنا مقرب خاص بنا لیا تھا' چنانچہ جب قاضی موصوف ایوان عدالت میں بیٹھتے تو یہ لوگ بھی وہاں موجود رہتے' اور بعض اوقات اپنی مرضی کے مطابق امور قضا طے کرا لیتے تھے' اس بدنما صورت حال سے ایک عام ناراضگی پھیلنے لگی' شعرا نے معاذ بن معاذ کی طویل ہجویں کہیں اور فقہا وعلماء نے خلیفہ وقت سے مل کر اپنی بے اعتمادی کا اظہار کیا' جب شکایتوں کی کثرت ہوگئی' تو ہارون الرشید نے انہیں معزول کر دیا۔

کثرت دیانت:

دیانت وتقویٰ میں ان کے علو مرتبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ عہدہ قضا کے زمانہ میں ایک دن سخت بارش ہو رہی تھی' لیکن اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹے! اب میں ایوان عدالت میں جا رہا ہوں' لڑکے نے عرض کیا: ''ابا جان! آج تو اتنی بارش ہو رہی ہے لوگ کہاں آئیں گے''؟ کمال دیانت سے فرمایا: ''اس سے کیا ہوتا ہے' اجلاس کرنا تو ضروری ہے' ورنہ پھر ہمارے لیے کس طرح جائز ہوگا کہ ہم یومیہ اتنے درہم کا مشاہرہ لیتے رہیں''۔ اور پھر اسی زوردار بارش میں جا کر ایوان عدالت میں بیٹھے۔[1]

سادگی:

بایں ہمہ جلالت علم وفن اور عہدہ ومنصب کے ان کی زندگی نہایت سادہ اور صولت وشوکت سے عاری تھی' جب انہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا تو معتمر بن سلیمان ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت معنی خیز انداز میں کہا: ''ابوالمثنیٰ اب تو آپ قاضی ہو گئے ہیں''۔ قاضی معاذ فوراً الفاظ کی تہہ کو پہنچ گئے اور بجائے کچھ جواب دینے کے ان کو

---

[1] ... قضاۃ ج ۲ ص ۱۳۹۔

marfat.com

اپنے مکان میں لے گئے وہاں ابن سلیمان نے جو گرد و پیش کا جائزہ لیا تو دھوپ میں بستر کی جگہ ایک چٹائی پڑی تھی' قاضی معاذ اپنے بالائی جسم پر کرتے وغیرہ کی بجائے ایک بہت پرانی روئیں دار چادر لپیٹے ہوئے تھے' اس منظر کو دیکھ کر ابن سلیمان ضبط نہ کر سکے اور بادیدہ نم خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکل آئے۔[1]

عقل و فرزانگی:

فیض قدرت نے دیگر فضائل و مناقب کے ساتھ ان کو عقل و فہم سے بھی بہرۂ وافر عطا کیا تھا' امام احمد جنہیں ان سے تلمذ خاص حاصل تھا' بیان کرتے ہیں کہ میں نے معاذ بن معاذ سے زیادہ دانشمند کسی کو نہیں دیکھا۔ ''ما رأیت اعقل منه''۔[2]

عقائد میں تشدد:

ان کے عقائد تمام مبتدعانہ خیالات کی آمیزش سے پاک و صاف تھے' خلق قرآن کا فتنہ گو ان کی وفات کے بعد بہت گرم ہوا' لیکن متکلمین کے اس متنازعہ فیہ مسئلہ میں ان کا مسلک بہت دوٹوک تھا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے' چنانچہ خود ان کا قول ہے کہ:

من قال القرآن مخلوق فهو والله زنديق.[3]

''جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو وہ بخدا زندیق ہے''۔

وفات:

خلیفہ امین کے عہد حکومت میں ۲۹ ربیع الآخر ۱۹۶ھ کو بمقام بصرہ علم و عمل کا یہ چراغ روشن گل ہو گیا۔[4] نماز جنازہ بصرہ کے امام محمد بن عباد المہلبی نے پڑھائی وفات کے وقت ۷۷ سال کی عمر تھی۔[5]

۱۔ اخبار القضاۃ ج ۲ص ۱۲۹۔ ۲۔ العبر فی خبر من غبر ج اص ۳۲۰۔ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۹۷۔
۳۔ تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۹۷۔ ۴۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۱۹۵' و المعارف ص ۲۲۳۔
۵۔ طبقات ابن سعد ج ۷ص ۴۸۔

marfat.com

معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

معافی نام اور ابو مسعود کنیت تھی' نسب نامہ یہ ہے: معافی بن عمران ابن محمد بن عمران بن نفیل بن جابر بن وہب بن عبیداللہ بن لبید بن جبلہ بن غنم بن دوس بن محاسن بن سلمہ بن فہم[1] حافظ ابن حجر نے اس سے کچھ مختلف سلسلہ نسب کا ذکر کیا ہے' جو اس طرح ہے' معافی بن عمران بن نفیل بن جابر بن جبلہ بن عبید بن لبید بن محاسن بن سلمہ بن مالک بن فہم[2] ازدی' فہمی' نفیلی اور موصلی ان کی خاندانی اور وطنی نسبتیں ہیں۔

ولادت اور وطن:

عراق کے مشہور مردم خیز شہر موصل کے رہنے والے تھے' سنہ ولادت کی تصریح نہیں ملتی' لیکن علماء نے ان کا سال وفات ۱۸۵ھ اور عمر ۶۰ سال ذکر کی ہے' جس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم وتربیت:

انہیں کم عمری سے ہی طلب علم کا بے پناہ شوق تھا' چنانچہ بکثرت مقامی علماء سے اکتساب فیض کے بعد بھی ان کی تشنگی علم فرو نہ ہوسکی اور دوسرے ملکوں کا سفر کرکے وہاں کے ممتاز منبع ہائے علم سے سیراب ہوئے' اسی سلسلہ میں کوفہ پہنچے' جو حرمین کے بعد علوم دینیہ کا سب سے بڑا مرکز شمار ہوتا تھا' اور وہاں زمرہ تابعین کے گل سرسبد حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں ایک عرصہ تک قیام کرکے فقہ' ادب اور حدیث میں مہارت پیدا کی' اس طویل شرف صحبت نے ان کو امام ثوری کے علوم کا گنجینہ بنادیا تھا' ابو زکریا الازدی اپنی تاریخ موصل میں لکھتے ہیں:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۹۹

marfat.com

رحل فی طلب العلم الی الآفاق وجالس العلماء ولزم الثوری وتادب بادابه وتفقه به واکثر عنه[1]

''انہوں نے طالب علم کے سلسلہ میں دنیا کا سفر کیا' علماء کی صحبت میں بیٹھے' علی الخصوص امام ثوری سے فقہ وادب وغیرہ کی کافی تحصیل کی''۔

شیوخ:

ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے' کیونکہ انہوں نے عراق اور جزیرہ کے علاوہ دنیا کے تقریباً ہر ممتاز علمی مرکز سے اکتساب فیض کیا تھا خود اپنے بیان کے مطابق انہوں نے آٹھ سو شیوخ سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا' ان میں لائق ذکر اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

ہشام بن عروہ' ابن جریج' امام اوزاعی' سعید بن ابی عروبہ' سفیان ثوری' مالک بن مغول' حریز بن عثمان' سلیمان بن ہلال' ابراہیم بن طہمان' اسرائیل بن یونس' ثور بن یزید' جعفر بن برقان' حماد بن سلمہ' حنظلہ بن ابی سفیان' عبدالمجید بن جعفر' زکریا بن اسحاق' ہشام بن سعد۔

تلامذہ:

ان کے حلقہ تلامذہ میں بہت سے نامور علماء شامل ہیں' ان کے صاحبزادگان احمد وعبدالکبیر کے علاوہ چند ممتاز نام یہ ہیں' بشر الحافی' اسحاق بن عبدالواحد قرشی' ابراہیم بن عبداللہ' محمد بن عبداللہ بن عمار' محمد بن جعفر الورکانی' حسن بن بشر البجلی' مسعود بن جویریہ' ہشام بن بہرام' محمد بن علی الموصلی' یحییٰ بن مخلد المقسمی' موسیٰ بن مروان الرقی[2]

علم وفضل:

فضل وکمال کے اعتبار سے ان کا شمار علمائے اعلام میں ہوتا ہے بالخصوص موصل اور جزیرہ میں علوم دینیہ کو انہی کی جدوجہد سے فروغ حاصل ہوا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۱۹۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۳۴۸۔

marfat.com

چنانچہ بقول علامہ ابن سعد ''اہل موصل ان کو اپنے لیے مایۂ صد افتخار و ناز تصور کرتے تھے[1] سفیان ثوری ان کی جلالت شان کے اس حد تک معترف تھے کہ انہیں ''یاقوت العلماء'' کا خطاب دے دیا تھا،[2] ابن عماد کا بیان ہے کہ:

الم أر احد اقط افضل منه[3] ''میں نے ان سے بڑا فاضل نہیں دیکھا''

بشر بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ معافی علم و دانش اور نیکی و صالحیت کا پیکر مجسم تھے۔

كان المعافى محشوًا بالعلم و الفهم و الخير.[4]

''معافی میں علم و فہم اور صلاح و خیر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا''۔

حدیث:

حدیث میں انہیں خاص درک و کمال حاصل تھا' ائمہ جرح و تعدیل نے ان کی مرویات کو ثقہ اور حجت قرار دیا ہے' ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان ثقة فاضلا خيرا صاحب سنة[5]

''وہ متقی' فاضل' شریف و نیک اور اہل دانش تھے''۔

علاوہ ازیں ابن معین' ابو حاتم' ابن خراش اور عجلی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔[6]

تقویٰ و صالحیت:

کمال علم کے ساتھ زہد و عبادت اور تقویٰ و صالحیت بھی ان کا طغرائے امتیاز تھی' ابو زکریا ازدی کا بیان ہے کہ:

كان زاهدًا فاضلا شريفًا كريمًا عاقلًا[7]

''وہ متقی' فاضل' شریف و نیک اور اہل دانش تھے''۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے' عبداللہ بن مبارک جو عمر میں ان سے بہت بڑے تھے' فخر کے ساتھ ان سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸۴۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۴۔

[3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۸۰۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۰۔

[5] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸۴۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۰۔

marfat.com

حدثنی الرجل الصالح[1]

رضا برضائے الٰہی:

غم و مسرت ہر موقع پر خداوند قدوس کی مشیت پر راضی و شاکر رہتے تھے' خوارج نے ان کے دو لڑکوں کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیا تھا' لیکن کبھی خدا کے سامنے حرف شکایت زبان پر نہ لائے[2]

سیر چشمی:

اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرت علم کے ساتھ دنیاوی خوش حالی اور فارغ البالی سے بھی سرفراز کیا تھا' مال و دولت کے علاوہ بڑے صاحب جائیداد تھے لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی نہایت سادہ تھی' جو کچھ غلہ ان کے پاس آتا تھا' اس میں سے بقدر کفاف رکھ کر باقی سب اپنے احباب میں جن کی تعداد ۳۴ تھی تقسیم کر دیتے تھے[3] بشیر بن الحارث کا بیان ہے کہ شیخ معافی کبھی تنہا کھانا تناول نہ فرماتے تھے بلکہ اپنے ساتھ دستر خوان پر کچھ لوگوں کو ضرور شریک کرتے[4]

وفات:

باختلاف روایت ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ میں رحلت فرمائی[5] ابن عماد حنبلی نے اول الذکر کو اصح قرار دیا ہے[6] انتقال کے وقت ۶۰ سال کی عمر تھی۔

تصنیف:

ابوزکریا ازدی نے ''تاریخ موصل'' میں امام معافی کو حدیث وغیرہ کی بکثرت کتابوں کا مصنف لکھا ہے[7] لیکن کسی دوسرے مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوئی''۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۲۔ [3] ایضاً۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۰۰۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۳۔

[6] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۸۔ [7] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۲۔

marfat.com

معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نام معمر' کنیت ابو عروہ اور والد کا اسم گرامی راشد تھا[1] بصرہ کے ایک شخص عبدالسلام بن عبدالقدوس کے غلام تھے' جنہیں خود قبیلہ ازد کی حدان نامی ایک شاخ سے نسبت ولاء حاصل تھی' اسی بالواسطہ نسبت کی وجہ سے ابوعروہ ازدی اور حدانی مشہور ہوئے' بنوحدان بصرہ میں آکر جس مقام پر آباد ہوئے تھے' وہ بھی محلہ حدان کہا جانے لگا تھا[2]

وطن اور ولادت:

95ھ میں پیدا ہوئے' بصرہ کے رہنے والے تھے' لیکن پھر حالات سے مجبور ہوکر یمن میں مستقل بودوباش اختیار کرلی تھی[3] اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ یمن کے اکابر شیوخ سے اکتساب فیض کرنے کے لیے وہاں گئے' پھر جب فارغ ہونے کے بعد وطن مالوف واپسی کا عزم کیا' تو اہل صنعا جوان کے علم وفضل اور حسن اخلاق سے بے حد متاثر تھے' انہیں چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے' اور ایک شخص نے انہیں مستقل طور پر یمن میں روکنے کے لیے یہ ترکیب نکالی کہ ان کا عقد وہیں کردیا' چنانچہ پھر یمن ہی ان کا وطن ثانی بن گیا[3]

طلب علم:

ابن راشد غلام ہونے کے باوجود تحصیل علم کی فطری استعداد اور بہت ذوق و شوق رکھتے تھے' بقول امام احمد معمر اپنے عہد کے علماء میں سب سے زیادہ علم حاصل کرنے والے اور اس کے جویاں رہتے تھے[4]

چنانچہ اسی لگن اور اخلاص کا ثمرہ تھا کہ یمن کا سفر کرکے اس کے مرکز علم سے مستفید ہونے

---

1 شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۳۵۔ 2 اللباب فی الانساب ج ۱ ص

3 الاعلام ج ۳ ص ۱۰۵۸۔ 4 تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۴۴۔

marfat.com

والوں میں انہیں اوّلیت کا فخر حاصل ہے' یمن میں اس وقت مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آغوش تربیت کے پروردہ ہمام بن منبہ کا فیض جاری تھا' معمر ان سے پوری طرح مستفید ہوئے[1] اس کے علاوہ بصرہ میں قتادہ' اور رصافہ میں امام زہری کی خدمت میں حاضر ہو کر خصوصی تلمذ کا شرف حاصل کیا تھا' حضرت قتادہ سے سماع حدیث کے وقت معمر کی عمر ۱۴ سال کی تھی' اس کم سنی میں انہوں نے شیخ مذکور سے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ آخر عمر تک مستحضر رہا جیسا کہ خود ان ہی کا بیان ہے:

سمعت من قتادہ ولی اربع عشرۃ سنۃ فما سمعتہ اذک کانہ مکتوب فی صدری.[2]

''میں نے قتادہ سے چودہ سال کی عمر میں سماع حاصل کیا تھا' اور ان سے میں نے اس وقت جو کچھ سنا تھا وہ گویا میرے قلب پر نقش ہو گیا تھا''۔

فضل وکمال:

طلب علم اس جانکاہ محنت ولگن کے نتیجہ میں وہ فضل وکمال کے آسمان خورشید تاباں بن کر چمکے اور زبان خلق نے انہیں .... عالم الیمن کے لقب سے سرفراز کیا۔ ابن جریج جیسے منتخب روزگار امام بھی معمر کی توصیف میں رطب اللسان ہیں' چنانچہ وہ اپنے تلامذہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے۔

علیکم بعمر فانہ لم یبق فی زمانہ اعلم منہ.[3]

''معمر کے فیض صحبت سے مستفید ہو' اس لیے کہ اپنے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا''۔

امام احمد کا بیان ہے کہ ہم جب بھی معمر کا دوسرے اہل علم سے موازنہ کرتے تو ہمیشہ معمر

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۲۲۱ ومرآۃ الجنان ج ۱ص ۳۰۳۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۷۱ ومیزان الاعتدال ج ۳ص ۱۸۸۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۲۴۵۔

marfat.com

کو فوقیت حاصل ہوتی[1] ابن عماد حنبلی ان کو ''عالم الیمن ثقہ ورع'' اور حافظ ذہبی ''احد الاعلام الثقات الامام الحجۃ'' لکھتے ہیں[2]

حدیث:

علم حدیث اور اس کے متعلقات میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، ہزاروں حدیثیں ان کے خزانہ دماغ میں محفوظ تھیں، عبدالرزاق بن ہمام بیان کرتے ہیں کہ:

کتبت مع معمر عشرۃ الاف حدیث.[3]

''میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں''۔

ان کے شیوخ حدیث کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں اکابر تابعین اور ممتاز اتباع تابعین کی کافی تعداد شامل ہے، امام زہری، ہشام بن عروہ، قتادہ، عمرو بن دینار، یحیٰ بن کثیر، ہمام بن منبہ، ثابت البنانی، عاصم الاحول، ابو اسحاق السبیعی، ایوب السختیانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، عبداللہ بن طاؤس، سماک بن الفضل، اسماعیل بن علیہ، محمد بن المنکدر کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اور خود معمر کے فیضان صحبت سے شاد کام ہونے والوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، غندر، عبدالرزاق بن ہمام، سفیان بن عیینہ، ہشام بن یوسف، اسماعیل بن علیہ، یزید بن زریع، سعید بن ابی عروبہ، ابن جریج، امام شعبہ، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، محمد بن ثور اور عبداللہ بن معاذ کے نام نمایاں ہیں، علاوہ ازیں معمر کے شیوخ میں سے یحیٰ بن کثیر، ابو اسحاق سختیانی اور عمرو بن دینار نے بھی بایں ہمہ تبحر علم وفن ان سے روایت کی ہے، جو معمر کے علو مرتبت اور بلندی شان کی بین دلیل ہے[4]

ثقاہت:

اکثر علمائے جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، بالخصوص امام زہری سے ان کی مرویات کا پایہ نہایت بلند ہے، ابن معین کا بیان ہے کہ: ''معمر اثبت الناس فی

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۲۲۰۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ص ۲۳۵ ومیزان الاعتدال ج ۳ص
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۷۱۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۲۴۴ ومرأۃ الجنان ج ۱ص ۳۲۳۔

marfat.com

الزہری"[1] عجلی کا قول ہے:

بصری سکن الیمن ثقة رجل صالح[2]

"وہ بصرے کے رہنے والے تھے، یمن میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ثقہ اور نیک انسان تھے"۔

امام نسائی کہتے ہیں "ھو ثقة مامون"[3] علی بن مدینی اور ابو حاتم معمر کا شمار ان علمائے کبار میں کرتے تھے، جن پر مشیخت اسناد ختم تھی[4]

مناقب وفضائل:

ان گوناگوں علمی کمالات کے علاوہ ابن راشد اور بھی بہت سی انسانی خوبیوں کے حامل تھے، نیک طینتی، تقویٰ، صالحیت اور بلند ظرفی ان کے خاص جوہر تھے، حافظ ذہبی اور علامہ شافعی خامہ ریز ہیں "کان صالحًا خیرًا"[5]

ابن سعد لکھتے ہیں کان معمر جلاله قدر ونبل فی نفسه[6] اہل یمن ان ہی محاسن واوصاف حمیدہ کی بنا پر ان کے والہ وشیفتہ ہو گئے تھے، استغنا اور اخفائے عمل خیر کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حاکم یمن، معن بن زائدہ نے انہیں کچھ سونا ہدیۃً بھیجا، معمر نے اسے نہ صرف واپس کر دیا بلکہ اپنی شریکہ حیات کو سختی سے تنبیہ کر دی کہ اگر تم نے کسی کو یہ بات بتائی، تو میں سخت اقدام کروں گا[7]

وفات:

رمضان ۱۵۳ھ میں ان کا آفتاب حیات غروب ہو گیا[8] وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی[9]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۷۱ و میزان الاعتدال ج ۳ص ۱۸۸۔ [2] خلاصہ تذہیب وتہذیب الکمال ص ۳۸۴۔ [3] ایضاً۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۲۴۴۔ [5] العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۲۲۱، ومرأۃ الجنان ج ۱ص ۳۲۳۔ [6] طبقات ابن سعد ج ۵ص ۳۹۷۔ [7] میزان الاعتدال ج ۳ص ۱۸۸۔ [8] العبر ج ۱ص ۲۲۰ ومرأۃ الجنان ج ۱ص ۳۲۳۔ [9] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۲۴۵۔

marfat.com

مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

مکی نام اور ابو السکن کنیت تھی[1] سلسلہ نسب یہ ہے، مکی بن ابراہیم بن بشیر بن فرقد[2] تمیم کے قبیلہ براجم کی سب سے مشہور شاخ بنو حنظلہ بن مالک سے خاندانی تعلق رکھتے تھے، اس وجہ سے براجمی، تمیمی اور حنظلی تینوں نسبتوں سے شہرت پائی[3]

وطن اور پیدائش:

خراسان کا شہر بلخ اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ اس کی خاک سے لاتعداد ائمہ، علماء اور صلحا پیدا ہوئے، اور بزم علم وعمل کی رونق دوبالا کی، یہی مردم خیز سرزمین ۱۲۶ھ میں ابو السکن کی ولادت سے مشرف ہوئی[4]

علم وفضل:

علمی اعتبار سے وہ اکابر اتباع تابعین میں شمار کیے جاتے تھے، انہیں سترہ منتخب روزگار تابعین کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی تھی، چنانچہ انہوں نے اس گراں بہا دولت سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان تابعین کے چمنستان علم کی عطر بیزی سے اپنے دل و دماغ کو معمور کیا، علامہ ذہبی الحافظ الامام شیخ خراسان لکھتے ہیں[5]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۰۵۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۳۔

[3] اللباب ج ۱ ص ۱۰۸ و کتاب الانساب ورق ۷۱۔

[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۵۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

حدیث:

ابوالسکن تحصیل علم کا فطری ذوق رکھتے تھے' چنانچہ صرف سترہ سال کی عمر ہی میں انہوں نے طلب حدیث کے لیے بادیہ پیمائی شروع کردی اور دور دراز ملکوں کا سفر کر کے سترہ تابعین کے منبع علم سے مستفیض ہوئے' ان کے اساتذہ حدیث میں یزید بن ابی عبید' جعفر الصادق' بہز بن حکیم' ابی حنیفہ' ہشام بن حسان' ابن جریج' مالک بن انس' یعقوب بن عطاء' فطر بن خلیفہ' حنظلہ بن ابی سفیان' ہشام الدستوائی' جعد بن عبدالرحمٰن' عبداللہ بن سعید اور ایمن بن نابل کے نام قابل ذکر ہیں' اور تلامذہ میں امام بخاریؒ اور امام احمد' یحییٰ بن معین' یحییٰ الذہلی' عباس الدوری' محمد بن المثنیٰ' عبداللہ بن مخلد' محمد بن حاتم' ابراہیم بن یعقوب' محمد بن اسماعیل بن علیہ' یزید بن سنان' احمد بن نصر' محمد بن الحسن بن مکی' ابراہیم بن موسیٰ الرازی' حسن بن عرفہ' محمد بن وضاح' یعقوب بن سفیان' یعقوب بن شیبہ' محمد بن یونس اور معمر بن محمد جیسے یگانہ عصر ائمہ شامل ہیں[1]

ثقاہت:

ان کی ثقاہت وعدالت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ان کی متعدد مرویات کی تخریج کی ہے[2] اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں امام بخاری کے کبار شیوخ میں ان کا نمایاں ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں خلیلی انہیں ثقہ متفق علیہ' دارقطنی ثقۃ مامون' امام احمد' ابن معین' عجلی اور ابوحاتم ثقہ صدوق کہتے ہیں'[3] علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: ''کان ثقة .... وکان ثبتا فی الحدیث''۔[4]

عبادت وتدوین:

علم کے ساتھ عمل میں بھی انہیں نمایاں مقام حاصل تھا' کثرت سے عبادت فرمایا کرتے تھے۔ عبدالصمد بن الفضل راوی ہیں کہ میں نے اکثر ابن ابراہیم کو یہ فرماتے سنا کہ:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۳' ۲۹۴۔ [2] اللباب فی الانساب ج ا ص ۱۰۸۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۳۵ وتہذیب جلد ۱۰ ص ۲۹۵۔ [4] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۰۵۔

marfat.com

حجت ستين حجة و جاورت عشرين سنة[1]

''میں نے ساٹھ حج کیے اور بیس سال تک (بیت اللہ) کے قریب رہا''۔

عبداللہ بن مدرک کی روایت کے مطابق شیخ ابن ابراہیم نے بارہ سو دینار مکہ کے مکانوں کا کرایہ ادا کیا تھا[2] ساٹھ مرتبہ زیارت حرمین کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس زمانہ میں سفر حج کی سہولتوں اور آسائشوں کا تصور بھی محال تھا جو عہد حاضر میں پائی جاتی ہیں' اس وقت حج کا سفر اپنی صعوبتوں اور خطرات کی بنا پر سفر آخرت کے مترادف خیال کیا جاتا تھا' چنانچہ تاریخ بغداد میں اس روایت کے ساتھ ''قطعت البادية'' کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں' یعنی میں نے بلخ سے مکہ تک بادیہ پیمائی کی۔

وفات:

۱۵ شعبان ۲۱۵ھ کو بمقام بلخ رہ سپار عالم جاوداں ہوئے'[3] تقریباً سو سال کی عمر پائی۔

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۴۔

[2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۱۷۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۷۹ وطبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۰۹۔

marfat.com

موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

موسیٰ نام' ابوالحسن کنیت اور کاظم لقب[1] ہے' ان کے والد امام صادق اور جد امجد امام باقر اپنے عہد کے ممتاز ترین اور بلند پایہ علماء میں تھے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:

موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب[2]

ہاشمی' علوی اور مدنی تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں' ان کی دادی فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں' اس طرح ننہالی شجرہ کے مطابق ان کی رگوں میں صدیقی خون بھی رواں تھا۔

ولادت:

۱۲۸ھ میں مدینہ کے قریب ابواء نامی ایک مشہور قریہ میں پیدا ہوئے اور پھر تمام عمر مدینہ ہی میں سکونت پذیر رہے۔[3]

فضل وکمال:

موسیٰ الکاظم اس خانوادہ علم کے گوہر شب چراغ تھے جس کا ہر فرد آسمان فضل و کمال کا بدر کامل اور مسند علم کا شیخ الکل تھا' اس لیے امام کاظم کو دولت علم گویا وراثۃً نصیب ہوئی تھی' اس کے علاوہ جود وکرم' عبادت' ریاضت' تضرع وانکساری اور تقویٰ پاکبازی کا پیکر مجسم تھے' ابوحاتم ان کو امام المسلمین کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

كان صالحًا عابدًا جوادًا حليمًا كبير القدر.[4]

''وہ صالح' عبادت گزار' حلیم الطبع' سخی اور جلیل المرتبت تھے''۔

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۲۸۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۳۳۹۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۴ والاعلام ج ۳ ص ۱۰۸۱۔ [4] خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۳۹۰۔

marfat.com

حدیث:

انہوں نے تبحر علمی اور جلالت فنی کے باوجود اپنی زیادہ تر توجہ عبادت اور تبلیغ دین میں صرف کی' اسی وجہ سے ان کی روایات کی تعداد بہت کم ملتی ہے' لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ ان سے مروی تھوڑی سی حدیثیں بھی صحیح معنی میں میں'' بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر'' کے مصداق ہیں۔

حدیث میں انہوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبداللہ بن دینار اور عبدالملک بن قدامہ الجمی سے استفادہ کیا تھا' ممکن ہے ان کے حلقہ شیوخ میں کچھ اور ائمہ بھی شامل ہوں' لیکن طبقات و تراجم میں ان کے صرف مذکورہ تین ہی اساتذہ حدیث کا ذکر ملتا ہے ان میں بھی ثانی الذکر سے امام کاظم کے تلمذ کو حافظ ابن حجر نے مشتبہ قرار دیا ہے' چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ'' اگر موسیٰ کاظم کا سنہ ولادت ۱۲۸ھ مستند اور صحیح ہے تو پھر عبداللہ بن دینار سے ان کے حصول تلمذ کا کوئی سوال نہیں' کیونکہ ابن دینار کی وفات اس سے پہلے ہی ۱۲۷ھ میں ہوگئی تھی[1]

خود ان کے دریائے فیض سے سیراب ہونے والوں میں ان کے دو بھائی علی و محمد اور صاحبزادگان ابراہیم' حسین' اسماعیل' علی رضی کے علاوہ صالح بن یزید اور محمد صدقۃ العنبری کے نام قابل ذکر ہیں[2]

ثقاہت:

ان کی ثقاہت اور صداقت کو علمائے فن نے بالاتفاق ہر قسم کے ریب شک سے بالاتر قرار دیا ہے' ابوحاتم ثقۃ، صدوق امام کہتے ہیں[3]

عبادت:

عبادت و ریاضت کا خاص اہتمام تھا' کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے' حافظ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں ان کا بہت

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ا ص ۳۳۹۔
[3] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹۔

marfat.com

نمایاں تذکرہ کیا ہے‘ علامہ ابن کثیر رقمطراز ہیں: ”کان کثیر العبادۃ والمشاءۃ“ حتیٰ کہ ہارون الرشید نے ان کو دیوار زنداں کے کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب و روز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آ سکا‘ چنانچہ قید خانہ کی ایک عینی راویہ نے ان کے دن رات کے معمولات یہ بیان کیے ہیں:

كان اذا صلى العتمة حمد الله ومجده ودعاه فلم يزل كذالك حتىٰ يزول الليل فاذا ازال الليل قام يصلي حتى يصلي الصبح ثم يذكر قليلا حتى تطلع الشمس ثم يقعد الىٰ ارتفاع الضحىٰ‘ ثم يتهيا ويستاك وياكل ثم يرقد الىٰ قبل زوال ثم يتوضأ ويصلي حتىٰ يصلي العصر ثم يذكر في القبلة حتى يصلي المغرب مابين المغرب و العتمة[1]

”وہ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد برابر ذکر وفکر اور حمد وثنا میں مشغول رہتے یہاں تک کہ جب کافی رات گزر جاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا‘ پھر فجر کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب تک تھوڑا ذکر کرتے‘ پھر کافی دیر تک مراقبہ میں بیٹھتے‘ پھر مسواک وغیرہ کرتے اور کھانا تناول فرماتے‘ پھر زوال سے قبل تک استراحت کرتے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کرتے اور عصر تک پڑھتے رہتے پھر قبلہ رو ہو کر ذکر اللہ میں مصروف رہتے اور مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا پھر نماز مغرب پڑھنے کے بعد عشا تک مسلسل نوافل پڑھتے رہتے“۔

ان معمولات کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ امام کاظم کثرت عبادت وریاضت کے ساتھ اپنی روح وجسم کے حقوق سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہوتے تھے‘ مذکورہ بالا بیان کی راویہ اخت سندی جو زندان میں امام صاحب پر مامور تھی‘ جب بھی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۳۱۔

marfat.com

ان کو دیکھتی تو کہتی کہ بڑے بدنصیب اور ناکام ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گزار بندے سے تعرض کرتے ہیں اور انہیں پریشان کرتے ہیں[1] حافظ ذہبی انہیں صالح، عابد، حلیم اور جلیل المرتبت لکھتے ہیں[2]

سخاوت:

جود و سخاوت، سیر چشمی اور فیاضی اہل بیت کرام کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغہ امتیاز تھا، امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

كان احد كبار العلماء الاجواد[3]

''وہ ان اکابر علماء میں سے تھے جو سخاوت کی صفت سے متصف تھے''۔

امام ذہبی رقمطراز ہیں کہ:

كان موسى من اجود الحكماء[4]

''موسیٰ کاظم بہترین حکماء میں سے تھے''۔

ان کی داد و دہش اور فیاضی و سیر چشمی کے بکثرت واقعات خطیب کی تاریخ بغداد اور یافعی کی مرآۃ الجنان میں منقول ہیں[5]

قید و بند کی صعوبتیں:

تاریخ اسلام میں ایسے اہل دعوت و عزیمت علماء کی کافی تعداد ملتی ہے، جنہوں نے حق و صداقت اور ایمان و ایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار و رسن اور قید و بند کے تمام شدائد و صعوبتوں کو بطیب خاطر انگیز کیا بلکہ کتنوں نے تو اسی راہ میں جان بھی جان آفرین کے سپرد کردی، لیکن ان کے پائے ثبات و استقلال میں ذرا برابر تزلزل نہ پیدا ہوسکا، امام موسیٰ کاظم بھی دوبار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ان کو قید کیا تھا، لیکن کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، جن کے چہرے سے سخت ناراضگی کے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۱۔ [2] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۸۷۔ [3] الاعلام ج ۳ ص ۱۰۸۱۔
[4] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹۔ [5] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۲، ۳۳ و مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۹۴۔

marfat.com

آثار عیاں تھے' اور وہ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے:

فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم.

''تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو''۔

چنانچہ اس کے بعد مہدی نے موسیٰ کاظم کو اس شرط پر فوراً رہا کر دیا کہ وہ اس کے اور اس کے لڑکوں کے خلاف خروج نہ کریں گے۔ اور امام صاحب کو تین ہزار دینار دے کر بصد اعزاز واکرام مدینہ واپس بھیج دیا۔

پھر ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ عوام امام موسیٰ کاظم کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے ہیں' اس سے اس کو بہت اندیشہ لاحق ہوا چنانچہ رمضان ۱۷۹ھ میں جب خلیفہ مذکورہ عمرہ کی غرض سے حرمین گیا تو واپسی پر امام صاحب کو بھی اپنے ہمراہ بصرہ لیتا آیا اور وہاں کے والی عیسیٰ بن جعفر کے پاس مقید کر دیا' وہ ایک سال تک وہاں رہے' اس کے بعد پھر بغداد کے مرکزی قید خانہ میں منتقل کر دیئے گئے اور تادم حیات وہیں رہے[1]

قید بے جا سے رہائی کی دعا:

امام کاظم کی بلندی شان کی ایک بین دلیل یہ بھی ہے کہ بغداد کے زمانہ اسیری میں انہیں عالم رؤیا میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی' آپ ﷺ ان سے فرما رہے تھے:

''اے موسیٰ! یقیناً تم مظلوم ہو' میں چند کلمات تلقین کرتا ہوں' اگر تم ان کا ورد کرو' تو آج ہی شب تم قید سے رہا ہو جاؤ گے'' وہ کلمات ہیں:

یاسامع کل صوت یا سائق الفوت یا کاسی العظام لحما ویامنشرها بعد الموت اسئلک باسمائک الحسنی وباسمک الاعظم الاکبر

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۴۰۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳ و مرأۃ الجنان ج ۱ ص ۳۹۵۔

marfat.com

المحزون المكنون الذى لم يطلع عليه احد من المخلوقين يا حليمًا ذا اناة لا يقوى علىٰ اناته يا ذا المعروف الذى لا ينقطع ابدًا ولا يحصى عددًا فرج عنى"[1]

صاف گوئی:

قید خانہ ہی سے انہوں نے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا تھا' جو ان کی صاف گوئی' جرأت اور حق گوئی کا پورا عکاس ہے۔ اس خط میں تحریر تھا:

اما بعد يا امير المومنين انه لم ينقص عنى يوم البلاء الا انقضى عنك يوم من الرخاء حتىٰ يفضى بنا ذالک الىٰ يوم يخسر فيه المبطلون.[2]

''اے امیر المومنین! جوں جوں میری آزمائش کے ایام گزر رہے ہیں' ویسے ویسے تمہارے عیش و راحت کے دن بھی کم ہوتے جا رہے ہیں' حتیٰ کہ ہم دونوں ایک ایسے دن ملیں گے جب برا عمل کرنے والے خسارہ میں رہیں گے''۔

وفات:

کامل ۳۷ سال دنیائے علم و عمل کو منور رکھنے کے بعد ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو شمع فروزاں گل ہوگئی' اکثر علماء کا خیال ہے کہ بغداد کے قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی' بغداد میں آج بھی ان کا مزار مشہور آفاق اور مراجع انام ہے۔[3]

۱ شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۰۴۔ ۲ البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۳۔

۳ صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۰۵ و میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰۹۔

marfat.com

نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسم مبارک نافع اور ابو عبدالرحمٰن یا ابو دریم کنیت تھی، معلوم نسب نامہ یہ ہے:

نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم، اپنے والد کے بجائے جد امجد کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہیں، بنولیث کے غلام تھے۔

ولادت، خاندان اور وطن:

۷۰ھ میں پیدا ہوئے، اصلاً اصفہان سے تعلق رکھتے تھے، چونکہ تاعمر ان کا مسکن دارالہجرۃ مدینہ منورہ رہا، اس لیے مدنی کہلاتے ہیں۔

فضل وکمال:

نافع کا شمار ان جلیل القدر اتباع تابعین میں ہوتا ہے جنہوں نے چمنستان علم وفن کو فردوس نظیر بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، کتاب اللہ کی جن قراءت سبعہ کے تواتر پر امت کا اتفاق واجماع ہے۔ ان میں امام نافع مدنی کی قرأت بھی شامل ہے۔

اس صحیفہ کمال کا سب سے درخشاں باب تجوید وقرأت میں غیر معمولی مہارت ہی ہے، انہیں ستر تابعین سے قرآن پڑھنے کی سعادت حاصل تھی .... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جیسے اجلہ روزگار صحابہ کرام کے نامور تلامذہ قرأت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے وہ خود بھی اس فن کے امام ہو گئے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ صغار صحابہ کے دیدار کا شرف بھی حاصل کیا تھا، لیکن ان سے اکتساب فیض نہ کر سکے۔ اصمعی کا بیان ہے:

كان من القراء الفقهاء العباد[1]

''وہ قراء فقہاء اور عبادت گزاروں میں تھے''۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۷۔

marfat.com

شیوخ:

جیسا مذکور ہوا انہوں نے ستر تابعین کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی تھی، جن میں ابو جعفر یزید بن قعقاع، شیبہ بن نصاح، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، فاطمہ بنت علی بن ابی طالب، زید بن اسلم، ابوالزناد، عامر بن عبداللہ، زہیر بن محمد بن یحییٰ بن حبان، نافع مولیٰ ابن عمر، صفوان بن سلیم اور ربیعہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

تلامذہ:

امام نافع نے کم و بیش ستر سال تک درس و افادہ کی خدمات انجام دیں، اس طویل ترین مدت میں ہزاروں تشنگان علم ان کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے، جن میں امام مالک بن انس کے علاوہ اسماعیل بن جعفر، اصمعی، خالد بن مخلد، سعید بن ابی مریم، محمد بن مسلم المدنی، موسیٰ بن طارق، عیسیٰ بن مینا قالون، قعنبی اور عثمان بن سعید الورش کے کے نام خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔[1]

قرآن:

کثیر التعداد اکابر شیوخ کے فیضان صحبت نے انہیں قرأت قرآن کا نکتہ شناس اور اس کے اسرار و رموز کا سب سے بڑا واقف کار بنا دیا تھا، اور اسی مہارت فنی کے باعث اپنے شیخ ابو جعفر یزید بن قعقاع کے بعد مدینہ منورہ کے بالاتفاق ''الامام القراء'' تسلیم کئے گئے، لیث کہتے ہیں کہ ۱۱۳ھ میں جب میں زیارت حرمین کے سلسلہ میں مدینہ پہنچا تو وہاں قراءت کا امام نافع بن ابی نعیم کو پایا، امام مالک کا ارشاد ہے:

نافع امام الناس فی القرأة[2]

''نافع قراءت کے امام ہیں''۔

لیث بن سعد ہی کا دوسرا بیان ہے کہ:

ادرکت اهل المدینة و هم یقولون قراءة نافع سنة[3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۷۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۷۰۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۸۔

marfat.com

''میں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے پایا کہ نافع کی قرأت سنت ہے''۔

امام مالک اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اہل مدینہ کی قرأت مختار اور پسند ہے' دریافت کیا گیا ''کیا نافع کی قرأت''؟ فرمایا: ''ہاں نافع کی قرأت''

حدیث:

حدیث نبوی ﷺ میں انہیں کوئی لائق ذکر حیثیت حاصل نہ تھی' اسی باعث صحاح ستہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ملتی' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے انہوں نے تحصیل قراءت کے علاوہ سو حدیثوں کا سماع بھی حاصل کیا تھا' نافع کے پایہ ثقاہت کے بارے میں علمائے فن کی رائیں بہت اچھی ہیں' چنانچہ ابن معین' ابوحاتم' نسائی' ابن حبان اور ابن سعد صراحت کے ساتھ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں' علامہ ابن حجر رقمطراز ہیں:

لم أرفی احادیثه شئیًا منكرًا وارجو انه لا بأس به۔[2]

''میں ان کی مرویات میں کوئی منکر بات نہیں دیکھتا اور میرا خیال ہے ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

شمائل:

قرآن پاک کی تلاوت کرتے وقت ہمیشہ ان کے منہ سے مشک وعنبر کی بو نکلا کرتی تھی' ایک بار کسی نے دریافت کیا' آپ از قسم عطر کون سی خوشبو استعمال کرتے ہیں؟ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں' بلکہ میں نے ایک شب عالم رؤیا میں حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی' آپ نے میرے منہ سے منہ ملا کر قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں' اسی وقت سے یہ خوشبو آنے لگی ہے''۔[3]

حلیہ:

نہایت سیاہ فام لیکن ساتھ ہی نہایت خوش نقش تھے' ایک مرتبہ محمد بن اسحاق مسیبی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۸۔ [2] ایضاً ص ۴۰۷۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۷۰۔

marfat.com

نے عرض کیا کہ آپ کے اعضاء کی ساخت اور نقشہ کس قدر حسین و جمیل ہے' فرمایا آخر کیوں نہ ہو کہ نبی ﷺ نے خواب میں مجھے مصافحہ کا شرف بخشا ہے۔

رواۃ قرأت:

نافع کی قرأت متواتر کے بہت سے رواۃ ہوئے' لیکن شہرت عام کا تمغہ صرف دو کو حاصل ہو سکا۔

❶ عیسیٰ بن مینا قانون' جو ۱۲۰ھ میں مدینہ منورہ پیدا ہوئے اور امام نافع سے بے شمار بار قرآن مجید پڑھا' قوت سامعہ سے محروم تھے' لیکن معجز نما بات یہ ہے کہ قرآن پاک سننے میں ذرا بھی دقت اور رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی' ان کی قرأت کی عمدگی کی وجہ سے امام نافع نے انہیں ''قالون'' کا لقب دیا تھا' جس کے معنی رومی لغت میں عمدہ چیز کے ہیں' ۲۲۰ھ مدینہ ہی میں وفات پائی۔

❷ عثمان بن سعید ورش: ۱۱۰ھ میں بمقام مصر متولد ہوئے' گورا رنگ ہونے کی وجہ سے استاذ نے ورش کا لقب دیا تھا' قرآن پڑھنے کے لیے مصر سے شدر حال کر کے مدینہ طیبہ امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر تحصیل فن کے بعد مصر واپس جا کر قرأت کے متفقہ امام تسلیم کیے گئے' نہایت خوش الحان تھے' یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ ورش کی قرأت نہایت عمدہ تھی' اور وہ بہت خوش آواز تھے' ۱۹۷ھ میں بعمر ۸۷ سال مصر میں ہی رحلت فرمائی۔

وفات:

امام نافع باختلاف روایت ۱۶۷ھ یا ۱۶۹ھ مدینہ منورہ میں رہ سپار عالم جاودانی ہوئے' انتقال کے وقت ۹۷ یا ۹۹ سال کی عمر تھی[1]

وصیت:

جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو صاحبزادگان نے وصیت کی درخواست کی فرمایا: اتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم و اطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین[2]

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۷۰ و مرأۃ الجنان ج ۱ ص ۳۵۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۸۔

marfat.com

نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نضر نام اور ابوالحسن کنیت تھی، پورا شجرہ نسب یہ ہے، نضر بن شمیل بن خرشہ، بن یزید بن کلثوم بن عنترہ بن زہیر بن جلہمہ بن حجر بن خزاعی بن مازن بن مالک بن عمرو بن تمیم[1] یہ شجرہ صرف ابن ندیم نے ذکر کیا ہے، ورنہ دوسرے تذکرہ نگاروں نے مختلف طور پر درمیان سے متعدد ناموں کو حذف کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اکثر اشتباہ واقع ہو جاتا ہے، اغلبًا اختصار کے لیے ایسا کیا گیا ہے، وطنًا بصری اور مروزی کہلاتے ہیں، بنو مازن سے خاندانی تعلق کی بنا پر مازنی کی نسبت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

مولد ومنشا:

۱۲۲ھ مطابق ۷۴۰ء میں وہ خراسان کے شہر مروالروز میں پیدا ہوئے[2] جو اپنی مردم خیزی میں عالمی شہرت کا حامل ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیائے اسلام میں علم و دانش کے دریائے آبدار جن زمینوں سے برآمد ہوئے، ان میں مرو کا خطہ نہایت نمایاں ہے، بہرحال جب امام نضر صرف ۵،۶ سال کے تھے، ان کے والد انہیں اپنے ہمراہ لے کر بصرہ چلے آئے، خود بیان کرتے ہیں:

خرج بی ابی من مرو الروز البصرة ۱۲۸ھ وانا ابن خمس اوست سنین۔[3]

''۱۲۸ھ میں مجھے میرے والد مرو سے بصرہ لے کر آئے، اس وقت میری عمر پانچ چھ سال کی تھی''۔

پھر وہیں کے ہو رہے، بصرہ بھی اس عہد میں ممتاز علمی مرکز شمار ہوتا تھا، اس لیے

---

[1] الفہرست لابن ندیم ص ۷۷۔ [2] الاعلام ج ۳ ص ۱۱۰۴۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳۷

marfat.com

ابن شمیل تمام تر علمی ماحول میں پروان چڑھے' اور عمر کا بیشتر حصہ زمانہ درس وافادہ اور تالیف وتصنیف میں وہیں گزرا' لیکن پھر بعض اقتصادی مشکلات سے تنگ آ کر بصرہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مرو آ کر بقیہ عمر وہیں بسر کی' یہاں تک کہ اسی کی خاک کا پیوند بنے۔

بصرہ چھوڑنے کا سبب:

یوں تو تمام ہی ارباب طبقات نے اس سبب کی نشاندہی کی ہے جس کی بنا پر امام نضر سرزمین بصرہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے' جو گویا ان کے وطن ثانی کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور جس کے در و دیوار سے انہیں والہانہ الفت پیدا ہو گئی تھی' لیکن علامہ یاقوت رومی اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے سپرد قلم کیا ہے' جو حسب ذیل ہے۔

بصرہ میں امام نضر کی معاشی و اقتصادی حالت نہایت دگرگوں ہوگئی' یہاں تک کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے تھے۔ وہاں ان کے علم و فضل کا اعتراف کرنے اس سے مستفید ہونے اور ان کے دقیقہ سنجیوں پر واہ واہ کرنے والوں کا حلقہ تو بہت وسیع تھا لیکن بقدر کفاف بھی ان کے رزق کی فراہمی کا خیال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بالآخر جب حالات فزوں تر ہو گئے' تو شیخ نے وہاں سے اپنے مولد منتقل ہونے کا ارادہ کیا' کہا جاتا ہے کہ جس وقت وہ بصرہ سے روانہ ہوئے' وہاں کے تین ہزار محدثین' فقہاء نحویین اور ائمہ لغت ان کو الوداع کہنے ہمراہ چلے اور مقام مربد پہنچ کر ان کو رخصت کیا۔[1]

حافظ سیوطی نے مزید لکھا ہے کہ اس جم غفیر میں ان کے سات ہزار تلامذہ بھی شامل تھے' جو اپنے شیخ کی جدائی کے غم میں زار و قطار آنسو بہا رہے تھے' شیخ نضر نے چلتے چلتے چند الوداعی کلمات ارشاد فرمائے جس میں یہ بھی کہا گیا ہے:

لو وجدت عندکم کل یوم ربع من الباقلا لما ظعنت عنکم۔[2]

''اگر مجھے تمہارے پاس ہر روز تھوڑا باقلا بھی مل جاتا تو میں جدا نہ ہوتا''۔

راوی کا بیان ہے کہ جب ابن شمیل نے مذکورہ بالا الفاظ کہے تو میں یہ دیکھ کر

---

1. معجم الادباء ج ۷ ص ۲۱۹۔ 2. بغیۃ الوعاۃ ص ۴۰۴۔

marfat.com

حیرت واستعجاب کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گیا کہ غم واندوہ کا اظہار کرنے والے اس مجمع کثیر میں سے ایک نفر بھی اتنی معمولی سی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہو سکا۔[1]

بہرحال وہ خراسان پہنچے تو ان کا نصیبہ جاگ گیا' وہاں خلیفہ ہارون نے ان کی ازحد تعظیم وتوقیر کی اور فکر معاش کی طرف سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ:

اقام بمرو فاثری وافاد بھا مالاً عظیما[2]

''انہوں نے مرو میں قیام کیا اور بکثرت مال حاصل کر کے صاحب ثروت ہو گئے''۔

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے ابن شمیل بہت جلیل القدر اور عالی مرتبہ تھے' ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں کہ: ''کان اماماً حافظاً''[3] مختلف علوم وفنون کی جامعیت اور تثبت و اتقان میں ان کی مثال کم ہی مل سکے گی' صغار تابعین کی صحبت سے شرف اندوز اور ان کے کیسۂ علم سے بقدر ظرف مستفید ہوئے تھے .... خراسان اور بالخصوص مرو میں حدیث کا چرچا عام کرنے میں انہیں اولیت کا شرف حاصل تھا' چنانچہ عباس بن مصعب بیان کرتے ہیں:

کان اماماً فی العربیة والحدیث بمرو وجمیع خراسان[4]

''وہ مرو اور پورے خراسان میں حدیث وعربیت کے امام تھے''۔

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام شعبہ سے ان کی روایات کو بیان کرنے والا امام ابن شمیل سے زیادہ کوئی نہ تھا۔[5]

ایک دفعہ خلیفہ مامون نے ان کے سامنے یہ حدیث پڑھی: ''اذا تزوج المرأة لدینھا وجمالھا کان فیه سداد من عوز ''اس میں خلیفہ نے لفظ سداد کو سین کے زبر

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۰۴۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ص [3] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۰۴۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۲۸۷۔ [5] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۰۵۔

marfat.com

کے ساتھ پڑھا۔ امام نضر نے فوراً ہی اس حدیث کو دہرایا اور اس میں سداد کو بکسر السین پڑھا اور پھر دونوں کے درمیان فرق کو واضح کیا' راوی بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ یہ سن کر پھڑک اٹھا اور اس نے شعرائے ادب عرب کے منتخب ترین اشعار سنانے کی خواہش ظاہر کی' چنانچہ نضر بن شمیل نے عرجی' حمزہ بن ابیض' ابوعروہ المدنی اور ابن عبدل الاسدی کے بہت سے شعر سنائے' مامون نے اس غیر معمولی قوت حافظہ اور ژرف بینی سے متاثر ہو کر اپنے وزیر فضل بن سہل کو شیخ کو تیس ہزار درہم انعام دیئے جانے کا حکم دیا۔[1]

ابن منجویہ کا بیان ہے کہ:

كان من فصحاء الناس وعلمائهم بالادب وايام الناس۔[2]

''وہ فصیح البیان لوگوں میں تھے' نیز ایام عرب اور ادب کے رموز و اسرار کے بڑے نکتہ دان تھے''۔

جامعیت:

تنوع وتفنن فی العلوم ان کے صحیفہ کمال کا ایک تابندہ ورق ہے۔ انہیں حدیث' فقہ' لغت' نحو' ادب' تاریخ اور انساب پر یکساں عبور تھا' یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کے فکر و نظر کا خصوصی جولانگاہ کون سا فن تھا؟ علماء نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ:

كان رأسًا فى الحديث ورأسًا فى الفقه واللغة ورواية الشعر و معرفة بالنحو وبايام الناس۔[3]

''وہ حدیث' فقہ' لغت' روایت' شعر' معرفت نحو اور ایام عرب سب علوم وفنون میں عالی رتبہ تھے''۔

مذکورہ بالا تمام فنون میں انہوں نے کتابیں تالیف کیں' حافظ ابن کثیر انہیں ائمہ لغت میں شمار کرتے ہیں۔[4]

---

[1] معجم الادباء ج ۱ص ۲۱۰' تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۴۳۸۔ [2] ایضاً۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۷ص ۱۰۵ واعلام ج ۳ص ۲۰۴۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

شیوخ:

انہوں نے عرب کے مشاہیر اہل زبان اور کبار محدثین سے اکتساب فیض کیا تھا' نحو' ادب اور ماہرین لغت میں وہ سب سے پہلے خلیل بن احمد ابی خیرۃ الاعرابی اور ابواحمد قیس سے مستفید ہوئے' اس کے بعد علوم نقلیہ میں صغار تابعین اور ان کے بعد کے طبقہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا' اس سلسلہ میں لائق ذکر ائمہ وشیوخ یہ ہیں:

ہشام بن عروہ' حمید الطویل' شعبہ' ابن جریج' سعید بن ابی عروبہ' ابن عون' اسرائیل بن یونس' حماد بن سلمہ' سلیمان بن المغیرہ' ہشام بن حسان' یونس بن ابی اسحاق' عمرو بن ابی زائدہ۔

تلامذہ:

اسی طرح خود ان سے فیض یاب ہونے والوں میں بھی وہ علماء حدیث شامل ہیں جو اپنے شیخ کی زندگی ہی میں مسند علم کی زینت بنے' چند نمایاں اسمائے گرامی یہ ہیں:

علی بن المدینی' یحییٰ بن معین' اسحاق بن راہویہ' حمید بن زنجویہ' یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری' محمود بن غیلان' احمد بن سعید الدارمی' محمد بن مقاتل' معاذ بن اسد' حسین بن حریث' عبدالرحمٰن بن بشر' محمد بن قدامہ' عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی[1]

ثقاہت:

علمائے فن متفقہ طور پر ان کی روایات کی حجیت اور ثقاہت تسلیم کرتے ہیں' چنانچہ ابوحاتم کا بیان ہے ''کان ثقة صاحب سنة''[2] علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں: ''کان ثقة صاحب حدیث''[3] حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

حجة یحتج به فی الصحاح.[4]

''وہ حجت ہیں صحاح میں ان کی روایات قابل قبول ہیں''۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳۷۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۷۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۰۵۔ [4] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۳۴۔

marfat.com

قضا:

جب وہ معاشی تنگی سے عاجز آ کر بصرہ سے مرو منتقل ہوئے تو خلیفہ ہارون نے ان کے ساتھ بہت اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا' اور انہیں اس شہر کے منصب قضا پر فائز کر کے ان کو مال و زر سے نہال کر دیا۔[1]

علامہ یاقوت نے بروایت نقل کیا ہے کہ اپنے زمانہ قضا میں امام ابن شمیل نے عدل و انصاف کے ایسے مظاہر پیش کیے کہ ہر شخص ان کی توصیف میں رطب اللسان ہو گیا۔[2]

سادگی و بے نفسی:

وہ تقشف کی حد تک سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے' زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں کہ ایک بار شیخ نضر خلیفہ مامون کے پاس اس حال میں گئے کہ نہایت موٹے اور خراب کپڑے پہنے ہوئے تھے' خلیفہ نے دیکھتے ہی کہا آپ امیر المومنین کے پاس اس قسم کے کپڑوں میں آتے ہیں' شیخ نے ٹالنے کی خاطر فرمایا: ''بات دراصل یہ ہے کہ مرو میں گرمی بہت سخت پڑتی ہے' لہٰذا اس کی حرارت سے ایسے ہی کپڑوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔[3]

حافظ ذہبی نے داؤد بن مخراق کی روایت سے شیخ ابن شمیل کا یہ قول نقل کیا ہے:

لا یجد الرجل لذة العلم حتیٰ یجوع وینسی جوعه۔[4]

تصانیف:

امام نضر کے تبحر علمی اور جامعیت کے جلوے صرف درس و افادہ کی مجلسوں ہی میں ظاہر نہ ہوئے بلکہ صفحہ قرطاس پر بھی اس کی تجلیاں نمودار ہوتی تھیں' عباس بن مصعب کا بیان ہے کہ شیخ نضر نے اس قدر کثرت سے کتابیں تصنیف کیں جس کی نظیر اس عہد میں نہیں ملتی۔

عام طور پر ان کی درج ذیل تصانیف کے نام ملتے ہیں' ''کتاب الصفات'' ''کتاب الصلاح''، ''غریب الحدیث''، ''کتاب النوادر''، ''کتاب المعنی''، ''کتاب المصادر المداخل الی کتاب العین''، ''کتاب الجیم''، ''کتاب الشمس والقمر''۔

---

[1] الاعلام ج ۳ ص ۱۱۰۴۔ [2] معجم الادباء ج ۷ ص ۲۱۹۔ [3] ایضاً۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۷۔

marfat.com

کتاب الصفات:

پانچ جلدوں پر مشتمل فن لغت کی تصنیف ہے۔ پہلی جلد میں انسان کی پیدائش اس کے عادات واطوار اورعورتوں کی صفات' دوسری جلد میں مکانات پہاڑ وغیرہ' تیسری میں اونٹ' چوتھی میں گھوڑا' چڑیا' چاند' سورج اورشراب وغیرہ' پانچویں جلد میں انگور کی زراعت' درخت' ہوا' بارش اور بادل وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے' علامہ ابن ندیم کا خیال ہے کہ ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی مشہور واہم کتاب غریب المصنف کواسی سے ماخذ کیا ہے اوراسی نہج پر مرتب کیا ہے' دونوں کتابوں کے مندرجات سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

غریب الحدیث:

غریب احادیث کی تشریح وتوضیح کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں' جن میں ابوعبیدہ' قطرب' ابوعدنان نحوی' اخفش' نضر بن شمیل اورابوعبید قاسم بن سلام کی غریب الحدیث کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں مؤخر الذکر ہی کی کتاب کوشہرت ومقبولیت کا تمغہ نصیب ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوعبید نے نہ صرف متقدمین کی تصنیفات کا عطر اپنی کتاب میں کشید کرلیا ہے بلکہ نہایت ژرف بینی کے ساتھ ان تمام خامیوں اور نقائص کوبھی اس میں دورکردیا ہے' جو پہلے کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں' تاہم قدامت کے اعتبار سے نضر بن شمیل کی غریب الحدیث کا پایہ کچھ کم نہیں۔[1]

امام نضر کی مذکورہ بالا تصنیفات اب معدوم ہیں' یا ممکن ہے کہیں ان کے مخطوطات موجود ہوں' راقم الحروف کواس کی تحقیق نہ ہوسکی۔

وفات:

ذی الحجہ ۲۰۳ھ کی آخری تاریخ کومرو ہی میں راہی ملک عدم ہوئے۔[2] یکم محرم ۲۰۴ھ کو تدفین عمل میں آئی' اسی وجہ سے بعض تذکروں میں ان کا ذکر ۲۰۳ھ کی وفیات میں ملتا ہے' اوربعض میں ۲۰۴ھ کے تراجم میں' اس وقت اورنگ خلافت پر مامون الرشید داد حکمرانی دے رہا تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸ واللباب ج ۳ ص ۸۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۸۷۔

marfat.com

وضاح بن عبداللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

وضاح نام' ابوعوانہ کنیت تھی' والد کا نام عبداللہ تھا[1]

وطن اور پیدائش:

ان کا اصل وطن واسط تھا' پھر قبۃ الاسلام بصرہ منتقل ہو گئے تھے' جس کی خاک سے صلحاء اور اخیار امت کی پوری ایک نسل آسمان شہرت پر نیر تاباں بن کر ضوفشاں ہوئی' ابوعوانہ واسط کے مردم خیز خطہ میں پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے'[2] ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابوعوانہ کا سنہ ولادت ۱۲۲ھ قرار دیا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ ابوعوانہ نے بالاتفاق ابن سیرین کے دیدار کا شرف حاصل کیا تھا' جن کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی' علامہ ابن کثیر کے بیان کی روشنی میں' ابوعوانہ کم وبیش ۹۵ھ میں عالم وجود میں آئے' چنانچہ ۱۷۶ھ کے واقعات میں رقمطراز ہیں:

الوضاح بن عبداللہ توفی ھذہ السنۃ وقد جاوز الثمانین[3]

''وضاح بن عبداللہ کا اسی سال انتقال ہوا' ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہو چکی تھی''۔

غلامی:

ابوعوانہ کو جرجان کی کسی جنگ میں گرفتار ہو کر قید غلامی کی زندگی بھی گزارنی پڑی' عطا بن یزید نے ان کو اپنے بیٹے یزید کے ساتھ رکھنے کے لیے خرید لیا تھا۔ عطا کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک یزید بن عطا الیشکری الواسطی کے غلام رہے[4] اسی نسبت ولاء کی بنا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۲۱۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۱۱۸۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ص ۱۷۱۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۴۶۱۔

marfat.com

پر ابوعوانہ بھی یشکری اور واسطی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔

آزادی کا دلچسپ واقعہ:

قید غلامی سے ان کی رہائی کا واقعہ بہت دلچسپ ہے جس کے سرسری مطالعہ ہی سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں دفعۃً جو کچھ پیش آیا یہ سب منجانب اللہ تھا۔

ابن عائشہ کا بیان ہے کہ ابوعوانہ واسط کے یزید بن عطا نامی ایک شخص کے غلام تھے ان کے مالک نے پارچہ فروشی کا کام ان کے سپرد کیا تھا' ایک دن ان کے پاس ایک سائل آیا اور دست سوال دراز کیا' ابوعوانہ نے اس کو دو یا تین درہم مرحمت فرمائے۔ سائل نے اظہار تشکر کے بعد کہا: ''اے ابوعوانہ! بخدا میں تمہیں ضرور کوئی فائدہ پہنچاؤں گا''۔ چنانچہ کچھ عصر کے بعد عرفہ کے دن وہی سائل مجمع عام میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنے لگا کہ اے لوگو! یزید بن عطا کے لیے دعائے خیر کرو کیونکہ اس نے آج ابوعوانہ کو آزاد کر کے تقرب الٰہی حاصل کر لیا ہے۔

جب لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آئے اور یزید بن عطا کی فرودگاہ کے پاس سے گزرنے لگے تو جوق در جوق آ کر انہیں ابوعوانہ کی آزادی پر ہدیہ تشکر و تبریک پیش کرنے لگے۔ ابن عطاء حیران ہوئے کہ یہ کیا قصہ ہے' پھر جب مبارکباد کا یہ سلسلہ بہت بڑھا تو یزید نے عطا سے کہا:

من یقدر علیٰ رد ھٰؤلاء وھو حر لوجه الله[1]

''اتنے لوگوں کی بات رد کرنے کی کس میں مجال ہے وہ (ابوعوانہ) خدا کے لیے آزاد ہے''۔

اس واقعہ کے آغاز میں محققین کا بہت معمولی سا اختلاف ہے' یعنی بعض نے یوم عرفہ کو مزدلفہ میں ابوعوانہ کی آزادی کا ڈرامائی اعلان کرنے والا ایک سائل کو بتایا ہے اور بعض نے ابوعوانہ کے ایک مخلص دوست کو جس نے مکافات حسن سلوک کے طور پر اپنے محسن کی آزادی کے لیے یہ کارگر مؤثر تدبیر اختیار کی' لیکن اس کے علاوہ پورے واقعہ

---

[1] المعارف لابن قتیبہ ص ۲۲۰۔

marfat.com

اوراس کے نتیجہ پر سب کا اتفاق ہے' سائل والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

امیت:

ابوعوانہ لکھنے پڑھنے سے قطعی ناواقف تھے' یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ لکھنے پڑھنے میں ایک شخص سے مدد حاصل کرتے تھے۔

کان ابو عوانه امیًا یستعین بانسان یکتب له و کان یقرأ الحدیث[1]

''ابوعوانہ امی تھے وہ ایک شخص سے مدد لیتے تھے' جو ان کے لیے لکھتا تھا اوروہ (ابوعوانہ) حدیث پڑھتے تھے''۔

لیکن ان کے شاگرد رشید عفان بن مسلم کا بیان ہے کہ ابوعوانہ پڑھنا جانتے تھے مگر لکھنے سے ناواقف تھے' اس لیے ہمیں حدیثیں املاء کرایا کرتے تھے[2]

فضل وکمال:

اپنی امیت کے باوجود ابوعوانہ کا شمار وقت کے ممتاز حفاظ حدیث اور ائمہ اعلام میں کیا جاتا ہے' وہ علمی اعتبار سے زمرۂ اتباع تابعین میں بلند مقام رکھتے تھے' علامہ یافعی ''احد الحفاظ الاعلام'' خیرالدین زرکلی ''من حفاظ الحدیث الثقات'' اور حافظ ذہبی ''الحافظ احد الثقات'' کے الفاظ سے ان کے علم وفضل کو سراہتے ہیں[3] ابوحاتم کا بیان ہے کہ ابوعوانہ حماد بن سلمہ سے بھی بڑے حافظ حدیث تھے[4] یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ اہل بصرہ میں زائدہ کا ہم پایہ کون تھا؟ فرمایا ابوعوانہ[5]

حدیث:

حدیث میں انہوں نے بکثرت ائمہ وشیوخ سے کمال حاصل کیا' جن میں معاویہ بن قرہ' اشعث بن ابی الشعثاء' زیادہ بن علاقہ' سلیمان الاعمش' منصور بن المعتمر' مغیرہ'

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۱' الاعلام ج ۳ ص ۱۳۵۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۴۳۔

[3] مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۶۹ والاعلام ج ۳ ص ۱۳۵' تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۱۳۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۸۔ [5] تذکرۃ الذہبی ج ۱ ص ۳۱۴۔

marfat.com

منصور بن زاذان' یعلیٰ بن عطاء' ابی اسحاق الشیبانی' عبدالعزیز بن صہیب' طارق بن عبدالرحمٰن' زید بن جبیر' سعید بن مسروق' سماک بن حرب' سہیل بن ابی صالح' عمرو بن دینار' فراس بن یحییٰ' ابن المنکدر' قتادہ' بیان بن بشر اور اسماعیل السدی کے نام لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے حلقہ درس سے جو کاملین فن فارغ ہو کر نکلے ان کی تعداد بھی بہت ہے' جن میں نمایاں نام یہ ملتے ہیں' شعبہ' اسماعیل بن علیہ' فضل بن مساور' عبدالرحمٰن بن مہدی' ابو ہشام المخزومی' یحییٰ بن حماد' سعید بن منصور' مسدد' قتیبہ بن سعید' یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری' محمد بن محبوب' ہیثم بن سہل التستری' ابو داؤد' وکیع' ابو نعیم' ابو الولید' خالد بن خداش وغیرہم [1]

جرح وتعدیل:

امی ہونے کی بنا پر ابوعوانہ علمائے جرح و تعدیل کا خصوصی نشانہ بنے' ان کی ثقاہت وعدالت کے بارے میں بڑی متضاد رائیں ملتی ہیں' لیکن اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ جو احادیث انہوں نے املا کر کے بین الدفتین محفوظ کرادی ہیں ان میں ابوعوانہ کا پایہ ثقاہت وعدالت نہایت بلند ہے' لیکن چونکہ ان کے حافظہ پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا' اس لیے کتاب کے علاوہ جو روایتیں وہ بیان کریں وہ غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔

ابوزرعہ کہتے ہیں:

ثقة اذا احدث من كتابه.

''جب وہ کتاب سے روایت کریں تو ثقہ ہیں''۔

ابوحاتم کا بیان ہے:

كتبه صحيحة واذا حدث من حفظه غلط كثيرًا وهو صدوق ثقة [2]

''ان کی کتابیں صحیح ہیں اور جب وہ حافظہ سے روایت کریں تو بہت غلط ہوتا ہے اور وہ صدوق وثقہ تھے''۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۰ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۷۔
[2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۰ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۸۔

marfat.com

احمد کا قول ہے:

اذا حدث ابوعوانة من كتابه فهو اثبت واذا حدث من غير كتابه ربما وهم.

''جب ابوعوانہ اپنی کتاب سے روایت کریں تو وہ ثقہ ترین ہیں اور جب کتاب کے علاوہ روایت کریں تو اکثر وہم ہو جاتا ہے''۔

عفان' جنہیں ابوعوانہ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا' کہتے ہیں کہ ابوعوانہ حدیث کو اتنی شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ ہمارے نزدیک وہ ہشام بن عروہ کی احادیث سے زیادہ صحیح ہوتی تھیں' کیونکہ وہ احادیث کو بہت مختصر کر دیتے تھے[1] ابن عبدالبر کا یہ بیان ابوعوانہ کی ثقاہت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اصح ہے کہ:

اجمعوا على انه ثقة ثبت فيما حدث من كتابه واذا حدث من حفظه ربما غلط.[2]

''جب ابوعوانہ کتاب سے روایت کریں تو بالاتفاق وہ ثقہ ترین ہیں اور جب حافظہ سے روایت بیان کریں تو اکثر غلط ہوتا ہے''۔

وفات:

ماہ ربیع الاول ۱۷۶ھ میں بمقام بصرہ ابوعوانہ کا انتقال ہوا[3] ابن قتیبہ نے سن وفات ۱۷۰ھ بیان کیا ہے[4] وفات کے وقت ۸۰ سال سے زائد عمر ہو چکی تھی[5]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۰۔

[3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۶۹ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۴۔

[4] المعارف لابن قتیبہ ص ۶۲۰۔ [5] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۰ ص ۱۷۱۔

marfat.com

وکیع بن الجراح الرواسی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری میں جن ممتاز اتباع تابعین نے علم وعمل کے چراغ روشن کیے ان میں امام وکیع بن الجراح کونمایاں حیثیت حاصل ہے' اگر چہ ان کی تصانیف کی عدم شہرت اور نایابی کی بنا پر ان کی شخصیت اہل قلم کی توجہات کا مرکز نہ بن سکی' لیکن علم وفضل' زہد وورع' ذہانت وفطانت اور قوت حافظہ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ امام وکیع کے علو مرتبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ابن مبارک' ابن معین اور ابن مدینی اور امام شافعی جیسے فضلاء روزگار ان ہی کے دامن تربیت کے پروردہ ہیں۔

نام ونسب:

وکیع نام اور ابوعبدالرحمٰن الرواسی کنیت تھی[۱] پورا سلسلہ نسب یہ ہے' وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی بن الفرس بن سفیان بن الحارث بن عمر بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ[۲]' قبیلہ قیس عیلان کی ایک شاخ رواس کی نسبت سے رواسی کہلاتے ہیں[۳]۔

نشوونما:

امام وکیع ۱۲۹ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے[۴] مگر بغدادی نے بسند امام وکیع کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی؟ تو فرمایا:

ولدت سنة ثمان وعشرين ومائة[۵]

''میری ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

اکثر محققین کی رائے ہے کہ آپ اصلاً کوفی تھے' مگر بعض کا خیال ہے کہ آپ

---

۱ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۶ والفہرست لابن ندیم ص ۳۱۷۔ ۲ الطبقات الکبیر لابن سعد ج ۶ ص ۲۷۵۔
۳ الاعلام ج ۳ ص ۱۳۶ والمستطرفہ ص ۳۵ وتذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۸۰۔ ۴ صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۰۴ والانساب للسمعانی ج ۶ ص ۱۸۲ (جدید ایڈیشن حیدرآباد) ۵ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۲۔

marfat.com

کے مولد ہونے کا شرف نیشاپور کے استواء نامی ایک گاؤں کو حاصل ہے، بیشتر شواہد اور دلائل اول الذکر ہی کو مرجح قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کوفہ میں ولادت کے بعد استواء منتقل ہو گئے ہوں۔

امام وکیع نے کوفہ ہی میں نشو و نما پائی، وہاں ان کے والد بیت المال کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے[1] خود فرماتے ہیں:

کان ابی علیٰ بیت المال[2]

''میرے والد بیت المال کے نگران تھے''۔

تحصیل علم:

امام وکیع نے اپنے وقت کے تقریباً سبھی علمی سرچشموں سے اپنی علمی تشنگی فرو کی، ان کے زمانہ تک علم سینہ بسینہ رائج تھا۔ اسی بنا پر تحصیل علم میں جو مشقت اور تکلیفیں علمائے سلف نے اٹھائیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں جب امام وکیع کے اساتذہ کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم کی تحصیل کے لیے کتنی مشقتیں جھیلی ہوگی، مگر اسی سچی لگن اور جذبہ صادق نے انہیں علو مرتبت کے اس مقام پر فائز کیا کہ زبان خلق نے ان کو امام المسلمین احد ائمة الاسلام اور محدث العراق کے خطابات سے نوازا۔

امام وکیع کے فطری جوہر طالب علمی ہی کے زمانہ میں نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، چنانچہ جب وہ امام اعمش کے پاس کسب فیض کے لیے گئے، تو انہوں نے نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا:

ما احسب الا سیکون لک نبأ[3] ''میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا''۔

یحییٰ بن یمان وکیع کے عہد طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

---

[1] کتاب الجمع بین رجال الصحیحین ج ۲ ص ۵۴۶۔ [2] الاعلام ج ۳ ص ۱۱۳۶۔ [3] الانساب للسمعانی ج ۶ ص ۱۸۱ (طبع جدید) [4] کتاب الانساب للسمعانی ج ۶ ص ۱۸۲۔ (طبع جدید)

marfat.com

نظر سفیان الی عینی وکیع فقال ترون ھذا الرواسی لا یموت حتی یکون لہ نبأ۔[1]

''سفیان نے امام وکیع کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو' موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی''۔

اپنے شاگرد کے بارے میں استاد کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

شیوخ:

امام وکیع نے مختلف ملکوں کے نامور فضلاء سے فیض حاصل کیا' ان میں نمایاں اساتذہ کے نام یہ ہیں:

اسماعیل بن ابی خالد' ہشام بن عروہ' سلیمان الاعمش' عبداللہ بن عون' ابن جریج' اوزاعی' سفیان ثوری' ایمن بن نابل' عکرمہ بن عمار' ثوبہ بن ابی صدقہ' جریر بن حازم' خالد بن دینار' سلمہ بن نبیط' عیسیٰ بن طہمان' مصعب بن سلیم' مسعر بن حبیب' اسامہ بن زید اللیثی' مطر' حنظلہ بن ابی سفیان' علی بن صالح بن حی' زکریا بن اسحاق' زکریا بن ابی زائدہ' سعید بن عبید' طلحہ بن یحییٰ' عبدالحمید بن جعفر' عذرہ بن ثابت' علی بن المبارک' مالک بن مغول' ابن ابی ذئب' ابن ابی لیلیٰ' محمد بن قیس الاسدی' الورق' ہشام الدستوائی' ہشام بن سعد' حماد بن سلمہ' سعید بن عبدالعزیز التنوخی' سلیمان بن المغیرہ' صالح بن ابی خضر' عبداللہ بن عمر العمری .... عبدالعزیز بن ابی رواد' فضیل بن مرزوق' قرۃ بن خالد' مبارک بن فضالہ' موسیٰ بن عبیدہ الربذی' ہمام بن یحییٰ' یونس بن اسحاق' ابی ہلال الراسبی' یزید بن ابی زیاد۔[2]

ایک روایت کے مطابق امام وکیع نے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام زفر سے بھی سماعت حدیث کی تھی۔[3] بغدادی نے بھی لکھا ہے کہ وکیع نے امام ابوحنیفہ سے سماع حاصل کیا تھا۔ وکان قد سمع منہ شیئا کثیرا۔[4]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۶۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۴' ۱۲۴۔

[3] الفوائد البہیہ ص ۱۲۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱۔

marfat.com

ضمیری نے بھی ان کا شمار امام اعظم کے تلامذہ کے ساتھ کیا ہے۔[1]

درس حدیث:

ان جلیل القدر اساتذہ کے فیض نے ان کو آسمان علم کا نیر تاباں بنا دیا۔ اور ان کے فضل و کمال کی شہرت دور دور تک پھیل گئی' حلقہ درس سے جو فضلا نکلے ان میں یحییٰ بن آدم' ابن معین اور ابن مدینی جیسی یگانہ وقت ہستیاں شامل ہیں' اور عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر بزرگ جنہوں نے امام ابو حنیفہ' امام مالک اور حمید الطویل جیسے ائمہ سے فیض حاصل کیا تھا' وہ بھی وکیع سے فخریہ روایت کرتے تھے۔

امام وکیع نے اپنے شیخ سفیان ثوری کی رحلت کے بعد مسند درس کو زینت دی،[2] مشہور امام جرح و تعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۵ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا' لیکن ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ: ''حدث وکیع وھو ابن ثلاث وثلاثین سنة'' یعنی وکیع نے ۳۳ سال کی عمر میں درس کا آغاز کیا تھا۔

وہ جہاں بھی جاتے ان کا حلقہ درس مرجع خلائق بن جاتا اور دوسرے تمام حلقہ ہائے درس ویران نظر آنے لگتے' ابو ہشام رفاعی کہتے ہیں:

دخلت المسجد الحرام فاذا عبیداللہ بن موسیٰ یحدث والناس حوله کثیر فطفت اسبوعًا ثم جئت فاذا عبیداللہ قاعد وحده فقلت ما ھذا فقال قدم التنین فاخذھم یعنی وکیعًا۔[3]

''ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا تو عبیداللہ بن موسیٰ کو حدیث کا درس دیتے دیکھا۔ ان کے اردگرد طلبہ کا ہجوم تھا' پھر ایک ہفتہ طواف کے بعد جو آ کر دیکھا تو عبیداللہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہوا۔ انہوں نے کہا ایک اژدہا آ گیا ہے جو پورے حلقہ کو نگل گیا ہے ان کی مراد وکیع سے تھی''۔

---

[1] الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۲۰۹۔ [2] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۰۴ و تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۸۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۹۔

marfat.com

خطیب نے بھی اس واقعہ کو مزید تفصیل سے لکھا ہے[1]

اس کے علاوہ بھی مسجد حرام کے کئی حلقہائے درس' امام وکیع کے مکہ آ جانے کے بعد ویران ہو گئے' جن کی تفصیل خطیب نے بیان کی ہے۔

تلامذہ:

امام وکیع کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے' مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

احمد بن حنبل' ابن المدینی' یحییٰ بن آدم' قتیبہ بن سعید' یحییٰ بن معین' ابوخیثمہ' زہیر بن حرب' ابو بکر بن ابی شیبہ' احمد بن جعفر الوکیعی' عباس بن غالب الوراق' یعقوب الدورقی[2] عبیداللہ بن ہاشم' ابراہیم بن عبداللہ القصار[3] احمد بن منیع' حسن بن عروہ[4] اسحاق الحنظلی' محمد بن نمیر' عبداللہ الحمیدی' محمد بن سلام' یحییٰ بن جعفر' یحییٰ بن موسیٰ' محمد بن مقاتل' ابوسعید اشج' نصر بن علی' سعید بن ازہر' ابن ابی عمر' علی بن حشرم[5] یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری' محمد بن صلاح الدولابی' ابراہیم بن سعد الجوہری۔[6]

حافظ ابن حجر نے ابراہیم بن عبداللہ القصار کو امام وکیع کا آخری شاگرد بتایا ہے۔

مذکورہ بالا تلامذہ کے علاوہ امام وکیع سے بعض ان مشاہیر ائمہ نے بھی روایت کی ہے جو وکیع کے استاد ہیں یا شیوخ کی صف کے بزرگ ہیں جیسے امام سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی۔

فضل وکمال:

امام وکیع کا فضل و کمال ان کے دور کے علما میں مسلم تھا' اور وہ سب ان کے کمالات کے معترف تھے۔

امام احمد فرماتے ہیں:

---

1. تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۴۷۹۔ 2. الانساب للسمعانی ج ۶ ص ۱۸۱، تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۴۶۷۔
3. تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۸۰۔ 4. خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ج اص ۴۱۵۔
5. کتاب الجمع بین رجال الصحیحین ج ۲ص ۵۴۶۔
6. تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۱۲۵۔

marfat.com

مارأيت رجلا قط مثل وكيع في العلم والحفظ والاسناد والابواب مع خشوع و ورع.[1]

''میں نے علم' حفظ' اسناد اور ساتھ ہی ساتھ ورع وتقویٰ میں امام وکیع بن جراح کا مثل کسی کو نہیں دیکھا''۔

انہی کا دوسرا قول ہے:

مارأيت عيني مثله قط يحفظ الحديث جيدا ويذاكر بالفقه فيحسن مع ورع واجتهاد.[2]

''میری آنکھوں نے امام وکیع کا مثل نہیں دیکھا' وہ حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے' فقہ بھی بہترین پڑھاتے تھے' تقویٰ اور اجتہاد میں مختار تھے''۔

ابن عمار کہتے ہیں:

ما كان بالكوفة في زمان وكيع افقه ولا اعلم بالحديث.[3]

''وکیع کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور حدیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا' امام وکیع عبقری وقت تھے''۔

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

كان وكيع في زمانه كالاوزاعي في زمانه.[4]

''امام وکیع کی ان کے زمانہ میں وہی حیثیت تھی جو امام اوزاعی کی ان کے وقت میں تھی''۔

ابن ناصر الدین کا قول ہے:

ابوسفيان (وكيع) محدث العراق ثقة متقين ورع.

''امام ابوسفیان وکیع محدث عراق ثقہ اور متقی تھے''۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۴۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۵۰ وکتاب الانساب للسمعانی ص ۲۶۱۔
[3] ایضاً [4] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۰۲۔

marfat.com

ابن سعد نے انہیں ثقہ، بلند مرتبہ عالم، مامون، کثیر الحدیث اور حجۃ لکھا ہے[1] ان کمالات کی بناء پر وہ امام کوفہ اور محدث عراق کے خطاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

ذہانت اور قوت حافظہ:

مبداء فیاض نے امام صاحب کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا، ان کی ذکاوت و فطانت کے جوہر صغر سنی ہی میں کھلنے لگے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے جو حدیث کسی شیخ سے سنی تھی، وہ عمر بھر ان کے حافظہ میں محفوظ رہی، ان کی اس خصوصیت پر ائمہ وقت رشک کرتے تھے، قاسم حربی بیان کرتے ہیں کہ سفیان ثوری امام وکیع کو بلا کر پوچھتے کہ رواسی سے تم نے کون سی حدیث سنی ہے، وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کر دیتے کہ مجھ سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے، راوی کا بیان ہے کہ سفیان ثوری اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے، اور تعجب و حیرت کا اظہار کرتے[2]

اپنی قوت حافظہ کے بارے میں خود وکیع کا بیان ہے:

مانظرت فی کتاب منذ خمس عشرة سنة الا صحیفة یوما فظرت فی طرف منه ثم اعدته علی مکانه.[3]

''میں نے گزشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی اور اس مرتبہ میں بھی بہت سرسری طور سے دیکھا اور کتاب کو پھر اس کی جگہ رکھ دیا''۔

اسی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ درس کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے بلکہ زبانی حدیث کا درس دیتے اور طلبہ اس کو اثنائے درس میں یا اس کے بعد قلمبند کرتے، طالب علمی کے زمانہ میں بھی انہوں نے کبھی حدیثوں کو قلمبند نہیں کیا بلکہ درس کے بعد آ کر لکھتے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۷۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۸۔

[3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۵۔

marfat.com

ماکتبت عن سفیان الثوری حدیثا کنت احفظ فاذا رجعت الی المنزل کتبته[1]

''میں نے سفیان ثوری کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا' پھر گھر واپس آ کر لکھتا تھا''۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کا حافظہ تو بتکلف ہے اور امام وکیع فطری حافظ تھے[2] امام وکیع کے لڑکے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب اور کاغذ کا ٹکڑا نہیں دیکھا''۔[3]

امام موصوف کے نزدیک قوت حافظہ کا سب سے بڑا نسخہ معاصی سے اجتناب ہے' اللہ تعالیٰ ہر انسان کو حفظ وفہم کی دولت سے نوازتا ہے' مگر خبائث اور معاصی کی کثرت اس کو کند کر دیتی ہے علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے امام وکیع کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیتے تھے' ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ دیکھ کر میں نے ان سے کوئی ایسی دوا پوچھی' جس سے حافظہ اچھا ہو جائے امام صاحب نے فرمایا:

ترک المعاصی ماجربت مثله للحفظ۔[4]

''معاصی سے اجتناب سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لیے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی''۔

ایک دفعہ کسی شخص نے سوء حفظ کی شکایت کی' امام وکیع نے اس کو معاصی سے اجتناب کا مشورہ دیا' اور فرمایا! علم خداوند قدوس کا نور ہے' وہ کسی گنہگار اور عاصی کو عطا نہیں کیا جاتا درج ذیل اشعار میں اس واقعہ کا ذکر ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فاوصانی الی ترک المعاصی
وعلله العلم فضل ۔۔۔ وفضل الله لا یؤتی لعاصی[5]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۱ص ۵-۴۰۲۔ [2] کتاب الانساب للسمعانی ص ۲۶۱۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۴۷۹

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۱۲۹۔ [5] مرآۃ الجنان للیافعی ج ۱ص ۴۵۸۔

marfat.com

اخلاقی فضائل:

علمی کمالات کے ساتھ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے' دنیاوی دولت اور وجاہت کی آپ کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی' اور ہمیشہ اس سے دامن بچاتے رہے' خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کے سامنے منصب قضا کی پیش کش کی' آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا[1]

ایک مرتبہ محمد بن عامر مصیصی نے امام احمد سے دریافت کیا کہ آپ وکیع سے زیادہ محبت رکھتے ہیں یا یحییٰ بن سعید سے؟ امام احمد نے جواب دیا میں وکیع کو یحییٰ سے افضل سمجھتا ہوں' کیونکہ انہوں نے حفص بن غیاث کی طرح عہدہ قضا کو قبول کرنے سے گریز کیا تھا' اور یحییٰ نے معاذ بن جبل کی طرح اپنے آپ کو اس منصب کی آزمائشوں میں مبتلا کیا[2]

ان کی والدہ نے انتقال کے وقت ایک لاکھ نقد یا اتنی رقم کی جائیداد وراثت میں چھوڑی تھی' وکیع نے کبھی اپنے حصہ کا مطالبہ نہیں کیا' گھر میں جو کھانا اور کپڑا مل جاتا اسی پر قانع وشاکر رہتے' نہ مزید کے لیے مطالبہ کرتے اور نہ اس بارے میں کوئی گفتگو ہی کرتے[3]

ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ امام اعمش کے حلقہ درس میں آپ نے میری دوات سے روشنائی استعمال کی تھی' اس کی قیمت ادا کیجیے! راوی کا بیان ہے کہ امام موصوف نے بغیر کسی تحقیق اور بحث کے دینار کی ایک تھیلی لا کر اس شخص کو دے دی اور فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں[4]

خوف وخشیت کا یہ عالم تھا کہ ابن معین کا بیان ہے کہ میں نے وکیع کو اکثر یہ کہتے سنا ''ای یوم لنا من الموت'' ہماری موت کس دن ہوگی؟

داؤد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عالم رؤیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۲ والاعلام ج ۳ ص ۱۱۳۶۔　[2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۵۔
[3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۶۹۔　[4] ایضاً۔

marfat.com

کی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ولی کون لوگ ہوتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ''جو لوگ اپنے ہاتھ سے کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے اور بلاشبہ وکیع انہیں میں سے ایک ہیں''۔

دولت مند ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے تھے' پھر بھی اس خوف سے لرزاں رہتے کہ کہیں خداوند قدوس کے یہاں اس ''تعیش'' کی باز پرس نہ ہو ان کی جسمانی تروتازگی کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ وہ عیش وتنعم کی زندگی بسر کرتے ہیں' ایک مرتبہ جب وہ مکہ گئے تو حضرت فضیل بن عیاض نے جو مشہور زاہد ہیں' انہیں دیکھ کر کہا کہ آپ تو عراق کے راہب ہیں' یہ موٹاپا کیسا؟ فرمایا:

'' ھذا فرحی بالاسلام ''یعنی یہ چیز درحقیقت نعمت اسلام سے بہرہ ہونے کی خوشی اور مسرت کا نتیجہ ہے[1]

عبادت:

ان کی عبادت کی کثرت' رقت قلب اور گریہ پر معاصر ائمہ واخیار وقت بھی رشک اور اس کی تمنا کرتے تھے' ابراہیم بن شماس کہتے ہیں کہ اگر میں کوئی آرزو کرتا تو وکیع کی عبادت اور رقت کی تمنا کرتا[2]

قاضی یحییٰ بن اکثم اور امام وکیع کا سفر وحضر میں بار ہا ساتھ رہا ہے' ان کا بیان ہے کہ وکیع ہر شب میں قرآن ختم کرتے تھے[3] ایک دوسرے معاصر یحییٰ بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ وہ رات میں ثلث قرآن پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے' اور پھر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو جاتے تھے[4]

ان کی شب بیداری اور عبادت گزاری کا رنگ پورے گھر پر چڑھا ہوا تھا اور گھر کا ہر فرد حتیٰ کہ ملازم تک تہجد کے پابند تھے' ابراہیم بن وکیع فرماتے ہیں:

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۸۱ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۰۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۱ شذرات الذہب ج ا ص ۳۵۰۔

[3] ایضاً۔ [4] سمعانی ج ا ص ۲۶۶ وصفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۰۲۔

marfat.com

كان ابی يصلی الليل فلا يبقی فی دارنا احد الا صلی حتی ان جارية لنا سوداء لتصلی[1]

''میرے والد جب رات میں نماز پڑھتے تھے تو ہمارے گھر میں کوئی شخص ایسا نہیں باقی رہتا تھا' جو نماز نہ پڑھتا ہو' حتیٰ کہ ہماری سیاہ فام لونڈی بھی نماز پڑھتی''۔

معمولات:

سفیان بن وکیع اپنے والد کے شب و روز کے معمولات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میرے والد صائم الدھر تھے' صبح سویرے بیدار ہو جاتے' فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہو جاتی' دن نکلتے تک اس میں مشغول رہتے پھر گھر جا کر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے پھر عصر تک طلبہ کو قرآن کا درس دیتے اور پھر مسجد آ کر عصر کی نماز پڑھتے' اور اس سے فارغ ہو کر پھر درس قرآن شروع ہو جاتا اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے' پھر مکان تشریف لا کر افطار فرماتے' اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے تھے''۔[2]

مسلک:

امام وکیع اگرچہ منصب امامت و اجتہاد پر فائز تھے' لیکن فتویٰ مسلک حنفیہ کے مطابق دیتے تھے' اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ حنفی مسلک کی طرف مائل تھے' یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

كان وكيع يفتی بقول ابی حنيفة و كان قد سمع منه شيئًا كثيرًا[3]

''امام وکیع ابو حنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت بھی کی تھی''۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱۔

[3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۱۔

marfat.com

علالت وفات:

۱۹۶ھ کے اواخر میں زیارت حرمین کے لیے تشریف لے گئے' حج سے فراغت کے بعد اسہال کی شکایت ہوگئی' اس لیے وطن کا قصد کیا لیکن مرض شدت اختیار کرتا گیا اور کوفہ و مکہ کے درمیان مقام فید میں پہنچے تھے کہ پیام اجل آ گیا اور علم وفضل کا یہ پیکر اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوگیا[1] اس وقت ۶۸ سال کی عمر تھی۔

تصنیفات:

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وکیع نے درس و تدریس کے ساتھ تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا' امام احمد فرماتے ہیں علیکم بمصنفات وکیع[2] امام جوزی کا بیان ہے:

صنف التصانیف الکثیرة۔[3]

''انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں''۔

لیکن ان تصنیفات کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے' خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے کہ:

"له مصنف فی الفقه والسنن"[4] لیکن صراحت کے ساتھ صرف دو کتابوں کے نام ملتے ہیں:

❶ مصنف ابی سفیان[5] (وکیع بن الجراح) ❷ کتاب السنن[6]

مگر آج ان کی کسی تصنیف کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا' یہی وجہ ہے کہ خلیفہ چلپی اور صاحب المعجم نے امام وکیع کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۵۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۸ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۲۶ وتاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۲۷۶۔ [3] صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۶۴۔ [4] الاعلام ج ۳ ص ۱۱۳۶۔
[5] المستطرف ص ۳۵۔ [6] الفہرست ص ۳۱۷۔

marfat.com

ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ولید بن مسلم کا شمار ان اتباع تابعین میں ہوتا ہے، جنہوں نے بکثرت تصانیف یادگار چھوڑیں، وہ امام اوزاعی کے ارشد تلامذہ میں تھے، مغازی ان کا خاص فن تھا، طویل احادیث اور آثار قیامت کے سلسلہ کی احادیث کے خاص طور پر حافظ تھے۔

نام ونسب:

ولید نام، ابوالعباس کنیت تھی، والد کا نام مسلم تھا، اس سے آگے کے سلسلہ نسب کا پتہ نہیں چلتا۔ بنوامیہ کے غلام ہونے کی بنا پر اموی لکھے جاتے ہیں۔

وطن اور ولادت:

دمشق کے رہنے والے تھے، وہیں ۱۱۹ھ میں ان کی ولادت ہوئی[1]

تحصیل علم اور شیوخ:

شیخ ولید کو اپنے وقت کے جن ممتاز اہل علم وفضل سے اکتساب فیض کا موقع ملا ان میں کبار تابعین اور اتباع تابعین کے نام شامل ہیں، چند نام یہ ہیں:

یحیٰی بن الحارث، ثور بن یزید، محمد بن عجلان، ہشام بن حسان، ابن جریج، امام اوزاعی، یزید بن مریم، صفوان بن عمرو۔

وہ بعض اساتذہ کی خدمت میں دراز تک رہے، چنانچہ ان کے کاتب حمام شیخ ولید کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

جالست ابن جابر سبع عشر سنة.

''میں سترہ برس تک جابر کی صحبت میں رہا''۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷۶۔

marfat.com

فقیہ شام امام اوزاعی سے ولید بن مسلم کو خاص تلمذ کی سعادت حاصل تھی، مروان بن محمد کہا کرتے تھے کہ جب ولید کے واسطے سے امام اوزاعی کی روایت کسی کو مل جائے تو اسے پھر کسی راوی کے چھوٹنے کی پرواہ نہ کرنی چاہیے[1]

ان ائمہ وفضلا کی صحبت اور فیض نے ان میں حدیث نبوی کا خاص ذوق پیدا کر دیا تھا، اور بعد میں وہ خود بھی اکابر محدثین میں شمار کیے جانے لگے۔

علم وفضل:

ولید بن مسلم کے علمی مرتبہ اور مہارت فنی کو تمام محققین نے سراہا ہے۔ امام نووی کا بیان ہے کہ ان کی علمی بلندی، جلالت شان اور ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے[2] حافظ ذہبی انہیں ''الامام الحافظ'' لکھتے ہیں، ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ ولید امام، حافظ اور دمشقیوں کے عالم تھے[3]

علاوہ ازیں صدقہ بن الفضل المروزی بیان کرتے ہیں کہ طویل حدیثوں اور تمام ابواب کو یاد رکھنے میں ان سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا[4] ابراہیم بن المنذر کا قول ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے علی بن المدینی نے فرمائش کی کہ میں ان کو ولید بن مسلم کی بعض احادیث سناؤں، میں نے کہا سبحان اللہ! آپ کے سماع کو میرے سماع سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ وہ بولے کہ ولید جب شام آئے، تو ان کے پاس علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور میں اس سب سے فیض یاب نہیں ہوسکتا تھا، میں نے ان کو کچھ حدیثیں سنائیں، تو متعجب ہوئے اور کہنے لگے واقعی ولید بالکل ٹھیک کہتے تھے۔

ابن مدینی ہی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے حدیث کا سماع حاصل نہیں کیا۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو وہ بہت سی ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے، جس میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۳۔ [2] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۱۴۷۔ [3] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۴۴۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۴ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۷۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۵۔

marfat.com

ائمہ حدیث کی رائے:

تمام ائمہ حدیث نے ان کے علم وفضل اور روایت حدیث پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے' ابو حاتم سے محمد بن ابراہیم نے دریافت کیا کہ آپ ولید بن مسلم کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بولے: ''وہ صالح حدیث تھے''۔ امام احمد بن حنبل نے ابوزرعہ الدمشقی سے کہا: تین بزرگ واقعی اصحاب حدیث ہیں' مروان بن محمد' ولید بن مسلم اور ابومسہر۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ لوگوں کا علم صرف دوشخصوں کے پاس ہے' اسماعیل بن عیاش اور ولید بن مسلم' لیکن ولید کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت قابل تعریف طور پر اخیر وقت تک چلتے رہے' وہ اہل علم کے نزدیک پسندیدہ قابل وثوق' صحیح الحدیث اور صحیح العلم تھے[1]

امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ:

واجمعوا علی جلالته وارتفاع محله وتوثیقه.[2]

''ان کی جلالت علم بلندی مرتبہ اور وثوق فی الحدیث پر سب لوگ متفق ہیں''۔

تلامذہ:

ان کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے اس میں جلیل القدر ائمہ اور نادرۂ روزگار فضلاء کی بھی خاصی تعداد شامل ہے' ابن حوضا کا بیان ہے کہ:

لم نزل نسمع انه من کتب مصنفات الولید صلح ان یلی القضاء[3]

''ہم لوگ برابر اس بات کو سنتے آئے ہیں کہ جس شخص نے ولید کی کتابیں لکھ لیں وہ عہدہ قضا کے قابل ہو جائے گا''۔

ان کے تلامذہ میں درج ذیل اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں:

احمد بن حنبل' ہشام بن عمار' ابوخیثمہ' کثیر بن عبید' محمود بن غیلان' موسیٰ بن عامر[4] حمیدی' صفوان بن صالح' عبداللہ بن وہب' محمد بن المبارک' عبدالرحمن بن ابراہیم' نعیم بن

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۳۔ [2] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۱۴۷۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۳۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۶۔

marfat.com

حماد، اسحاق بن اسرائیل [1]

جرح:

بعض ناقدین حدیث نے کہا ہے کہ ولید بھی کبھی ضعیف راویوں سے احادیث روایت کرتے تھے اور کبھی وہ تدلیس بھی کرتے تھے، یعنی جس شخص سے روایت کرتے تھے اس کا معروف نام نہیں لیتے تھے، ہیثم بن خارجہ نے ان سے کہا کہ: ''آپ امام اوزاعی کی احادیث کو خراب کر ڈالتے ہیں، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بولے: تم یہ بات کیسے کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: آپ کبھی عن الاوزاعی عن ابن عمر کر کے روایت بیان کرتے ہیں اور کبھی عن الاوزاعی عن الزہری اور کبھی یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، آپ کے علاوہ لوگ تو امام اوزاعی اور نافع کے درمیان عبداللہ بن عامر کا ذکر کرتے ہیں، امام زہری اور اوزاعی کے درمیان ابراہیم بن مرہ کا ذکر کرتے ہیں، تو آپ ایسا کیوں کرتے ہیں'' فرمایا کہ: ''میں امام اوزاعی کو ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں'' پھر انہوں نے کچھ کہا، شیخ ولید نے کوئی توجہ نہ دی، بہرحال اتنا مسلم ہے کہ وہ کبھی کبھی تدلیس سے کام لیتے تھے مگر اس سے ان کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چنانچہ علامہ ذہبی پر لوگوں کی جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

لا نزاع فی حفظه وعلمه وانما الرجل مدلس فلا یحتج به الا اذا صرح بالسماع [2]

''ولید کے حفظ اور ان کے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ وہ مدلس تھے اس لیے جب تک سماع کی تصریح نہ کریں اسے حجت نہیں بنایا جا سکتا''۔

عقل وفرزانگی:

فہم و دانش کے اعتبار سے بھی وہ معاصرین ارباب کمال میں ممتاز نہ تھے، احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: ''میں نے اہل شام میں ان سے زیادہ عقل مند نہیں دیکھا۔

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۱۴۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ الذہبی ج ۱ ص ۲۷۶۔

marfat.com

اخلاق وعادت:

کمال علم وفضل کے ساتھ ان کے اخلاق و عادات بھی نہایت کریمانہ اور بزرگانہ تھے' ہشام بن عمار سے کسی نے ان کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ولید بہت بڑے عالم' صاحب زہد ورع اور متواضع الطبع تھے۔

وفات:

حج سے واپس آ رہے تھے کہ دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ذی المروہ نامی ایک موضع میں بیمار پڑ گئے' اپنے دوست حرملہ بن عبدالعزیز کے مکان پر قیام کیا اور وہیں ان کی وفات ہوگئی' سنہ وفات میں محققین کا قدرے اختلاف ہے' کسی نے ۱۹۵ھ اور کسی نے ۱۹۹ھ لکھا ہے' مگر صحیح ۱۹۴ھ ہے' امام بخاری وغیرہ نے اسی کو مرجح قرار دیا ہے۔

تصنیفات:

شیخ ولید کا شماران محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں ہیں علامہ ذہبی' حافظ ابن حجر اور دوسرے اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ستر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ومصنفات الولید سبعون کتابا۔ ''ولید کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے''۔

اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ان کی یہ تصانیف حدیث' فقہ اور تاریخ سے متعلق تھیں' چنانچہ علامہ ذہبی نے فن تاریخ میں بھی ان کی کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے ''صنف التصانیف والتواریخ'' علاوہ ازیں ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ ولید مغازی میں وکیع بن جراح سے بڑے عالم تھے' ظاہر ہے مغازی بھی تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے۔

تاہم ولید کی تصنیفات کی مزید کوئی تصریح اور تفصیل نہیں ملتی' اور نہ ان میں سے کسی کے وجود کا پتہ چلتا ہے' مشہور مؤرخ اسحاق بن ندیم نے دو کتابوں کا ذکر کیا ہے[1]

❶ کتاب السنن فی الفقه ❷ کتاب المغازی

---

[1] الفہرست ص ۳۱۸۔

marfat.com

وہیب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

وہیب نام' ابو بکر کنیت' والد کا نام خالد اور دادا کا نام عجلان تھا۔[1] باہلہ بنت اعصر سے نسبت ولاء رکھنے کی وجہ سے باہلی کہلاتے ہیں۔ سمعانی کا بیان ہے کہ:

کانت العرب یستنکفون من الانتساب الی باھلہ[2]

''عرب باہلہ کی طرف انتساب کو برائی تصور کرتے تھے''۔

وطن اور ولادت:

۱۰۷ھ میں قبۃ الاسلام بصرہ میں پیدا ہوئے[3] غالباً کپڑوں کی تجارت کرتے تھے' اسی بنا پر الکرابیسی اور صاحب الکرابیس کے القاب سے مشہور ہیں' جیسا کہ سمعانی اس نسبت کے متعلق رقمطراز ہیں' ھذہ النسبۃ الیٰ بیع الثیاب[4] پہلی اور دوسری صدی کے متعدد علماء اس نسبت سے متصف ہیں۔

علم وفضل:

ان کی خوبی بخت نے انہیں نادرۂ روزگار تابعین کرام کی صحبت میں پہنچا دیا تھا' جن سے وہ پوری طرح مستفیض ہوئے' حدیث کی مہارت رجال کی بصیرت اور حفظ و اتقان میں نہایت ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے تھے' ان کا شمار بصرہ کے مشہور حفاظ اربعہ میں ہوتا تھا' احمد بن ابی رجاء کا قول ہے کہ:

ھو فی التفقہ و العلم نظیر حماد[5]

''وہ علم وتفقہ میں حماد کی نظیر تھے''۔

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۲۴۶۔ [2] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۶۴۔
[3] الاعلام ج ۳ ص ۱۱۴۱۔ [4] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۴۷۶۔
[5] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۲۱۳۔

marfat.com

عمر بن علی کہتے ہیں:

سمعت یحیی بن سعید ذکرہ فاحسن الثناء علیہ.

''میں نے یحییٰ بن سعید کو ان کا ذکر خیر کرتے سنا اور انہوں نے ان کی بڑی تعریف کی''۔

شیوخ وتلامذہ:

وہیب نے اپنے عہد کی بکثرت متحرک درسگاہوں' یعنی علماء ائمہ سے اکتساب علم کیا تھا' جن میں ممتاز و یگانہ فن تابعین کی بھی خاصی تعداد شامل تھی' مشاہیر فضلاء میں ہشام بن عروہ' ایوب السختیانی' یحییٰ بن سعید الانصاری' جعفر الصادق' حمید الطویل' عبداللہ بن طاؤس' منصور بن المعتمر' داؤد بن ابی الہند' یحییٰ بن ابی اسحاق الحضرمی' خیثم بن عراک' موسیٰ بن عقبہ' ابن جریج' سہیل بن ابی صالح' اور ابی حازم بن دینار وغیرہ کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔

خود وہیب کے خوشہ چینوں کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے جن میں بلند پایہ اتباع تابعین کی بھی ایک جماعت شامل ہے' نمایاں نام یہ ہیں:

اسماعیل بن علیہ' عبداللہ بن مبارک' عبدالرحمٰن بن مہدی' یحییٰ بن سعید القطان' یحییٰ بن آدم' ابوداؤد الطیالسی' ابوہشام المخزومی' سلیمان بن حرب' موسیٰ بن اسماعیل' مسلم بن ابراہیم' یحییٰ بن حسان' سہل بن بکار' ہدبہ بن خالد۔

کتنی مبارک اور پاکیزہ تھیں وہ ہستیاں جنہیں ایسے ایسے آفتاب علم اساتذہ فن سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا' اور کتنے سعید و خوش بخت تھے وہ لوگ جنہیں ایسے نادرۂ روزگار تلامذہ کی مشیخت نصیب ہوئی' اس سلسلہ میں وہیب کو بلا شبہ امتیاز خاص حاصل تھا۔

حدیث:

وہ حدیث کے مسلم الثبوت اساتذہ میں تھے' اس میں ان کے تثبت واتقان اور ثقاہت پر علماء کا اجماع ہے' ابن معین کا بیان ہے: ''کان شیوخ اثبت شیوخ البصریین'' ابوحاتم کہتے ہیں:

marfat.com

ما انقی حدیثه لا تکاد تجده یحدث عن الضعفاء۔

''ان کی حدیث کتنی صاف و شفاف ہوتی تھی آپ انہیں کسی ضعیف راوی سے روایت کرتے نہیں پائیں گے''۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقة کثیر الحدیث حجة۔

''وہ ثقہ' کثیر الحدیث اور حجت تھے''۔

رجال:

علوم اسلامیہ میں فن اسماء الرجال کو بڑی اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ احادیث کی صحت اور علوئے اسناد کا تمام تر مدار اسی علم پر ہے۔ اسی کی کسوٹی پر ناقدین فن حدیث کو جانچتے پرکھتے ہیں اور پھر اس کے پایہ درجہ کا تعین ہوتا ہے' یقیناً یہ محدثین عظام ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے' جس کی بنا پر آج ہم احادیث نبوی ﷺ کے اتنے عظیم ذخیرے کی پوری صحت کا یقین رکھتے ہیں۔

وہیب بن خالد اس میں پوری بصیرت رکھتے تھے' امام شعبہ کو اس فن کا امام تسلیم کیا جاتا ہے' ابوحاتم کا بیان ہے کہ شعبہ کے بعد رجال کا عالم ان سے بڑا کوئی نہیں ہوا۔

لم یکن احد بعد شعبة اعلم بالرجال منه[2]

''شعبہ کے بعد رجال کا عالم ان سے بڑا کوئی نہ تھا''۔

امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

کان من ابصر اصحابه بالحدیث والرجال[3]

''وہیب اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ حدیث ورجال میں بصیرت رکھتے تھے''۔

قوت حافظہ:

وہیب غیر معمولی قوت حافظہ کی دولت سے مالا مال تھے' ایک حادثہ میں بصارت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۱۳۔ [2] ایضاً۔ [3] العبر فی خبر من غبر جلد اص ۲۴۶۔

maarfat.com

کی نعمت سے محروم ہو گئے تھے لیکن اپنے حافظہ کی بنیاد پر حدیثیں املا کرایا کرتے تھے' علامہ ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ:

کان قد سجن فذهب بصره کان یملی من حفظه.

''انہیں مقید کر دیا گیا تھا پس ان کی بصارت جاتی رہی تھی اور اپنے حافظہ سے املا کراتے تھے''۔

اس صفت میں ان کو متعدد دوسرے حفاظ حدیث پر فوقیت دی جاتی ہے۔

ابن سعد ہی کا بیان ہے:

کان احفظ من ابی عوانة.[1]

''وہ ابوعوانہ سے بڑے حافظ تھے''۔

وفات:

۱۶۵ھ میں راہی عالم جاوداں ہوئے[2] وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۳۔

[2] مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۵۲ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۴۶۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۳ و طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۳۔

marfat.com

ہشیم بن بشیر الواسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ہشیم نام اور ابو معاویہ کنیت تھی، ہشیم بن بشیر بن ابی حازم القاسم دینار[1] بنو سلیم کے غلام تھے اس لیے سلمی کہلاتے ہیں،[2] اور واسطی وطن کی طرف نسبت ہے۔

مولد ووطن:

ہشیم ۱۰۴ھ میں بمقام واسط پیدا ہوئے، پھر ایک عرصہ کے بعد مرکز علم وفن بغداد منتقل ہوگئے تھے اور آخری عمر تک وہیں رہے۔[3] بعض کا خیال ہے کہ وہ بخاری الاصل تھے۔[4]

تحصیل علم اور ابتدائی حالات:

ابتداء میں مقامی علماء سے مستفید ہوئے، اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں دور دراز کے ممالک کے چشموں تک پہنچایا، اور وہاں انہوں نے ممتاز اور کبار فضلاء کے معدن فضل وکمال سے اپنے ذہن ودماغ کو مالا مال کیا، چنانچہ مکہ میں انہوں نے امام زہری اور عمر بن دینار سے سماع حاصل کیا، ہشیم کے والد اموی خلیفہ حجاج بن یوسف ثقفی کے باورچی تھے، پھر اس کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کرلیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ ہشیم بھی ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹائیں اس لیے وہ ان کو طلب علم سے روکتے تھے، لیکن وہ ان کے علی الرغم تحصیل علم میں ہمہ تن مشغول رہے۔

اتفاق سے ایک مرتبہ ہشیم سخت بیمار پڑ گئے، قاضی واسط ابو شیبہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے تلامذہ اور عوام کے ایک جم غفیر کے ہمراہ عیادت کو تشریف لائے بشر بن

---

1. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۹۔ 2. طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۶۱۔

3. تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۸۵۔ 4. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۹۔

marfat.com

ابی حازم کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ قاضی وقت ان کے غربت کدہ کو کبھی اپنی تشریف آوری سے زینت بخشے گا' اس لیے وہ اپنے اس غیر متوقع اعزاز پر فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے' اور اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ابلغ من امرک ان جاء القاضی الیٰ منزل لا امنعک بعد هذا الیوم من طلب الحدیث۔[1]

''تمہاری وجہ سے قاضی میرے گھر تشریف لائے آج کے بعد میں تمہیں طلب حدیث سے نہ روکوں گا''۔

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے ہشیم بلند مرتبہ حفاظ حدیث میں تھے' متعدد تابعین کرام سے صحبت اور کسب فیض کا شرف حاصل تھا' حفظ و اتقان اور عبادت وللہیت میں بھی درجہ کمال پر فائز تھے' بغداد میں اپنے زمانہ کے رئیس المحدثین تھے' اسی بنا پر ''محدث بغداد'' ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا' علامہ ذہبی انہیں ''الحافظ احد الاعلام'' لکھتے ہیں[2] حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ: ''کان هشیم من سادات العلماء''[3] ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں[4] حافظ ذہبی نے تذکرہ میں ''الحافظ الکبیر محدث العصر'' لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔[5]

حدیث:

انہوں نے تحصیل علم کے لیے بہت سے دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور پھر حدیث میں انہیں اتنا عبور حاصل ہو گیا تھا کہ اساتذہ عصر میں شمار کیے جانے لگے' علامہ ابن سعد نے ''کان ثقة الحدیث حجة''[6] کے الفاظ سے ان کے کمال فنی کو سراہا ہے۔

جن علماء وائمہ سے وہ مستفید ہوئے ان میں ممتاز اور لائق ذکر نام یہ ہیں:

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸۴۔ [2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۵۷۔ [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۳۔
[4] مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۹۳۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۵۔ [6] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۶۱۔

marfat.com

قاسم بن مہران، یعلی بن عطاء، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن خالد، عمرو بن دینار، امام زہری، یونس بن عبید، ایوب السختیانی، ابن عون، اشعث بن عبدالملک، منصور بن زاذان، مغیرہ بن مقسم، سلیمان الاعمش، حمید الطویل، عطاء بن السائب اور یحیٰی بن سعید الانصاری۔

تلامذہ:

ان کے حلقہ بگوشوں کی فہرست بھی کافی طویل ہے، کیونکہ ہشیم نے واسط کے علاوہ، بغداد، بصرہ، کوفہ اور مکہ وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھی بساط درس آراستہ کی تھی، ان سے مستفید ہونے والے جو علماء آسمان علم کا اختر تاباں بنے ان میں امام مالک بن انس، سفیان ثوری، شعبہ، عبداللہ بن مبارک، یحیٰی بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، غندر، وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعید، احمد بن حنبل یحیٰی بن معین، علی بن المدینی، ابو خثیمہ، ابوعبید القاسم بن سلام، شجاع بن مخلد، حسن بن عرفہ، احمد بن منیع، علی بن حجر اور علی بن مسلم وغیرہ کے نام تاریخ علم وفن میں زندہ جاوید ہیں[1]

ذہانت وفطانت:

ہشیم بڑے قوی الحفظ تھے، ابن قطان کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری اور شعبہ کے بعد ہشیم سے زیادہ حافظ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا[2] امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ ہشیم کا مرتبہ حفظ حدیث میں امام ثوری سے بھی بڑھا ہے[3] عبدالرحمٰن بن مبارک جو ہشیم کے شاگرد خاص تھے، بیان کرتے ہیں کہ مرور وقت کی بنا پر بہت سے محدثین کا حافظہ آخر عمر میں متاثر ہو جاتا کرتا تھا۔ لیکن ہشیم کے قوت حافظہ پر وقت کی پرچھائیں بھی نہ پڑھ سکی[4] اسحاق الزورقی کہتے ہیں:

مارأيت مع هشيم الواحا انما كان يجئي الى المجلس ويقوم يعني يكتفي بحفظه[5]

''میں نے ہشیم کے ساتھ کبھی کاپیاں نہیں دیکھیں وہ مجلس درس میں شریک

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۸۵ وتہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۹، ۶۰۔ [2] مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۹۳۔
[3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۲۸۶۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۱۔ [5] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۸۔

marfat.com

ہوتے اور اسی طرح اٹھ کھڑے ہوتے یعنی اپنے حافظہ کو کافی سمجھتے''۔

خود ہشیم کی زبانی منقول ہے کہ میں ایک مجلس درس میں سو حدیثیں زبانی یاد کر لیتا تھا اور پھر اگر ایک ماہ کے بعد بھی مجھ سے ان احادیث کے بارے میں سوال کیا جاتا تو میں جواب دے دیتا[1] ابراہیم الحربی کا قول ہے:

کان حفاظ الحدیث اربعة کان هشیم شیخهم[2]

''حفاظ حدیث چار تھے، جن میں ہشیم سب کے استاد تھے''۔

ثقاہت اور تدلیس:

ان کی عدالت و ثقاہت مسلم ہے اور اس کا اعتراف علمائے جرح و تعدیل نے بھی کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ بعض لوگوں نے ان تدلیس کا الزام عائد کیا ہے، یعنی وہ اپنے شیوخ کا نام لیے بغیر براہ راست اوپر کے ان رواۃ سے حدیث بیان کرتے تھے جن سے انہیں سماع حاصل نہ تھا، اصول حدیث کے بعض علماء کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں، لیکن مسلک جمہور میں ثقہ راوی کی مدلس روایت اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگی، جب تک اس روایت کے کسی طریق میں سماع وتحدیث کی تصریح نہ مل جائے۔

علامہ ذہبی نے ہشیم کی کثرت تدلیس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ''ہشیم کے نزدیک عن سے تدلیساً روایت جائز تھی''[3] علامہ موصوف ہی تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

لا نزاع انه کان من الحفاظ الثقات الا انه کثیر التدلیس فقد روی عن جماعة لم یسمع منهم[4]

''انہوں نے ایسے شیوخ سے روایات کی ہیں جن سے ان کو سماع حاصل نہ تھا''۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن سعد کا خیال ہے کہ جو حدیث وہ لفظ اخبرنا سے روایت کریں، صرف وہی قابل حجت ہوگی اس کے علاوہ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۹۰۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۹۲۔

[3] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۸۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۶۔

marfat.com

نہیں" ومالم يقل فيه اخبرنا فليس بشئي "[1]

ذکر اللہ کی کثرت:

ہشیم کی زبان ہر وقت خداوند قدوس نے ذکر اور تسبیح سے تر رہتی تھی' یہاں تک کہ دوران درس بھی ان کا ورد رہا کرتا تھا حسین بن حسن رومی کہتے ہیں:

مارأيت احدًا اكثر ذكر الله عزوجل من هشيم.[2]

"میں نے ہشیم سے زیادہ کسی کو خدائے عزوجل کا ذکر کرتے نہیں دیکھا"۔

امام احمد فرماتے ہیں:

كان هشيم كثير الحديث التسبيح بين الحديث يقول لا اله الا الله يمدبها صوته.[3]

"ہشیم درس حدیث کے دوران بھی کثرت سے تسبیح پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ پڑھنے کی آواز سنائی دیتی تھی"۔

مناقب:

بایں ہمہ جلالت علم ہشیم گوناگون مناقب وفضائل کے حامل تھے۔ چنانچہ عمر بن عون کا بیان ہے کہ ہشیم نے وفات سے قبل دس سال تک مسلسل عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی[4] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پوری شب عبادت و ریاضت میں گزرتی تھی' حماد بن زید کہتے ہیں کہ:

ما رأيت محدثا انبل من هشيم.

"میں نے ہشیم سے زیادہ شریف کوئی محدث نہیں دیکھا"۔

ابو حاتم کا قول ہے:

لا يسأل عن هشيم فى صلاحه وصدقه وامانته.[5]

"ہشیم کی نیکی اور صدق امانت کا کیا پوچھنا"۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷ ج ۱۱۱۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۲۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۸۹۔
[4] البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۴۔ [5] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۷۔

marfat.com

بشارت:

اس کے علاوہ ان کے بارے میں سرور کائنات حضور اکرم ﷺ کی بہت سی ایسی منامی بشارتیں بھی منقول ہیں جو یقیناً ہشیم کے علو مرتبت اور جلالت شان کا ایک بڑا ثبوت ہیں۔

اسحاق الزبادی سے مروی ہے کہ میں بغداد میں ہشیم کی صحبت میں برابر آیا جایا کرتا تھا' وہیں ایک ثقہ شخص نے بیان کیا کہ ایک شب اس نے خواب میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کس سے حدیث کا سماع حاصل کرتے ہو؟ عرض کیا کہ ہمیں ہشیم بن بشیر سے کسب فیض کی سعادت نصیب ہے۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے سکوت فرمایا' شخص موصوف نے اپنی بات دوبارہ عرض کی' سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

نعم اسمعوا من هشيم فنعم الرجل من هشيم[1]

''ہاں ہاں ٹھیک ہے ہشیم سے سماع کرو کیوں کہ بہت ہی اچھا آدمی ہے''۔

مشہور بزرگ معروف الکرخی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک شب حالت منام میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہشیم سے فرما رہے ہیں:

يا هشيم جزاك الله تعالىٰ من امتى خيرًا[2]

''اے ہشیم تمہیں اللہ تعالیٰ میری امت کی طرف جزائے خیر دے''۔

وفات:

ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ شعبان ۱۸۳ھ کو بروز چہار شنبہ ہشیم کی وفات ہوئی[3] بغداد کے مشہور قبرستان خیزران میں تدفین عمل میں آئی' انتقال کے وقت ۷۹ سال کی عمر تھی[4]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۹۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۶۲۔

[3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۹۳۔ [4] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۶۱۔

marfat.com

یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یحییٰ نام' ابوسعید کنیت اور والد کا نام زکریا تھا' جتنے سلسلہ نسب کا علم ہوا ہے وہ یہ ہے:

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز الہمدانی' اپنے دادا ابوزائدہ کی نسبت شہرت پائی' محمد بن المبشر الہمدانی سے تعلق ولاء رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت:

شیخ یحییٰ کے والد زکریا بن ابی زائدہ خود بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے' اس لیے یحییٰ کو علمی خانوادہ میں پیدا ہونے کے باعث علم سے قدرتی وفطری مناسبت تھی' پھر ان کے والد کو بھی شروع ہی سے اپنے بیٹے کی تعلیم کا بڑا خیال تھا' عیسیٰ بن یونس بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے زکریا بن ابی زائدہ کو دیکھا ہے' کہ وہ اپنے صغیر السن بچے کو مجالد بن سعید کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے' اور ان سے کہتے تھے: '' بیٹے ان حدیثوں کو یاد کرلو'' ۔ مزید برآں یہ ہوا کہ یحییٰ کوفہ کے رہنے والے تھے' جو اس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ تھا' آپ نے ان قدرتی مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ آپ نے حدیث کا سماع اپنے والد ماجد زکریا بن ابی زائدہ کے علاوہ ہشام بن عروہ' اسماعیل بن ابی خالد' سلیمان الاعمش' حجاج بن الارطاۃ' ابن عون اور عاصم الاحول جیسے اساطین علم وفن سے حاصل کیا اور اپنے ذوق وشوق اور شیوخ کے فیض التفات سے علم وفیض میں وہ بلند مقام حاصل کیا کہ منتخب علماء وقت میں شمار کیے جانے لگے۔

اساتذہ:

اوپر جن اکابر شیوخ کا ذکر ہوا' ان کے علاوہ یحییٰ نے اور بھی بکثرت ائمہ سے کسب فیض کیا' جن میں سے کچھ نام یہ ہیں:

marfat.com

یحییٰ بن سعید الانصاری، عکرمہ بن عمار، ابو مالک الاشجعی، ابن ابی غنیۃ، عبدالملک بن عبدالحمید، مسعر بن کدام وغیرہ۔

علم وفضل:

یحییٰ کی جلالت علمی پر علمائے امت متفق الرائے ہیں، امام علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اپنے زمانہ میں علم کے منتہا تھے، ان کے بعد حضرت شعبی اپنے عہد میں علم کے مرکز قرار پائے، پھر حضرت سفیان ثوری کا عہد آیا تو امام وقت ہوئے، اسی طرح حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ اپنے زمانہ میں علم کے منتہا تھے۔ ایک دوسرے قول میں وہ مزید فرماتے ہیں کہ امام ثوری کے بعد حضرت یحییٰ سے بڑھ کر کوئی شخص معتبر فی الحدیث نہیں تھا، حضرت یحییٰ بن سعید القطان مشہور امام جرح وتعدیل ہیں، لیکن وہ بھی یحییٰ بن ابی زائدہ کی علمی جلالت ووجاہت کے اس درجہ معترف تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جس کی مخالفت میرے لیے یحییٰ بن ابی زائدہ کی مخالفت سے زیادہ صبر آزماء اور شدید ہو۔

حدیث:

ان کا خاص فن حدیث تھا، جس میں وہ یکتائے عہد تھے ابو خالد الاحمر بیان کرتے ہیں کہ: ''کان یحییٰ جید الاخذ للحدیث'' ''یحییٰ کو حدیث کے انتخاب میں بڑی بصیرت حاصل تھی، ان میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ وہ عموماً کتاب دیکھے بغیر اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود کیا مجال تھی کہ کہیں خطا ہو جائے، یحییٰ بن معین نقد وجرح میں نہایت متشدد تھے، لیکن وہ بھی صرف ایک حدیث میں یحییٰ بن ابی زائدہ کی غلطی کا دعویٰ کر سکے۔ فرماتے ہیں:

کان یحییٰ بن زکریا کیسًا ولا اعلمہ اخطأ الا فی حدیث واحد۔

''یحییٰ بن ابی زائدہ نہایت فہیم وعقیل تھے، ایک حدیث کے علاوہ مجھے ان کی کسی غلطی کا علم نہیں''۔

marfat.com

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ عبداللہ ابن مبارک اور یحییٰ بن ابی زائدہ دو ایسی شخصیتیں ہیں کہ ہم نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

مدار اسناد:

یحییٰ اپنے زمانہ میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے' علی بن المدینی بیان کرتے ہیں کہ اسناد کا دارومدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا' آپ نے ان کے اسمائے گرامی بھی شمار کرائے' پھر ان چھ ارباب علم وفضل کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہوگیا جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا' (علی بن المدینی نے اس موقع پر ان بزرگوں کا نام بھی لیا) پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آ کر ختم ہوگیا' ایک ابوسعید یحییٰ بن سعید جو بنوتمیم کے غلام تھے اور جنہوں نے صفر ۱۹۸ھ میں وفات پائی اور دوسرے بزرگ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ہیں' کیا عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح یہ دونوں بزرگ نام اور کنیت میں یکساں ہیں' علم کی جامعیت اور مرکزیت میں بھی ایک ہیں۔

ثقاہت:

ثقاہت اور تثبت کے لحاظ سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا' تمام ائمہ حدیث ان کی ثقاہت پر متفق ہیں' حضرت یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ آپ کو ابن مسہر زیادہ محبوب ہیں' یا یحییٰ بن ابی زائدہ' بولے ''دونوں ثقہ اور قابل قبول ہیں' امام نسائی اور عجلی بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں' ابن نمیر اتقان کے لحاظ سے ان کو امام شافعی سے بھی فائق مانتے ہیں' ابوحاتم فرماتے ہیں ...... وہ مستقیم الحدیث ثقہ اور صدوق ہیں' حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی زائدہ کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے' وہ متقن ثبت اور صاحب سنت تھے۔

فقہ:

حدیث کی طرح ان کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا' چنانچہ ان کا شمار کوفہ کے فقہاء و محدثین میں بھی ہوتا ہے' ایک مرتبہ حضرت عجلی کے سامنے یحییٰ بن ابی زائدہ کا ذکر آ گیا' تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ثقہ ہیں اور ان کے والد زکریا بن ابی زائدہ بھی ثقہ تھے' اور دونوں ان اکابرامت میں سے ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے حسن بن ثابت

marfat.com

ایک مرتبہ یحییٰ سے ملاقات کرنے کے بعد لوٹے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ (یحییٰ بن ابی زائدہ) کے پاس مہمان تھا۔

افتاء:

فقہی کمال کے ساتھ وہ صاحب افتاء بھی تھے' ابن عماد حنبلی انہیں امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

عہدہ قضا اور وفات:

کمال تفقہ اور تثبت فی العلم کی وجہ سے ان کو وفات سے چار ماہ پیشتر مدائن کی قضا کا عہدہ پیش کیا گیا' جس کو انہوں نے منظور کرلیا۔ یہ زمانہ ہارون کی حکومت کا تھا۔ لیکن عمر نے وفا نہیں کی' اور اسی عہدہ قضا پر مامور ہونے کی حالت میں بماہ جمادی الاولیٰ ۱۸۳ھ میں مدائن میں وفات پائی' صاحب شذرات نے ۱۸۲ھ کے وفیات میں ذکر کیا ہے اس وقت عمر ۶۳ سال کی تھی۔

تصنیفات:

یحییٰ بن ابی زائدہ کو دیگر محدثین میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ وہ کوفہ کے سب سے پہلے امام ہیں' جنہوں نے حدیث میں تصنیف کی۔ علامہ بغدادی' علامہ سمعانی اور حافظ ابن حجر تینوں لکھتے ہیں کہ:

وهو اول من صنف الكتب بالكوفة.

''وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کوفہ میں کتابیں تصنیف کیں''۔

ان کا انداز تصنیف اتنا مقبول ہوا کہ ان کے بعد اور ائمہ نے بھی تصنیف کی طرف توجہ کی تو انہیں کے نقش قدم کو دلیل راہ بنانا پڑا' چنانچہ منقول ہے کہ امام وکیع نے اپنی کتابوں میں یحییٰ بن ابی زائدہ کی کتابوں کی ہی پیروی کی۔ ان کی تصنیفات کی تعداد اور دیگر تفصیلات کے بارے میں اہل تذکرہ خاموش ہیں۔ ابن ندیم نے صرف ایک کتاب ''کتاب السنن'' کی تصریح کی ہے۔ اغلب ہے کہ جس طرح اور بہت سے ائمہ کی تصنیفات گوشہ خمول میں گم ہیں' ان کی بھی نادر الوجود ہیں۔

marfat.com

یحییٰ بن یحییٰ اللیثی المصمودی رحمۃ اللہ علیہ

مؤطا کو امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بقول شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی ایک ہزار ہے لیکن مؤطا کے جو نسخے مشہور و معتبر ہیں ان میں یحییٰ بن یحییٰ المصمودی کا روایت کردہ نسخہ بھی ہے' بلکہ مصمودی کی روایت کو بالاتفاق معتبر ترین اور مقبول ترین قرار دیا جاتا ہے' اس کی شہرت کا اندازہ لگانے کے لیے اس بات کا ذکر کافی ہے کہ آج مؤطا کا نام ذہن میں آتے ہی اس سے مراد نسخہ مصمودی ہوتا ہے' یحییٰ اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بنا پر امام مالکؒ کے محبوب ترین تلامذہ میں تھے' اندلس میں مالکی مذہب کا چرچا ان ہی کی وجہ سے ہوا۔

نام ونسب:

یحییٰ نام اور ابومحمد کنیت تھی' پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس بن شملل بن منغایا اللیثی[1] طنجہ کے ایک مشہور بربری قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتے تھے' بنولیث کے غلام تھے' ان کے اجداد میں وسلاس اور دوسری روایت کے مطابق منغایا ' یزید بن عامر اللیثی کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے تھے' انہی بزرگ کی طرف منسوب ہو کر یحییٰ اللیثی کے نام سے شہرت پائی[2]

ولادت:

یحییٰ کے دادا کثیر نے جن کی کنیت ابوعیسیٰ بھی' اندلس کو اپنا وطن ثانی بنا کر قرطبہ میں سکونت اختیار کر لی تھی' وہیں ۱۵۲ھ میں یحییٰ کی ولادت ہوئی[3]

تحصیل علم:

شیخ یحییٰ نے سب سے پہلے قرطبہ ہی میں یحییٰ بن مضر الاندلسی سے احادیث کی

---

[1] ابن خلکان ج ۳ ص ۱۷۲۔ [2] الدیباج المذہب ص ۳۵۰۔ [3] مقدمہ اوجز المسالک ص ۲۶۔

marfat.com

سماعت کی اور پھر امام مالک کے تلمیذ رشید زیاد بن عبدالرحمٰن اللخمی سے پوری مؤطا کا سماع کیا' اس کے بعد طلب علم کے جذبہ شدید نے انہیں آمادہ سفر کیا اور وہ کشاں کشاں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے' ابن فرحون اور حافظ عبدالبر کے بیان کے مطابق اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی[1] لیکن صاحب اوجز کی تحقیق ہے کہ ان کی عمر ۲۸ سال تھی' اس لیے کہ شیخ یحییٰ کی ولادت ۱۵۲ھ میں ہوئی اور ۱۷۹ھ میں وہ سماع مؤطا کے لیے مدینہ آئے' اسی سال امام مالک کی وفات ہوئی[2]

مدینہ میں اس وقت امام مالکؒ اپنے فیض کا دریا رواں کیے ہوئے تھے' مصمودی نے ان سے مؤطا کی سماعت کی' لیکن اسی اثنا میں امام مالکؒ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے اور کتاب الاعتکاف کے تین ابواب سماعت سے رہ گئے' اسی بنا پر یحییٰ ان ابواب کو زیادہ روایت کرتے ہیں' بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ ابواب امام مالکؒ کی وفات شیخ یحییٰ کے دوسری مرتبہ مدینہ آنے کے وقت ہوئی' اس تحقیق کے مطابق ابن عبدالبر کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ سماع مؤطا کے وقت مصمودی کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور اغلب ہے کہ جب مصمودی امام مالکؒ کے انتقال کے وقت ان کی خدمت میں تھے' اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال ہی ہو۔

مصمودی نے تحصیل علم کے لیے اندلس سے دو مرتبہ مشرق کا سفر کیا' پہلی مرتبہ میں انہوں نے امام مالک کے علاوہ سفیان بن عیینہ' لیث بن سعد' عبداللہ بن وہب اور نافع بن نعیم القاری سے کسب فیض کیا' دوسرے علمی سفر میں انہوں نے ابن القاسم سے جو کہ امام مالک کے اعیان تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں' سماع حدیث کی[3]

شیوخ:

امام مالکؒ کے علاوہ مصمودی کو جن کبار ائمہ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا ان میں مشہور نام یہ ہیں: یحییٰ بن مضر' زیاد بن عبدالرحمٰن' لیث بن سعد' سفیان بن عیینہ' عبداللہ بن وہب' ابن القاسم' قاسم بن عبداللہ العمری' انس بن عیاض۔

---

[1] الدیباج المذہب ص ۳۵۰ والانتقاء لابن عبدالبر ص ۵۸۔

[2] مقدمہ اوجز ص ۶۶۔ [3] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۵۸۔

marfat.com

تلامذہ:

مصمودیؒ کے منبع فیض سے جو لوگ مستفید ہوئے' ان میں بقی بن مخلد' محمد بن وضاح' محمد بن العباس' صباح بن عبدالرحمن العتقی وغیرہ شامل ہیں[1]

علمی انہماک:

تحصیل علم کے لیے جس لگن' انہماک اور ذوق وشوق کی احتیاج ہوتی ہے' وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا' جب امام مالک کی خدمت میں سماع مؤطا کے لیے حاضر ہوئے تو دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو کر انہوں نے کلی توجہ سماع حدیث پر صرف کی' چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار اثنا درس میں کسی نے کہا: ''ہاتھی آ گیا'' تمام شرکاء درس ہاتھی دیکھنے چلے گئے' لیکن یحییٰ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں' امام مالک نے تعجب سے دریافت کیا کہ ''اندلس میں تو ہاتھی ہوتا نہیں' پھر تم کیوں نہیں دیکھنے گئے'' شیخ یحییٰ نے اس کا جو جواب دیا وہ بلاشبہ ہر عصر وعہد میں طالبان علم کے لیے دلیل راہ بنانے کے لائق ہے' فرمایا:

لم ارحل لا نظر الفیل وانما رحلت لا شاھدک واتعلم من علمک وھدیک.

''میں یہاں ہاتھی دیکھنے کے لیے نہیں آیا' میں تو یہاں اتنی دور سے صرف آپ کا فیض صحبت اٹھانے اور آپ کے علم وسیرت سے کچھ حاصل کرنے آیا ہوں''۔

اپنے لائق فخر شاگرد کا یہ جواب سن کر امام مالک اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت شیخ یحییٰ کو ''عاقل اھل الاندلس'' کا لقب عطا فرمایا[2]

تفقہ:

روایت حدیث کے ساتھ شیخ یحییٰ کو فقہ میں بھی درجہ کمال حاصل تھا' یہ تفقہ ان کی ذاتی صلاحیت اور محنت کے ساتھ ساتھ امام مالک اور سفیان بن عیینہ کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا' اندلس میں فقہ مالکی کی اشاعت میں اسد بن فرات' ابن حاتم' اور عبداللہ بن وہب

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۱۔ [2] ابن خلکان ج ۳ ص ۱۷۳ و مقدمہ او جز وغیرہ۔

marfat.com

وغیرہ کے ساتھ مصمودی کا بھی بڑا حصہ ہے' حافظ ابن حجر انہیں ''وکان فقیھا حسن الرای'' لکھتے ہیں[1]

افتاء:

مصمودی کے غیر معمولی تفقہ ہی کا نتیجہ تھا کہ اہل اندلس ان کے فتووں پر پورا اعتماد کرتے تھے' اس فن میں ان کی مہارت مسلم تھی' محققین کا اتفاق ہے کہ یحییٰ جب مختلف ممالک سے تحصیل علم کرنے کے بعد اندلس واپس آئے' تو مسند علم کی صدارت ان کے حصہ میں آئی۔ ابن خلکان نے لکھا ہے:

ان یحیٰی عاد الی الاندلس وانتھت الیہ ریاسۃ بھاوبہ انتشر مذھب مالک فی تلک البلاد وتفقہ بہ جماعۃ لا یحصون عددًا۔[2]

''بلا شبہ یحییٰ اس حال میں اندلس واپس آئے کہ ان کی ذات علماء و مدرسین کا مرکز ومنتہی بن گئی' یحییٰ ہی کے ذریعہ اندلس میں مالکی مذہب فروغ پذیر ہوا اور ان سے اتنے لوگوں نے تفقہ حاصل کیا جن کی تعداد کا شمار ممکن نہیں''۔

حافظ ابن عبدالبر رقمطراز ہیں:

قدم الی الاندلس بعلم کثیر فدارت فتیا الاندلس بعد عیسٰی بن دینار الیہ وانتھی السلطان والعامۃ الی رأیہ[3]

''یحییٰ کثیر علم کے ساتھ اندلس واپس آئے پس اندلس کے منصب افتاء پر عیسیٰ بن دینار کے بعد وہی فائز تھے' اورعوام وخواص سب آپ ہی کی رائے کی طرف رجوع کرتے تھے''۔

حق گوئی وبے باکی:

فقہ وفتاویٰ میں وہ اپنی رائے کا اظہار برملا کرتے تھے' اوراس میں کسی کے رعب ودبدبہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دربار شاہی بھی انہیں مرعوب نہ کرسکتا تھا'

---

1 تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۱۔ 2 ابن خلکان ج ۳ ص ۱۷۲۔ 3 الانتقاء لابن عبدالبر ص ۵۹۔

marfat.com

ایک بار اندلس کے حاکم عبدالرحمٰن بن حکم الاموی نے ماہ رمضان میں اپنی ایک محبوب لونڈی سے مجامعت کی، امیر میں چونکہ دین کا احساس باقی تھا، اس لیے اپنی اس اضطراری حرکت پر اسے شرمندگی اور کفارۂ معصیت کی فکر دامن گیر ہوئی، اس نے شہر کے تمام فقہاء کو قصر شاہی میں طلب کرکے کفارہ کا مسئلہ دریافت کیا، یحییٰ مصمودی نے پوری بے باکی کے ساتھ فرمایا کہ امیر کو پے درپے دو مہینہ کے روزے رکھنے چاہئیں، شیخ یحییٰ کی جلالت شان کی وجہ سے وہاں کسی فقیہ کو ان سے اختلاف مجال نہ ہوسکی، لیکن دربار سے واپس آنے کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ امام مالک تو اس نوع کے مسائل میں خیار کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک کفارہ صوم میں روزہ دار کو اختیار ہے، چاہے غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پھر آپ نے دو ماہ کے روزوں پر ہی کیوں اصرار کیا۔ یہ سن کر شیخ نے حکیمانہ جواب دیا:

لو فتحنا له هذا لباب سهل عليه ان يطأكل يوم و يعتق رقبة فيه ولكن حملته على اصعب الامر لئلا يعود۔[1]

''اگر ہم نے امیر کے لیے یہ دروازہ کھول دیا تو اس کے لیے بہت آسان ہوگا کہ روز مجامعت کرلے اور کفارہ میں کوئی غلام آزاد کردے لیکن میں نے اس کے لیے مشکل صورت اختیار کی تاکہ آئندہ وہ اس فعل کی جرأت نہ کرے''۔

جامعیت:

شیخ یحییٰ مصمودی کی شخصیت مختلف علمی اخلاقی اور روحانی کمالات کا مجموعہ تھی، ان کے تبحر علمی اور جامعیت کو تمام محققین نے خراج تحسین پیش کیا ہے، ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وكان اماما كثير العلم كبير القدر وافر الحرمة كامل العقل خير النفس كثير العبادة والعقل۔[2]

---

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۴۲۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۴۲۔

marfat.com

''وہ کثیر العلم، عظیم المرتبت اور نہایت ہی محترم و مؤقر امام تھے' ان کی عقل کامل تھی' نفس بہت نیک اور اچھا تھا' زیادہ عبادت کرنے والے تھے''۔

احمد بن خالد کا بیان ہے:

لم یحظ احد من اهل العلم بالاندلس منذ دخلها الاسلام من الخطوة وعظم القدر و جلالة الذکر ما اعطیه یحیی بن یحیی[1]

''جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا یہاں کے علماء میں سے کسی کو وہ جاہ و جلال اور عظمت و برتری حاصل نہیں ہوئی جتنی یحیٰی بن یحیٰی (مصمودی) کو حاصل ہوئی۔

ابو الولید ابن الفرضی کا قول ہے کہ یحیٰی مصمودی امام وقت اور یکتائے زمن تھے[2] ابن لبابہ کہتے ہیں کہ ''الیہ انتھت الریاسة فی العلم بالاندلس.[3]

علامہ مقری نے لکھا ہے کہ شیخ یحیٰی کی روایت کو اس قدر مستند سمجھا جاتا تھا کہ: مشرق کے علماء بھی اس سے استناد کرتے تھے[4]

جلالت شان:

یحیٰی مصمودی اپنے گوناگوں علمی کمالات کی بنا پر جس طرح عوام میں غیر معمولی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے' اسی طرح خواص میں بھی ان کی بڑی توقیر کی جاتی تھی' حکومت کی جانب سے ان کو بارہا منصب قضا کی پیش کش کی گئی' مگر انہوں نے پوری استغنا کے ساتھ اسے نامنظور کر دیا' اس کی وجہ سے ان کی عزت اور مرتبہ میں دو چند اضافہ ہو گیا' حتیٰ کہ سلطان وقت کی نگاہ میں ان کا مرتبہ اس درجہ بلند ہو گیا کہ ان کے مشورہ کے بغیر ملک کا کوئی اہم معاملہ انجام نہیں پاتا تھا' یہاں تک کہ گورنروں کے عزل و نصب میں بھی ان کی رائے کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

---

1. الانتقاء لابن عبدالبر ص ۶۰۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۱۔
3. الدیباج المذہب ص ۳۵۱۔ 4. نفح الطیب ج ۱ ص ۲۹۰۔

marfat.com

ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ یحییٰ اپنے بے لاگ عدل وانصاف کی وجہ سے اندلس کے بادشاہوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے' یہاں تک کہ جب تک وہ زندہ رہے' اندلس میں کوئی قاضی ان کے مشورہ کے بغیر مقرر نہیں ہوتا تھا۔[1]

علامہ ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ کی اشاعت قاضی ابویوسف کے چیف جسٹس ہونے کی بنا پر ہوئی' کیونکہ اس بلند عہدہ اور مخصوص علمی وقار کی جہ سے اقصائے مشرق سے لے کر اقصائے افریقہ تک صرف وہی لوگ ذمہ دار منصبوں پر فائز کیے جاتے تھے' جو قاضی ابویوسف کے ہم خیال وہم رائے ہوتے تھے' اسی طرح بلاد اندلس میں مالکی فقہ کی اشاعت یحییٰ مصمودی کے ذاتی اثر ورسوخ کی جہ سے ہوئی' سلطان وقت حکام کے عزل ونصب میں ان ہی کے مشورہ سے کرتا تھا' چنانچہ وہ عہدوں پر تقرری کے لیے انہی علماء کو ترجیح دیتے تھے' جو امام مالک کے مسلک کے پابند ہوتے تھے۔[2]

علامہ سیوطی نے ابن حزم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بلاد مغرب میں صرف یحییٰ مصمودی کے روایت کردہ نسخہ مؤطا کے مشہور ومقبول ہونے کا اصلی سبب یہی ہے۔[3]

مسلک:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا' یحییٰ مصمودی کو امام مالکؒ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت تھی' اسی بنا پر وہ مالکی مسلک کی شدت سے اتباع کرتے تھے' اور اس سے انحراف کو گوارا نہیں کرتے تھے' حالانکہ اس زمانہ میں کسی ایک مذہب کی پابندی کا دستور رائج نہ تھا۔

لیکن یحییٰ مصمودی مالکی مسلک کی کامل اتباع کے باوجود چار مسائل میں امام مالکؒ سے اختلاف رکھتے تھے' ان مسائل میں ان کا جداگانہ مسلک تھا۔

1. نماز فجر میں قنوت نہیں ہے۔
2. شاہد مع الیمین اثبات حق کے لیے ناکافی ہے' مدعی کو اپنا حق ثابت کرنے کے لیے دو

---

[1] افتتاح الاندلس ص ۵۸۔ [2] بحوالہ بستان المحدثین ص ۱۱۔ [3] تزئین الممالک ص ۵۶۔

marfat.com

مرد گواہ یا ایک مرد دو عورتیں پیش کرنا لازمی ہے۔

3 شوہر اور بیوی کے نزاع و اختلاف کی صورت میں حکمین کو صلح کرانے کا حق نہیں' مذکورہ بالا مسائل میں وہ لیث بن سعد کے مسلک کے قائل تھے[1]

حلیہ:

یحییٰ مصمودی شکل و ہیئت کے اعتبار سے اپنے شیخ امام مالک سے حد درجہ مشابہت رکھتے تھے' وہی سرخ سپید رنگ' بالا قد' بھاری بدن' کشادہ پیشانی' بڑی آنکھیں' اونچی ناک' گھنی اور لمبی داڑھی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقمطراز ہیں:

در وضع لباس ونشت و برخاست وہیئت ظاہری نیز تتبع حضرت مالک می نمود.[2]

''وضع قطع' اٹھنے بیٹھنے کے طور طریقے ظاہر شکل وصورت اور اتباع میں امام مالکؒ کی ہو بہو تصویر تھے''۔

مؤرخ ابن خلکان اور ابن فرحون مالکی بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ:

وكان قد اخذ فى نفسه وهيئة ومقعده هيئة مالك.[3]

''وہ اپنی شکل وصورت اور نشست و برخاست میں امام مالک کے ہم صورت و متبع تھے''۔

تقویٰ وطہارت:

یحییٰ مصمودی علمی فضل وکمال کے ساتھ عملی اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے' نہایت متقی اور پرہیز گار تھے' ابن بشکوال کا قول ہے کہ ''وكان مستجاب الدعوات''[4]

حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

---

[1] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۶۰۔ [2] بستان المحدثین ص ۱۳۔

[3] ابن خلکان ج ۳ ص ۱۷۴۔ الدیباج المذہب ص ۳۵۱۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۱۔

marfat.com

و کان یاتی الجامع یوم الجمعة راجلا متعمما[1]

''وہ جمعہ کے دن جامع مسجد عمامہ باندھ کر اور پیدل چل کر آتے تھے''۔

وفات:

۲۲ رجب ۲۳۴ھ کو علم و فضل کا یہ خورشید تاباں غروب ہوگیا' جس نے اپنی ضیا باری سے نصف صدی سے بھی زائد عرصہ تک اندلس کو منور رکھا[2] اس وقت عمر ۸۲ سال کی تھی[3] ان کی قبر قرطبہ کے قبرستان بنی عامر میں زیارت گاہ خلائق اور مرجع عوام ہے[4]

مؤطا نسخہ مصمودی کی خصوصیات:

شیخ مصمودی کا سب سے بڑا کارنامہ امام مالک کی مؤطا کی روایت وحفاظت ہے' جس نے بلاشبہ انہیں تاریخ علم وفن میں حیات جاوداں عطا کی ہے۔

امام مالک سے یوں تو سینکڑوں لوگوں نے مؤطا کا سماع حاصل کیا' لیکن ان سب نے امام صاحب کی مرویات کو محفوظ نہیں کیا' صرف سولہ تلامذہ نے اپنی روایت کے مطابق مؤطا کو جمع کیا' جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

یحییٰ بن مصمودی' عبداللہ بن وہب' ابن القاسم' عبیداللہ بن مسلم قعنبی' معن بن عیسیٰ' یحییٰ بن بکیر' سعید بن عفیر' ابو مصعب زہری' مصعب بن عبداللہ زہری' سلیمان بن برد' ابو حذافہ سہمی' سوید بن سعید' امام محمد بن حسن شیبانی' یحییٰ بن یحییٰ التیمی' عبداللہ بن یوسف دمشقی' محمد بن مبارک۔

مذکورہ بالا سولہ نسخوں میں مشہور اور متداول صرف دو نسخے ہیں' ایک مصمودی کا دوسرا امام محمد کا' لیکن ان دونوں میں بھی نسخہ مصمودی کو زیادہ شہرت اور مقبولیت نصیب ہوئی' حتیٰ کہ آج ساری دنیا میں مؤطا کا اطلاق نسخہ مصمودی ہی پر ہوتا ہے۔

اس نسخہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امام مالک کے وفات کے وقت

---

[1] الانتقاء لابن عبدالبر ص ۶۰۔ [2] ابن خلکان ج ۳ ص ۱۴۴۔

[3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۱۹۔ [4] ابن خلکان ج ۳ ص ۱۴۵۔

marfat.com

زیر سماعت تھا' کیونکہ جیسا اوپر مذکور ہوا یحییٰ مصمودی نے اس کا سماع امام مالک سے اسی سال کیا جس سال ان کی رحلت ہوئی' اس طرح وہ مؤطا کے تمام نسخوں میں آخری قرار پاتا ہے' اور ظاہر ہے' آخری سماع کو مرجح قرار دیا جائے گا۔

دوسری نمایاں خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ بہت سے ایسے فرعی مسائل پر مشتمل ہے جو کہ باب میں مذکور روایات کے مطابق ہیں' ان خصوصیات کے باوجود یحییٰ مصمودی کی روایت صحاح ستہ میں نہیں پائی جاتی ہیں' اس کا سبب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے یہ بتایا ہے کہ یحییٰ کی روایات میں اوہام زیادہ ہیں اس لیے وہ کتب ستہ میں جگہ نہ پاسکیں۔[1]

بعض محققین مؤطا امام محمد کو نسخہ مصمودی پر کئی وجوہ سے فوقیت دیتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں محدث زاہد الکوثری کی یہ رائے نہایت حقیقت پر مبنی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نسخے اپنی جداگانہ خصوصیات میں باہم دگر فوقیت رکھتے ہیں' وہ رقمطراز ہیں:

واشهر روايات فى هذا العصر رواية محمد بن الحسن بين المشارقة ورواية يحيى الليثى المصمودى بين المغاربة فلا ولى تمتاز ببيان ما اخذبه اهل من احاديث اهل الحجاز المدونة فى المؤطا وما لم ياخذ به لا دلة اخرى ساقها محمد فى مؤطنه وهى نافعة جدًا لمن يريه المغاربة بين آراء اهل المدينة وآراء اهل العراق وبين ادلة الفريقين والثانية تمتاز من نسخ المؤطا كلها باحتوائها على آراء مالك البالغة نحو ثلاث آلاف مسئلة فى ابواب الفقه وهاتان الروايتان فى غايات الكثرة فى خزانات العالم شرقا وغربًا[2]

''اس دور میں مؤطا کی مشہور ترین روایت اہل مشرق میں امام محمد بن حسن کی روایت ہے' اور اہل مغرب میں یحییٰ اللیثی کی روایت' پہلی روایت کا امتیاز یہ

---

[1] اوجز المسالک ص ۲۷۔

[2] مقامات الکوثری ص ۷۹' ۸۰' طبع مصر بحوالہ مؤطا امام محمدؒ۔

marfat.com

ہے کہ اس میں اہل عراق نے موطا میں مدونہ جن احادیث اہل حجاز کو لیا ہے اور جن کو دوسرے دلائل کی بنا پر جو امام محمد اپنی موطا میں لائے ہیں نہیں لیا ہے ان کا بیان ہے' اور یہ چیز ان لوگوں کے لیے نہایت مفید ہے جو اہل مدینہ اور اہل عراق کے اجتہادی مسائل اور فریقین کے دلائل کا باہم موازنہ کرنا چاہتے ہیں' اور دوسری روایت موطا کی تمام روایتوں میں اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ وہ تین ہزار کے قریب امام مالک کے اجتہادی مسائل پر مشتمل ہے جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب سے ہے اور یہ دونوں روایتیں دنیا کے کتب خانوں میں شرقاً غرباً نہایت کثرت سے موجود ہیں''۔

تاہم آج موطا امام مالک کے نام سے جو کتاب بالخصوص ہندوستان میں مروج ہے وہ یحییٰ مصمودی کی روایت ہے اور اسی کی شرحیں زرقانی' ابن عبدالبر' سیوطی اور شاہ ولی اللہ وغیرہم نے لکھی ہیں' یہ بات بجائے خود اس کی مقبولیت اور شہرت کی روشن دلیل ہے۔

marfat.com

یحییٰ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یحییٰ نام، ابوزکریا کنیت اور والد کا نام یمان تھا[1] عجلی خاندانی نسبت ہے۔[2]

ولادت:

خود اپنے بیان کے مطابق ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔[3]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز تبع تابعین میں تھے۔ حدیث کے علاوہ فقہ اور علوم قرآن میں بھی بلند مرتبہ حاصل تھا۔ عبادت وریاضت، سادگی وتواضع اور ذہانت وفطانت کا پیکر مجسم تھے، حافظ ذہبی ''الحافظ الصدوق'' لکھتے ہیں۔[4]

قرآن:

ابن یمان کو قرأت قرآن میں کامل دستگاہ حاصل تھی، اس کی تعلیم انہوں نے حمزہ بن حبیب الزیات (۸۰ھ، ۱۵۸ھ) سے حاصل کی تھی۔[5] جو اپنے عہد میں علم قرأت کے ماہر اور امام تسلیم کیے جاتے تھے، ان کا شمار قراء سبعہ میں ہوتا ہے۔

حدیث:

اگرچہ ان کے پایہ حدیث پر علماء نے کافی جرح کی ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس فن میں وہ کافی دسترس رکھتے تھے، اگرچہ ان کے حافظہ میں کوئی ضعف تھا، (جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے) تو وہ بھی عمر کے آخری حصہ میں اور کچھ خارجی اسباب کی بنا پر پیدا ہوا تھا، اس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے، حدیث میں انہوں نے ہشام ابن عروہ، سلیمان

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۷۲۔ [2] اللباب فی الانساب ج ۳ ص ۱۲۴۔

[3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۱۔ [4] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۲۶۰۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

الاعمش، اسماعیل بن ابی خالد، معمر بن راشد، منہال بن خلیفہ، حمزہ بن حبیب الزیات اور سفیان ثوری جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا تھا[1]

تلامذہ:

ابن یمان نے اپنے وطن کوفہ کے علاوہ بغداد میں بھی حدیث کا سرچشمہ جاری کیا تھا، جس سے فیض یاب ہونے والوں میں محمد بن عیسیٰ الطباعی، یحییٰ بن معین، حسن بن عرفہ، محمد بن نمیر، داؤد بن یحییٰ بن یمان، ابو ہشام الرفاعی، اسحاق بن ابراہیم بن حبیب، علی بن حرب الطائی کے نام لائق ذکر ہیں[2]

جرح وتعدیل:

ان کی ثقاہت وعدالت پر کافی کلام کیا گیا ہے، تمام بیانات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ابن یمان کی صداقت مسلم تھی، لیکن پھر مرض فالج میں مبتلا ہوجانے کے بعد ان کے ذہن ودماغ کی پہلے والی کیفیت باقی نہیں رہ گئی تھی، اس لیے روایت حدیث میں تشابہ اور اختلاط پیدا ہونے لگا، بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کا حافظہ جتنا زیادہ تیز تھا ویسا ہی وہ سریع النسیان بھی تھے، اور اس سے بلاشبہ راوی کا پایۂ ثبت واتقان مجروح ہوتا ہے، ابن مدینی کا بیان ہے ''صدوق فلج فتغیر حفظه''[3] یعنی وہ صدوق ہیں لیکن فالج زدہ ہونے کے بعد ان کے حافظہ کی کیفیت بدل گئی تھی۔

ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان كثير الحديث لا يحتج به اذا خولف.[4]

''وہ کثیر الحدیث تھے لیکن جب ان کی روایت کسی دوسری روایت سے مختلف ہو تو وہ لائق حجت نہیں''۔

یعقوب بن شیبہ کا قول ہے:

وكان صدوقًا كثير الحديث وانما انكر عليه اصحابنا كثرة الغلط

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۶۔ ۲ تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۰۔ ۳ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۰ والعبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۴۔ ۴ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص ۴۲۹ وتہذیب الکمال ج ۱۱ ص ۳۰۷۔

marfat.com

ولیس بحجة اذا خولف[1]

''وہ صدوق اور کثیر الحدیث تھے' ہمارے بعض احباب نے ان کو ناپسند کیا ہے وہ بکثرت غلطیاں بھی کرتے تھے اس لیے مخالفت کی صورت میں قابل حجت نہیں''۔

ان تمام آراء سے ابن یمان کی صداقت و عدالت کی بین شہادت تو ملتی ہے' لیکن ساتھ ہی کثرت خطا اور تغیر کا بھی پتہ چلتا ہے' لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ ضعف و نقص آخر عمر میں فالج کے ناگہانی حادثہ کا نتیجہ تھا' ورنہ حاشا کذب عمد کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اس کی تائید ابن عدی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

وھو نفسه لا یتعمد الکذب الا انه یخطئ و یشبه علیه[2]

''وہ فی الحقیقت کذب عمد کا ارتکاب نہ کرتے تھے' بلکہ تشابہ و غلطی ہو جایا کرتی تھی''۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کے سوا محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی تخریج ہے[3] عجلی کا بیان ہے:

کان من کبار اصحاب الثوری و کان ثقة جائزًا الحدیث متعبدًا معروفًا بالحدیث صدوقًا الا انه فلج فتغیر حفظه[4]

''وہ امام سفیان ثوری کے ثقہ کبار تلامذہ میں تھے' علاوہ ازیں جائز الحدیث' عبادت گزار اور صدوق تھے' الا یہ کہ فالج زدہ ہونے کے بعد قوت حافظہ میں کچھ تغیر ہو گیا تھا''۔

قوت حافظہ:

ان کا حافظہ بہت قوی تھا' اس کا پورا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ امام وکیع جو اپنی غیر معمولی قوت حفظ کی بنا پر عدیم النظیر تھے' بیان کرتے ہیں:

ما کان احد من اصحابنا احفظ للحدیث من یحیی بن الیمان کان یحفظ فی المجلس الواحدة خمسمائة حدیث[5]

---

1 میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۷۔ 2 تذکرہ ج ا ص ۲۶۔ 3 ایضاً۔ 4 تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۷
5 العبر فی خبر من غبر ج ا ص ۳۰۴ و میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۷۔

marfat.com

''ہمارے ساتھیوں میں حدیث کا حافظ یحییٰ بن الیمان سے بڑا کوئی نہ تھا' وہ ایک مجلس میں پانچ سو حدیثیں یاد کر لیتے تھے''۔

خود انہی کا بیان ہے کہ میں نے تفسیر کے باب میں سفیان ثوریؒ سے چار ہزار حدیثیں زبانی یاد کی تھیں۔[1]

محمد بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمار کے مفلوج ہوجانے کے بعد ان سے سماع کیا تھا' وہ کسی کتاب سے نہیں بلکہ اپنے حافظہ کی بنیاد پر ہم سے روایت بیان کرتے تھے۔[2]

عبادت:

زیور علم کے ساتھ' دولت عمل سے بھی مالا مال تھے' علامہ ذہبی رقمطراز ہیں کہ ''و کان من العلماء العابدین''[3] حتیٰ کہ دنیا سے بے تعلق اور کثرت ریاضت کی بنا پر ابن عیاش نے انہیں راہب تک کہا ہے۔[4]

سادگی:

ان کی زندگی انتہائی سادہ اور متواضع تھی' بشر بن حارث عینی شاہد ہیں کہ ایک مرتبہ یحییٰ بن یمان کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ ان کے جبہ میں بڑی کثرت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔[5] عجلی کا قول ہے: و کان فقیراً صبوراً۔[6]

وفات:

ہارون الرشید کے ایام خلافت میں رجب ۱۸۹ھ میں بمقام کوفہ عالم بقا کو رحلت فرمائی۔[7]

---

1. میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۷۔ 2. تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۲۔ 3. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۰۔
4. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۰۔ 5. تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۱۔
6. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۷۔ 7. طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۷۲۔

marfat.com

یزید بن زریع العیشی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یزید نام' ابو معاویہ کنیت اور والد کا اسم گرامی زریع تھا[1] بصرہ کے مشہور خاندان بنو عائش سے نسبت رکھنے کے باعث عیشی کہلاتے ہیں اس خاندان کو ائمہ سلف کی ایک بڑی جماعت کے انتساب کا شرف حاصل ہے[2]

ولادت:

۱۰۱ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے[3]

فضل وکمال:

علم وفضل اور مہارت فنی کے اعتبار سے اکابر حفاظ حدیث اور ممتاز اتباع تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں' اس کے علاوہ تثبت واتقان' ثقاہت وعدالت' زہد واتقا' استغناء و تواضع اور عبادت وریاضت کی بھی ایک اعلیٰ مثال تھے۔ ابوعوانہ ان کی صحبت فیض اثر سے چالیس سال تک مسلسل مستفید ہوتے رہے' وہ اس طویل ترین رفاقت کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''یزید کے چراغ علم سے ہر سال میرے علم و دانش کو جلا اور روشنی ملتی تھی''[4]

احمد کا بیان ہے:

کان یزید ریحانة البصرة مااتقنه وما احفظه[5]

''یزید بصرہ کے ناز بو تھے' وہ بڑے ہی متقن اور حافظ تھے''۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۵۔ [2] اللباب فی الانساب ج ۳ ص ۱۶۲۔

[3] خلاصہ تہذیب الکمال ص ۴۳۱۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۳۔ [5] العبر ج ۱ ص ۲۸۴۔

marfat.com

ابن عماد حنبلی انہیں ''الحافظ الثبت المتقن محدث اهل البصرة''۔ علامہ خزرجی ''الحافظ احد العلام''

اور امام یافعی ''الحافظ اللبیب'' لکھتے ہیں۔[1]

حدیث:

ان کا خاص فن حدیث تھا' اس میں انہیں اتنی مہارت اور قدرت حاصل تھی کہ زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر محدث البصرہ کے خطاب سے سرفراز کیا تھا' انہوں نے ایوب السختیانی' سعید بن ابی عروبہ' حمید الطویل' شعبہ اور سفیان ثوری جیسے نادرۂ زمن محدثین کے خزانہ علم سے بہرہ وافر پایا تھا' ان کے بعض دوسرے ممتاز شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں' سلیمان التیمی' سعید بن یزید' عمرو بن میمون' سعید بن ایاس الجریری' ہشام بن حسان' یونس بن عبید' ابن عون' معمر بن راشد' روح بن القاسم۔

خود ان کے آفتاب علم سے مستنیر ہونے والوں کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے۔ کیونکہ شیخ یزید کی پوری زندگی تدریس و روایت حدیث میں گزری تھی' ان کے تلامذہ کی طویل فہرست میں عبداللہ بن مبارک' عبدالرحمٰن بن مہدی' زکریا بن عدی' عبدالاعلیٰ بن حماد' یحییٰ بن یحییٰ النیساپوری' علی بن المدینی' عباس بن الولید' عمر بن عبدالوہاب الریاحی' محمد بن عبداللہ بندار' قتیبہ اور معلیٰ بن اسد وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔[2]

ثقاہت واتقان:

طویل العمر مشغلہ درس کی وجہ سے انہیں حدیث کی صحت وسقم کو پرکھنے کا پورا ملکہ پیدا ہوگیا تھا' اور اس میں ان کا تثبت واتقان علماء مسلم تھا' بشر الحافی فرماتے ہیں:

كان يزيد حافظًا متقنًا ما اعلم انی رأيت مثله ومثل صحة حديثه[3]

''شیخ یزید حافظ متقن تھے' میں نے ان جیسا صحیح الحدیث نہیں دیکھا''۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۹۸ وخلاصہ ص ۴۳۱ ومرأة الجنان ج ۱ ص ۳۸۲۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۵۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۳۔

marfat.com

یحییٰ بن سعید القطان کا بیان ہے کہ:

لم یکن ھھُنا احد اثبت منہ۔[1]

''ان سے زیادہ ثبت رکھنے والا بصرہ میں کوئی نہیں دیکھا''۔

علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقۃ کثیر الحدیث حجۃ۔[2]

''وہ ثقہ' کثیر الحدیث اور حجت تھے''۔

امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ:

ما اتقنہ وما احفظہ صدوق متقن۔[3]

''وہ بہت متقن' حافظ اور صدوق تھے''۔

علاوہ ازیں ابن معین' ابو حاتم اور دوسرے بہت سے علماء ان کی ثقاہت کا بصراحت اعتراف کرتے ہیں۔

زہد واتقاء:

ان کے والد زریع بصرہ کے والی تھے' اس لیے انہیں راحت وآسائش کے ہر قسم کے سامان فراہم تھے' لیکن یزید مال وزر اور ثروت وعزت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور غایت تقویٰ کی بنا پر اپنے باپ کے مال میں سے ایک حبہ بھی استعمال نہیں کیا' بلکہ کھجور کے پتوں کا کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے ابوسلیمان الاشقر بیان کرتے ہیں کہ زریع نے وفات کے وقت پانچ لاکھ درہم وراثت میں چھوڑے تھے' مگر یزید نے اس میں سے ایک درہم بھی نہ لیا۔[4]

ابن حبان کا قول ہے:

کان من أورع اھل زمانہ۔[5]

---

[1] العبر ج ۱ ص ۲۸۴۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۴۔ [3] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۲۷۷۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۷۔ [5] صفوۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۲۷۷۔

marfat.com

''وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے متقی تھے''۔[1]

مناقب:

علمی فضائل وکمالات کے ساتھ ان کی دنیائے علم بھی آراستہ تھی' خاص طور پر نماز کا بہت اہتمام رکھتے تھے اور نوافل کثرت سے پڑھتے تھے۔ اسی بنا پر عالم بالا میں خداوند قدوس نے ان کے ساتھ خصوصی معاملہ فرمایا' جیسا کہ نصر بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات یزید بن زریع کو خواب میں دیکھا' اور دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا؟ شیخ نے جواب دیا' کہ میں جنت میں داخل ہوگیا' عرض کیا کن اعمال کی بنا پر؟ فرمایا کثرت نماز کی وجہ سے۔

وفات:

۸ر شوال ۱۸۲ھ بروز چہار شنبہ بصرہ میں انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت ۸۱ سال کی عمر تھی[2]

---

[1] مرأۃ الجنان ج ۱ ص ۳۸۲۔ [2] ابن سعد ج ۷ ص ۴۴ العبر ج ۱ ص ۵۴' تہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۷۔

marfat.com

حافظ یزید بن ہارون اسلمی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جن اتباع تابعین نے علم وعمل کی قندیلیں فروزاں کیں' ان میں ایک ممتاز نام حافظ یزید بن ہارون اسلمی کا ہے' جو فقہ وحدیث میں مہارت تام رکھنے کے ساتھ سیرت وکردار کے اعلیٰ مرتبہ پر بھی فائز تھے' زہد تقویٰ' بے نفسی' وخشیت الٰہی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ان کی شخصیت کے نمایاں ترین جوہر تھے' ان کی علمی جلالت کا اندازہ کرنے کے لیے ان کے چند ممتاز ترین شیوخ وتلامذہ کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تابعین کرام میں سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد یحییٰ بن سعید اور سلیمان بن طرخان تیمیؒ سے اکتساب فیض کیا تھا' یحییٰ حدیث کی روایت کے ساتھ' تفقہ میں بھی کمال رکھتے تھے' یزید بن ہارون نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں۔ سلیمان تیمی (التوفی ۱۴۳ھ) کا طغرائے امتیاز' زہد وورع اور عبادت وریاضت تھا' وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے[2]

حافظ یزید زمرہ اتباع تابعین میں امام شعبہ' سفیان ثوری' عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون' حماد بن زید اور حماد بن سلمہ سے مستفید ہوئے تھے' امام شعبہ کا شمار اگرچہ کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے' مگر وہ اپنے علم وفضل' دیانت وتقویٰ اور بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں' انہوں نے دو صحابیوں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عمرو بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا' رؤیت صحابہ کا یہ فضل ان کی تابعیت کے لیے کافی ہے' اپنے فضل وکمال کی وجہ سے وہ امیر المومنین فی الحدیث کہلاتے ہیں[3]

---

1 تذکرۃ الحفاظ ص ۲۵۔ 2 شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۱۲۔

3 ملاحظہ ہو تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۶۷۔

marfat.com

امام سفیان ثوری زمرۂ اتباع تابعین کے گل سر سبد نے علم و فضل کے لحاظ سے ان کا شمار ان ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے جو ایک جداگانہ فقہی مسلک کے بانی تھے گو ائمہ اربعہ کے ساتھ سفیان ثوری کی آراء و مجتہدات کا ذکر بھی ملتا ہے۔[1] اس عہد میں جن علماء کو قرآن اور اس کی تفسیر و تاویل سے خاص شغف تھا اور جنہوں نے اس فن میں اپنی تاریخی یادگاریں بھی چھوڑی ہیں ان میں امام موصوف بھی ہیں ان کی تفسیر ابھی حال میں چھپ گئی ہے۔

عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشونؒ (المتوفی ۱۶۴ھ) ایسے جلیل القدر فقیہ تھے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے ان کو اس فن میں امام مالکؒ پر بھی فوقیت دی ہے اسی بنا پر مدینہ میں سرکاری طور پر صرف دو ہی آدمی فتویٰ دینے کے مجاز تھے ابن الماجشونؒ اور امام مالک علم و فضل کے ساتھ جو ہر عمل سے بھی مالا مال تھے زہد و تقویٰ کے بلند مقام پر متمکن تھے خطیب بغدادیؒ نے احکام و مسائل میں ان کے صاحب تصانیف ہونے ذکر کیا ہے۔[2]

حماد بن زید (المتوفی ۱۷۹ھ) حصول علم کے بعد اگرچہ حالت بینائی سے محروم ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے وہ مقام پیدا کیا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان سے استفادہ کو باعث فخر سمجھتے تھے امام الجرح والتعدیل عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ میں نے حماد سے بڑا عالم عالم سنت کسی کو نہیں دیکھا ابوعاصم بیان کرتے ہیں کہ حماد بن زید کی حیات میں ان کی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی مثل موجود نہ تھا۔[3]

یزید بن زریع ان کو سید المحدثین کہہ کر پکارتے تھے[4] وہ بے مثل قوت حافظہ کے مالک تھے عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید کو چار ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی حدیث کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا عبدالرحمن بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں حماد بن زید سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۳۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۹۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۷۔

[5] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۰۔

marfat.com

حماد بن سلمہ (التوفی ۱۶۷ھ) اپنے علم و فضل کے ساتھ زہد و اتقاء اور تدوین حدیث میں خاص امتیاز رکھتے تھے' بقول حافظ ذہبی' وہ پہلے شخص ہیں' جنہوں نے سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں حصہ لیا تھا۔[1]

حدیث کے تمام مجموعوں میں حماد بن سلمہ کی روایتیں موجود ہیں' خصوصیت سے ابو داؤد طیالسی نے' جو ان کے تلمیذ رشید ہیں اپنی مسند میں کئی سو روایتیں ان کے واسطے سے نقل کی ہیں' اسی طرح یحییٰ بن خریس کے پاس ان کی دس ہزار مرویات تھیں' تبحر علم کے ساتھ زیور علم سے بھی آراستہ تھے' امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ: حماد بن سلمہ کا یہ حال تھا' کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ کل آپ کو موت آ جائے گی' تو اس سے زیادہ عمل کی ان کو ضرورت نہ ہوتی۔[2] ان کی ساری زندگی منظم تھی کوئی لمحہ رائیگاں نہیں جانے دیتے تھے۔

مذکورہ بالا سطور میں حافظ یزید بن ہارون کے چند اساتذہ و شیوخ کے علمی و عملی علوم مرتبت کی ایک اجمالی جھلک پیش کی گئی' ان منتخب روزگار فضلاء سے اکتساب ضوء کر کے حافظ یزید بھی چشمک زن آفتاب بن گئے تھے' اور پھر خود ان کے دبستان علم سے جن اساطین دہر نے استفادہ کی سعادت حاصل کی ان میں امام احمد بن حنبل' اسحاق بن راہویہ' یحییٰ بن معین' علی بن مدینی اور آدم بن ابی ایاس کے نام قابل ذکر ہیں .... اور یعرف الشجرۃ بثمرہ کے مصداق ہیں' ان ائمہ و حفاظ حدیث میں سے ہر ایک اپنے استاذ یزید کے فضل و کمال کا شاہد عدل ہے۔

مذکورہ بالا تلامذہ میں امام احمد بن حنبل کی شخصیت محتاج بیان نہیں' وہ نہ صرف ایک فقہی مسلک کے بانی اور ایک ضخیم مسند کے جامع تھے' بلکہ اپنے فہم و تدبر نزاہت نفس' اخلاص عمل' صبر و استقلال' زہد و تقویٰ اور تواضع و انکسار کے لحاظ سے بے مثال تھے' انہوں نے فتنہ خلق قرآن میں جس استقامت اور جرأت حق گوئی کا اظہار کیا' وہ ان کا قابل تقلید اسوہ ہے' عجب کیا ہے کہ ان کے یہ اوصاف عالیہ حافظ یزید بن ہارون کے فیضان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۸۲۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۳۴۴۔

marfat.com

صحبت کا نتیجہ ہوں' وہ مامون الرشید کے منشاء کے علی الرغم پوری جرأت و استقامت کے ساتھ تمام عمر یہ اعلان کرتے رہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے' وہ کافر ہے[1]

امام المسلمین اسحاق بن راہویہؒ (المتوفی ۲۳۸ھ) کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے' جنہوں نے دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کی بے انتہاء خدمات انجام دیں اور ان دونوں میں تحریری یادگاریں بھی چھوڑیں۔ قوت حافظہ بھی بے مثال تھی' ابو داؤد خفاف (جو ان کے تلامذہ میں ہیں) کا بیان ہے کہ ایک بار ابن راہویہؒ نے گیارہ ہزار حدیثیں املا کرائیں اور پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا[2] امام بخاری' مسلم' ابو داؤد' ترمذی' نسائی' اور احمد بن حنبل جیسے جلیل المرتبت ائمہ ان سے شرف تلمذ رکھتے تھے' اور ان سب نے اپنی کتابوں میں ان کی روایات نقل کی ہیں۔

حافظ یزید کے تلامذہ میں یحییٰ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) جیسے فن اسماء الرجال کے ماہر بھی شامل تھے' پہلی صدی ہجری میں جب پیشہ ور واعظوں اور قصہ گویوں نے گرمی مجلس کی خاطر بکثرت بے سروپا روایتیں بیان کرنا شروع کر دیں تو وہ زبان زد خاص و عام ہو گئیں' محدثین نے اپنی خداداد فہم و بصیرت سے اس فتنہ کی اہمیت کو سمجھا اور پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اس کے سد باب کے لیے میدان میں آ گئے' اس کام کی داغ بیل تو پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں پڑ گئی تھی' مگر دوسری صدی میں محدثین نے باقاعدہ ایک نئے فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈالی کر اس فتنہ کا سد باب کر دیا' انہوں نے اصول و قوانین مرتب کیے' رواۃ کی سیرت و کردار کا معیار مقرر کیا' اور پھر اسی کے مطابق روایات کے رد و قبول کا فیصلہ کیا' یحییٰ بن معین نے اس سلسلہ میں جو غیر معمولی محنت کی اس کی تفصیل تہذیب التہذیب اور تاریخ بغداد میں دیکھی جا سکتی ہے' بقول صالح بن محمد وہ معاصر ائمہ حدیث

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۲۔

[2] تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۴۴۰۔

marfat.com

میں سب سے زیادہ رجال سے واقف تھے[1] مراتب حدیث اور جرح و تعدیل میں ان کے فرط احتیاط اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ اس خوف سے کہ روایت میں کہیں غلطی نہ ہوگئی ہو یا کسی راوی کی تعدیل و تنقید میں حق و صواب کا دامن نہ چھوٹ گیا ہو ان کی رات کی نیند حرام ہو جاتی تھی[2]

علی بن مدینی بھی ابن معین کی طرح جرح و تعدیل کے امام شمار ہوتے ہیں، بقول سفیان بن عیینہ وہ حدیث کا مرجع و ماویٰ تھے، امام بخاریؒ جن کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن المدینی کے علاوہ کسی کے سامنے خود کو حقیر نہیں سمجھا[3] ابن ماجہ اور نسائی نے ان سے بالواسطہ روایتیں کی ہیں، وہ محض حدیث کے حافظ اور راوی نہیں تھے، بلکہ اس کے عارف و ماہر بھی تھے، سند و متن رواۃ و روایت، ہر چیز پر ان کی نظر تھی، خامیوں اور نقائص کا پورا علم رکھتے تھے، ابو حاتم کا قول ہے کہ علی، معرفت حدیث و علل میں ایک علامت و نشان تھے[4]

حافظ یزید کے ایک اور ممتاز شاگرد آدم بن ابی ایاس ہیں جو امام شعبہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، علوم قرآن کی کامل معرفت اور اس کی مختلف قراٗتوں سے بہرۂ وافر رکھتے تھے، علماء کی اکثریت نے حدیث میں ان کے پایہ ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، جلالت علم کے ساتھ عمل اور تقویٰ اور صالحیت کا بھی مجسم پیکر تھے۔

عجلی کا قول ہے:

کان مین خیار عباد اللہ[5]

ان کی زندگی سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: وکان من الصالحین متمسکا بالسنۃ[6] خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸۳۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۱۱۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۵۲۔ [4] ایضاً۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۵۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۷۔

marfat.com

كان احد عبادالله الصالحين.

حافظ یزید کے اساتذہ وشیوخ کے بلند مقام کی طرف اوپر جو اشارات کیے گئے اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس نے ایسے یگانہ عصر اور ماہرین فن سے کسب فیض کیا ہو اور جس کے حلقہ اثر میں ایسے بےنظیر اہل فضل وکمال شامل ہوں، خود اس کے علوشان کا کیا عالم ہوگا، اس لیے ذیل میں ہم حافظ یزید بن ہارون کے حالات وکمالات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

نام ونسب:

یزید نام اور ابو خالد کنیت تھی، اصل وطن واسط (عراق) تھا۔ بنو اسلم کے غلام ہونے کے باعث اسلمی اور وطن کی نسبت سے واسطی کہے جاتے ہیں[1] پورا سلسلہ نسب یہ ہے: یزید بن ہارون بن زازان بن ثابت[2]

ولادت اور تعلیم وتربیت:

اپنے وطن واسط میں ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزرا، اس لیے اغلب ہے، کہ ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوگی۔ اس وقت واسط میں شعبہ بن الحجاج اور امام مالک وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے، امام یزید نے ان ائمہ سے اکتساب فیض کے بعد دوسرے مقامات کا سفر کیا اور ہر خرمن علم سے خوشہ چینی کی کوشش کی۔

شیوخ وتلامذہ:

ان کے اساتذہ اور تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے، مشہور اشخاص کے حالات اوپر بیان ہوچکے ہیں۔

شیخ یزید کے شیوخ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۷ میں ہے کہ قیل اصلہ من بخاری ان کا خاندانی تعلق بخاری سے تھا، اس طرح خطیب نے بھی واسطی لکھ کر پھر قیل کا لفظ لکھ کر بخاری کی طرف نسبت کی ہے۔

[2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۳۱۔

marfat.com

تقریباً تمام ہی ملکوں کے شیوخ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

واسط باہر جانے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حاسدوں کی وجہ سے واسط میں رہ کر علم وفضل میں امتیاز پیدا کرنا نہایت مشکل تھا' اور یہ واقعہ ہے کہ یہاں رہ کر کوئی بھی علم میں امتیاز پیدا نہ کرسکا' راوی کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا' کیا آپ بھی واسط میں رہ کر بلند پایہ عالم نہ ہو سکے۔ فرمایا: ہاں!

ماعرفت حتیٰ خرجت من واسط۔[1]

''میں بھی اس وقت تک معرفت حاصل نہ کرسکا جب تک واسط سے باہر نہیں آیا''۔

قوت حافظہ:

گوامام یزید فقہ میں بھی بلند پایہ مقام رکھتے تھے' لیکن ان کا اصل طغرائے کمال فن حدیث تھا' اور بلاشبہ اس میں انہوں نے غیر معمولی درک بہم پہنچایا تھا۔

خداوند قدوس نے انہیں ذہانت اور قوت حافظہ کی غیر معمولی دولت سے سرفراز کیا تھا' اس حیثیت سے وہ اپنے بہت سے ہم عصروں سے ممتاز تھے' حتیٰ کہ بعض محققین نے انہیں قوت حفظ میں امام وکیع پر بھی فوقیت دی ہے[2] خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بیس ہزار حدیثیں اسناد کے ساتھ ازبر ہیں اور اس پر غرور نہیں۔

بالخصوص شامیوں کی روایتیں ان کو کثرت سے حفظ تھیں کہتے تھے کہ مجھے شامیوں کی بیس ہزار حدیثیں اس طرح یاد ہیں کہ ان کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں تھی' امام جرح وتعدیل علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے یزید بن ہارون سے زیاد قوی الحفظ کسی کو نہیں دیکھا[3] ایک دوسری روایت میں ان کے یہ الفاظ یہ ہیں۔

مارأیت احدًا احفظ من الصغار والکبار من یزید بن ھارون۔[4]

''میں نے صغار وکبار میں یزید بن ہارون سے زیادہ قوت حفظ رکھنے والا کوئی

---

[1] تذکرہ ج اص ۲۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۲۹۔

[3] تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۲۳۱۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۱۶۔

marfat.com

نہیں دیکھا"۔

یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے کہ عراق کے حفاظ حدیث چار ہیں' دو شخص ادھیڑ عمر کے اور دو سن رسیدہ' موخر الذکر تو ہشیم اور یزید بن ربیع ہیں اور ادھیڑ عمر کے وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون ہیں' لیکن آخر زمانہ میں فرماتے ہیں:

واحفظ الکھلین ھارون[1]

"ان دونوں ادھیڑوں میں یزید بن ہارون زیادہ قوت حفظ رکھتے ہیں"۔

عمر کے آخری حصہ میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے' اس لیے کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتے تھے' جب کسی حدیث کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوتا تو اس کی توثیق و تصدیق کے لیے اپنی تربیت یافتہ لونڈی سے پڑھوا کر اطمینان کر لیتے تھے' بعض محدثین اس بات کو ان کے ضعف حفظ کی دلیل قرار دیتے تھے۔

لیکن خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ یہ متعدد ائمہ حدیث نے حضرت یزید بن ہارون کے غیر معمولی حفظ کا اعتراف کیا ہے' اور یہ تسلیم کیا ہے کہ انہیں اپنی روایت کی ہوئی حدیثیں خوب یاد تھیں' البتہ بڑھاپے میں فرط ضعف اور نابینائی کی وجہ سے ان کو اپنے حافظے پر پورا اعتماد نہ تھا' اس لے جب جب حدیث کے بارے میں تردد ہوتا تھا' تو اس کی توثیق لونڈی سے کتاب پڑھوا کر کر لیتے تھے' ان کا یہ فعل کمال احتیاط کی دلیل ہے نہ کہ ان کے ناقابل اعتماد ہونے کی[2]

ان کا حافظہ بڑھاپے میں ممکن ہے کچھ کم ہوگیا ہو' مگر اس کی وجہ سے ان کے اتقان فی الحدیث میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی' چنانچہ متعدد ائمہ حدیث نے ان کے اتقان فی الحدیث کی تعریف کی ہے' ابوزرعہ فرماتے ہیں والا تقان اکثر من حفظ الرد اتقان فی الحدیث سندوں کو یاد رکھنے سے زیادہ قیمتی ہے۔ خود یزید بن ہارون کو بھی اپنے حافظہ پر پورا وثوق اور اعتماد تھا' ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ ہارون اسلمی آپ کے پاس اس لیے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۶۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۶۔

marfat.com

آ رہا ہے کہ وہ چند حدیثوں کے الفاظ میں رد و بدل کر کے آپ کے حافظ کا امتحان لے‘ اسی اثنا میں ہارون آ موجود ہوا‘ یزید نے اس کی آواز سن کر کہا: ’’ہارون مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ آپ میری قوت حفظ کا امتحان لینے کی غرض سے مجھ پر بعض مشتبہ احادیث پیش کرنا چاہتے ہیں‘ تو آپ اپنی جیسی کوشش کر لیجئے‘ خدا مجھ کو قیامت کے دن کھڑا نہ کرے‘ اگر میں اپنی روایت کو اچھی طرح یاد نہ رکھ سکوں‘‘۔

ایک دوسرے موقع پر شیخ یزید نے فرمایا: ’’میں بیس ہزار احادیث رکھتا ہوں جس کا جی چاہے ان میں کوئی ایک حرف کم و بیش کر کے دیکھ لے‘‘۔[1]

درس حدیث:

شیخ یزید کا مستقل حلقہ درس واسط میں تھا‘ مگر وہ کبھی کبھی بغداد میں بھی اکثر تشنگان علم کو سیراب کرتے تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ:

قدم یزید بغداد و حدث بھا ثم عاد الیٰ واسط۔[2]

’’شیخ یزید بغداد آئے‘ وہاں درس حدیث دینے کے بعد واسط چلے گئے‘‘۔

کبار ائمہ حدیث ان سے کسب فیض کو باعث شرف و افتخار تصور کرتے تھے‘ ان کی مجلس درس میں طالبان علم کا بے حد ہجوم رہتا تھا‘ یہاں تک کہ کبھی کبھی طلبہ کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی تھی‘ یحییٰ بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ میں بغداد میں ان کی مجلس میں شریک تھا۔

و کان یقال ان فی المجلس سبعین الفا۔[3]

’’کہا جاتا تھا کہ ان کی مجلس میں ستر ہزار لوگ شریک تھے‘‘۔

فقہ:

حدیث کے ساتھ وہ فقہ میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے‘ ابو عبداللہ سے کسی نے دریافت کیا: ’’یزید بن ہارون فقیہ بھی تھے‘‘؟ فرمایا: ’’ان سے زیادہ ذہین و فہیم میری نظر

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۲۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۳۷۔ [3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۱۔

marfat.com

گزرا''۔ سائل نے پھر کہا' اچھا ابن علیہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ بولے: ''وہ فقیہ تو ضرور تھے' لیکن مجھ کو ان کی نسبت اتنا علم نہیں' جتنا کہ یزید بن ہارون کی نسبت ہے''۔[1]

زہد وعبادت:

علم وفضل کے ساتھ زہد واتقا اور عبادت وریاضت کی صفات بھی ان کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں' وہ نماز نہایت خشوع وخضوع سے ادا کرتے تھے اور خوف خدا سے ہمہ وقت لرزتے رہتے تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا' جن کی زندگی کا مقصد اور مشن ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا۔[2]

احمد بن نسان کا بیان ہے کہ میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو یزید بن ہارون سے زیادہ بہتر طریقہ پر نماز ادا کرتا ہو' وہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا کوئی ستون ہے' جو بے حس وحرکت اپنی جگہ پر نصب ہے' فرصت ہوئی تو وہ مغرب وعشا اور ظہر وعصر کے درمیان میں نوافل پڑھا کرتے تھے۔ اس عہد میں یزید بن ہارون اور ہشیم دونوں طویل نماز پڑھنے میں مشہور تھے۔ کثرت نوافل اور کثرت تلاوت کے باوجود یہ خوف ان پر طاری رہتا تھا کہ مبادا قرأت قرآن میں کوئی غلطی ہو جائے اور قیامت میں قابل مؤاخذہ قرار پائیں' فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ قرآن میں کسی غلطی کے صادر ہو جانے سے ان خوارج کا مصداق نہ بن جاؤں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

> یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم الرمیة۔[3]
>
> ''وہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترتا وہ دین سے طرح بے خبر ہو جاتے ہیں جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے''۔

عاصم بن علی کا بیان ہے کہ میں اور یزید بن ہارون مدت تک ابن الربیع کے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۰۔ [2] ایضاً ص ۳۴۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۱۔

marfat.com

پاس رہے، اس اثنا میں میں نے یزید بن ہارون کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور تمام رات نماز میں کھڑے ہی کھڑے گزار دیتے تھے، ایک شخص نے حضرت یزید سے پوچھا: ''آپ کتنی شب میں کتنی دیر سوتے ہیں''؟ بولے: ''اگر میں رات کو سوتا ہوں، تو خدا میری آنکھوں کو نیند سے محروم کر دے''۔[1]

خوف خدا:

یزید بن ہارون پر خشیت الٰہی کا غلبہ اس درجہ ہوتا تھا کہ ان کی آنکھیں ہر وقت پرنم رہتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بینائی سے محروم ہو گئے، کسی نے دریافت کیا، آپ کی دونوں خوبصورت آنکھیں کیوں ضائع ہو گئیں، فرمایا:

ذھب بھما بکاء الاسحار۔[2]

''گریہ صبحگاہی نے میری دونوں آنکھیں لے لیں''۔

عزت ووقار:

ان کے علم وفضل، زہد واتقاء اور جذبہ امر بالمعروف کا لوگوں کے دلوں پر اتنا گہرا اثر تھا کہ خلفائے وقت تک کوئی کام غلط اقدام کرنے سے ڈرتے تھے۔

خلق قرآن کے مسئلہ کی ابتداء تو دوسری صدی کے آغاز میں ہو چکی تھی، مگر امام احمد بن حنبل کے عہد میں اس نے ایک ہمہ گیر فتنہ کی شکل اختیار کر لی تھی، معتزلہ کے اثر سے مامون بھی اس کا قائل ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنے اس عقیدہ کی تبلیغ واشاعت کرے لیکن حضرت یزید بن ہارون کے خوف سے اس کے اظہار کی جرأت نہ کر سکا، قاضی یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ہم سے کہا:

ولا مکان یزید بن ھارون لا ظھرت القرآن مخلوق۔[3]

''اگر یزید بن ہارون کے مرتبہ اور اثر کا خیال نہ ہوتا (جو لوگوں کی نگاہ میں ان کا ہے) تو میں قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کر دیتا''۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۱۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۹۔ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۹۲۔

marfat.com

کسی درباری نے پوچھا امیر المومنین! یہ یزید بن ہارون کون ہیں؟ جن سے آپ بھی اس قدر خوف زدہ رہتے ہیں' مامون نے جواب دیا: ''میں ان سے اس لیے نہیں ڈرتا کہ ان کے ہاتھ میں کوئی سلطنت یا اقتدار ہے' بلکہ مجھے خوف یہ ہے کہ اگر میں اپنے عقیدہ کا اظہار کردوں اور وہ میری تردید کریں' تو ایک عظیم فتنہ کھڑا ہوگا' اور میں فتنہ سے ڈرتا ہوں'' وہ شخص بولا: اچھا میں تصدیق کرتا ہوں۔

چنانچہ شخص مذکورہ واسط آیا اور ایک مسجد میں جہاں حضرت یزید بن ہارون تشریف رکھتے' ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا' امیر المومنین آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہے کہ قرآن کے کلام مخلوق ہونے کا اعلان کردوں' یہ سن کر یزید بن ہارون بولے: ''تم امیر المومنین پر بہتان طرازی کرتے ہو وہ لوگوں کو کسی ایسی بات پر آمادہ نہیں کرسکتے' جس کو وہ نہیں جانتے ہیں' اگر تم سچے ہو تو مجلس میں دوسروں کی آمد کا انتظار کرو اور جب لوگ آجائیں تو اس بات کا اعادہ کرنا۔

راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز مجلس گرم ہوگئی' تو یہ شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے پہلے روز والی بات دہرائی کہ امیر المومنین کلام اللہ کے مخلوق ہونے کا اظہار کرنے کے خواہش مند ہیں' یزید بن ہارون نے پوری دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ تم امیر المومنین پر تہمت باندھتے ہو' وہ کسی ایسی بات پر لوگوں کو آمادہ نہیں کرسکتے جس کو لوگ بالکل نہ جانتے ہوں' اور جس کا قائل کوئی ایک شخص بھی نہ ہو۔

اس گفتگو کے بعد اس شخص نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: امیر المومنین آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ بالکل بجا اور درست تھا' اس معاملہ میں بلاشبہ آپ کا علم بہت زیادہ تھا[1]

یزید بن ہارون کو معلوم تھا کہ مامون الرشید کا رجحان خلق قرآن کی طرف ہے' لیکن اس کے باوجود ان کی حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ وہ بے خوف ہو کر اعلان کرتے تھے کہ قسم

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۲۔

marfat.com

ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو شخص خلق قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے[1]

بے نفسی:

انسان فطرۃً خود پسند واقع ہوا ہے، لیکن ائمہ کرام کی زندگیوں کا یہ درخشاں ورق ہے کہ انہیں ہمیشہ اپنی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رہی، وہ اپنی تعریف و توصیف پر بجائے خوش ہونے کے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ یزید بن ہارون عمر بھر اس عجز و فروتنی کا کامل نمونہ رہے۔

علی بن الجندی العراقی اس عہد میں ایک پر گو شاعر تھا، اس کو ان سے قلبی عقیدت تھی، ایک مرتبہ اس نے حاضر ہو کر آپ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھا، جس میں تشبیب کے بعد وہ کہتا ہے: ۔

الی یزیدبن ہارون الذی کملت　　فیه الفضائل و اشفی علی ختن

حتی اتیت امام الناس کلهم　　فی العلم الفقه و الاثار و السنن

و الدین و الزهد و الاسلام قد علموا　　و الخوف لله فی الاسرار و العلن

یراتقیا خاشعا ورعا　　مبرا من ذوی الافات و الابن

ماذاك من کان طفلا فی شبیبة　　حتی علاه مشیب الراس و الدقن

شاعر نے اس قصیدہ کو نہایت دل سوزی اور محبت کے ساتھ لکھا تھا، اس لیے طبیعت پر جبر کر کے سن تو لیا، مگر بقول راوی ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب شاعر نے وہ اشعار پڑھے، جن میں شیخ کی مدح کی گئی تھی، تو آپ نے اس کو روک دیا اور اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹنے لگے[2]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ عہد صحابہ اور تابعین میں عام تھا، یزید بن ہارون بھی اس کا مجسم نمونہ تھے، مامون جیسا باجبروت خلیفہ بھی اس بارے میں شیخ سے خوف زدہ رہتا تھا، محمد بن احمد اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یزید بن ہارون ان بزرگوں میں

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ص ۳۴۲۔　[2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۲۔

marfat.com

سے تھے، جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں:

وكان يعد من الأمرين بالمعروف والناهين عن المنكر[1]

مرجع خلائق:

یزید بن ہارون اپنے علمی فضائل اور عملی کمالات کے باعث عوام و خواص کے مرجع بن گئے تھے، اوپر ذکر آ چکا ہے کہ ان کی مجلس میں بسا اوقات ستر ستر ہزار کا مجمع رہتا تھا[2]

ابو بکر بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یزید بن ہارون مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، لوگ ان پر جھکے ہوئے ہر طرف سے سوالات کی بارش کر رہے تھے، لیکن وہ خود خاموش تھے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیتے تھے، جب سب خاموش ہو گئے، تو آپ نے فرمایا: ہم واسط کے رہنے والے ہیں اور واسط کے لوگ تغافل میں ضرب المثل ہو گئے ہیں، یعنی ہم لوگ ایسی باتوں کا جواب دے کر اپنی قیمتی وقت ضائع نہیں کیا کرتے[3]

وفات:

بالآخر ۲۰۶ھ میں واسط میں علم و فضل کی یہ شمع خاموش ہو گئی، اس وقت ۸۸ برس کی عمر تھی[4]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۹۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۴۵۔
[4] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۵۰ و شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۱۔

marfat.com

یعقوب بن اسحاق الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یعقوب نام، ابو محمد اور ابو یوسف کنیتیں تھیں، پورا نسب نامہ یہ ہے: یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبداللہ بن ابی اسحاق[1] حضرمیوں سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث حضرمی اور وطنا بصری کہلاتے ہیں۔

مولد:

۱۱۷ھ میں علم وفن کے عالمی مرکز بصرہ میں پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے امام یعقوب اتباع تابعین کی جماعت میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں، قرآن، حدیث، فقہ اورنحو میں ان کو کامل دسترس حاصل تھی، خصوصاً فن قرأت میں اپنی مہارت وکمال کے باعث قراء عشرہ میں شمار ہوتے ہیں، بصرہ میں امام القراء ابو عمرو بن العلاء کے بعد باتفاق امت شیخ الفن تسلیم کیے گئے، ابن عماد الحنبلی ''احد الاعلام'' لکھتے ہیں، علامہ یاقوت رومی رقمطراز ہیں۔

الامام فی القرا ات والعربیة ولغة العرب والفقه.[3]

''وہ قرأت، عربیت لغت اور فقہ میں امام تھے''۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

---

[1] معجم الادباء ج ۷ ص ۳۰۲ وبغیۃ الوعاۃ ص ۴۱۸۔

[2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۔

[3] معجم الادباء ج ۷ ص ۳۰۲۔

marfat.com

كان اعلم الناس فى زمانه بالقراات والعربية وكلام العرب والرواية والفقه۔[1]

''کلام عرب' حدیث اور فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے''۔

ابو حاتم سجستانی جنہیں امام یعقوب الحضرمی سے تلمذ کا شرف حاصل ہے' بیان کرتے ہیں کہ:

كان اعلم من ادركنا ورأينا بالحروف والاختلاف فى القرآن الكريم وتعليله ومذاهبه ومذاهب النحويين فى القرآن الكريم۔[2]

''جن شیوخ کو ہم نے دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی ان میں امام یعقوب اختلاف قرآن اس کی تعلیل اور مذاہب اور قرآن میں نحویوں کے مسالک کے سب سے بڑے عالم تھے''۔

قرأت:

ان کی کلاہ افتخار کا اصل طرۂ امتیاز فن قرأت میں غیر معمولی مہارت تھی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد تابعین اور تبع تابعین عظامؒ کے طبقہ میں صاحب اختیار ائمہ قرأت کی تعداد بکثرت ہے' بقول امام محمد مکی قراء سبعہ نے جن ائمہ قرأت سے روایت کی' صرف ان ہی کی تعداد ستر ہے' اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اختیار قرأت کا جو سلسلہ صدیوں کے عرصہ پر محیط رہا ہو' اس میں کس قدر بے شمار ماہرین فن پیدا ہوئے ہوں گے۔

لیکن ان تمام روایات میں صرف دس قرأتیں متواتر قرار پائیں' اور ان میں بھی حسن قبول اور شہرت عام کی سند سات قرأتوں کے نصیب میں آئی' وہی آج قرأت سبعہ کے نام سے مشہور ہیں' دوسری صدی کے اوائل میں فن قرأت کے جو مراکز مرجوعہ خلائق رہے' ان میں مدینہ' کوفہ' مکہ' بصرہ اور دمشق کے نام ممتاز ہیں۔

قرأسبعہ میں امام ابوعمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۴ھ) سرزمین بصرہ ہی کے شب

---

[1] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۱۸۔ [2] مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۳۰۔

marfat.com

چراغ تھے اور اسی مردم خیز زمین سے امام یعقوب بن اسحاق بھی پیدا ہوئے' جن کی روایت کو اپنی اہمیت وعظمت کی وجہ سے قراات عشرہ میں آٹھوں مقام حاصل ہوا' اور حقیقت یہ ہے کہ امام یعقوب کی شہرت ومقبولیت کی اساس یہی فن بنا' یہاں تک کہ قاری اہل البصرہ اور المقری ان کے نام کے لازمی جزو بن گئے۔

انہوں نے قرأت کی تحصیل سلام بن سلیمان الطویل' مہدی بن میمون' اور ابوالاشہب العطاردی سے کی' اور قراء سبعہ میں امام ششم حمزہ بن حبیب الزیات اور امام ہفتم ابوالحسن علی الکسائی سے نکات فن کی روایت اور سماع کا شرف حاصل کیا۔ اور پھر جب وہ خود باکمال ہوکر مسند قرأت پر جلوہ افروز ہوئے تو حرمین' عراق اور شام کے اکابر علمائے فن نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا' چنانچہ ان سے قرأت کی روایت کرنے والوں میں روح بن عبدالمومن محمد بن المتوکل اور ابوحاتم بجستانی کے نام نمایاں ہیں [1]۔

ابن عماد نے لکھا ہے کہ بصرہ کے تقریباً تمام ائمہ قرأت امام ابوعمرو بن العلاء کے بعد ان ہی کی روایت کے متبع ہیں [2] تمام تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق ان کے صحیفہ کمال کے اس باب کو نہایت واضح طور پر ذکر کیا ہے' چنانچہ علامہ یافعی رقمطراز ہیں:

انه کان امام البصرة فی عصره فی القراء ة. [3]

''وہ اپنے عہد میں اہل بصرہ کے فن قرأت میں امام تھے''۔

حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

وله روایة مشهورة به وهی احدی القراات العشر. [4]

''قرأت میں ان کی ایک مشہور روایت ہے اور وہی دس قرأتوں میں سے ایک ہے''۔

علامہ یاقوت رومی فرماتے ہیں:

ثامن قراء العشرة الامام فی القراات. [5]

---

[1] مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۳۰۔ [2] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۔ [3] مرأۃ الجنان ج ۲ ص ۳۱۔
[4] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۱۸۔ [5] معجم الادباء ج ۲ ص ۳۰۲۔

marfat.com

"قراء عشرہ میں آٹھویں نمبر پر وہ فن قراءت کے امام تھے"۔

ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ جن علماء سے ہمیں شرف لقاء حاصل ہوا ان میں امام یعقوب الحضرمی قرآن کے رموز و نکات اور اس کے حروف کے اختلافات کے سب سے بڑے عالم تھے[1]

کسی شاعر نے اپنے اشعار میں امام یعقوب کو زمرۂ قراء میں مہر جہاں تاب کے الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

(ترجمہ) ان کے والد اور جد امجد ممتاز قراء میں تھے، اور یعقوب تو قراء کے درمیان مہر تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ اپنے فن میں منفرد و یکتا تھے، ان کی نظیر نہ صرف ان کے عہد بلکہ تا قیامت نہ مل سکے گی،،[2]

علامہ یافعی نے قرأت میں رسول اکرم ﷺ تک امام یعقوب الحضرمی کی سند نقل کی ہے، جو اس طرح ہے، یعقوب عن سلام عن عاصم عن ابو عبدالرحمٰن السلمی عن علی عن رسول اللہ ﷺ[3] اس سے ان کے عالی سند ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حدیث:

قرأت میں باکمال ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں بھی بہرۂ وافر رکھتے تھے، اس میں انہیں حضرت انس بن مالک، امام شعبہ، سالم بن عبداللہ بن عمر، سلیمان بن یسار اور حماد بن سلمہ جیسے یگانۂ عصر ائمہ سے تلمذ حاصل تھا، ان کے علاوہ جن لائق ذکر شیوخ سے انہوں نے روایت حدیث کی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

زید بن عبداللہ (جو ان کے جد امجد تھے) اسود بن شیبان، سہیل بن مہران، سلیمان ابن معاذ الضبی، زائدہ بن قدامہ، سلیم بن حیان، عبدالرحمٰن بن میمون، عقبہ بن عبدالغافر، ابو عقیل الدورقی۔

---

1. شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۴۔ 2. البغیۃ الوعاۃ ص ۴۱۸۔
3. میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۔

marfat.com

تلامذہ:

ان کے دامن فیض سے فیض حاصل کرنے والوں میں سفیان ثوری، وہیب، یزید بن زریع، عمر بن علی فلاس، اسماعیل بن علیہ، بشر بن الفضل، ہشیم بن بشیر، عبدالاعلیٰ بن مسہر، عقبہ بن مکرم العمی، حسین بن علی الصدائی، محمد بن سیرین اور یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ جلیل القدر علماء شامل ہیں[1]

جامعیت:

ان کی ذات مختلف علمی وعملی کمالات کا مجموعہ تھی، قرأت وحدیث میں ان کی مہارت کا ذکر گزر چکا ہے، علاوہ ازیں وہ نحو عربیت، فقہ اور لغت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، علامہ یاقوت نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں نحو کے مختلف مکاتب اور ان کے اختلافات کے سب سے بڑے عالم تھے[2]

عبادت میں انہماک:

اس علمی تفوق کے ساتھ وہ عمل کا بھی پیکر مجسم تھے، کثرت عبادت، زہد وورع اور امانت الی اللہ ان کے خاص اوصاف تھے، نماز میں ان کے انہماک، خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہ ایزدی میں کھڑے ہونے کے بعد پھر انہیں کچھ ہوش نہ رہتا تھا، حافظ سیوطی رقمطراز ہیں:

سوق رداء ہ وھو فی الصلوٰۃ ورد الیہ ولم یشعر لشغلہ فی الصلوٰۃ.[3]

''حالت نماز میں ان کی چادر چوری ہوگئی اور پھر واپس بھی آ گئی لیکن نماز میں مشغولیت کے باعث ان کو احساس تک نہ ہوا''۔

نقد وجرح:

امام یعقوب کی عدالت اور ثقاہت کے بارے میں علمائے فن کی مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، لیکن اکثر جلیل القدر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ثقہ اور صدوق تھے،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۸۲۔ [2] معجم الادباء ج ۷ ص ۳۰۲۔ [3] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۱۸۔

marfat.com

چنانچہ ابن معین، امام نسائی اور ابو حاتم مطلقاً ان کی مرویات کو حجت اور سند مانتے ہیں، ابن حبان نے بھی اپنی تصنیف میں ان کا ذکر کیا ہے[1] صرف علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

لیس ھو عندھم بذک التثبت یذکرون انه حدث عن رجال لقیهم وھو صغیر[2]

''وہ تثبت میں بلند پایہ نہیں تھے، علماء کا خیال ہے کہ انہوں نے ان شیوخ سے روایتیں کی ہیں جن سے وہ صغرسنی میں ملے تھے''۔

صاحب طبقات کے اس بیان کا ضعف اس طرح واضح ہے کہ انہوں نے ''یذکرون'' کے قائلین کو مجہول و نامعلوم کر دیا ہے۔

تصنیف:

وہ صاحب تصنیف بھی تھے، علامہ یاقوت اور خیرالدین زرکلی نے ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے، کتاب الجامع، وقف التمام، اول الذکر میں مصنف نے وجہ قرأت کے اختلافات کو جمع کیا ہے[3]

وفات:

ذی الحجہ ۲۰۵ھ میں اپنے وطن مالوف بصرہ میں وفات پائی، انتقال کے وقت ۸۸ سال کی عمر تھی[4] صاحب معجم الادباء نے ذی الحجہ کی بجائے ماہ جمادی الاولیٰ کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۳۸۲۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۷ص ۵۵۔

[3] معجم الادباء ج ۷ص ۳۰۲۔ [4] بغیۃ الوعاۃ ص ۴۱۸۔

marfat.com